رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

مکہ کی وادیوں میں

جلد اوّل

حافظ محمد ادریس

ادارہ معارف اسلامی

ادارہ معارفِ اسلامی

یہ ادارہ، اسلامی علوم و معارف کی تحقیق و تصنیف اور اشاعت و ترویج کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد دورِ حاضر کے عظیم مفکر اور قائد تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جولائی ۱۹۶۳ء میں رکھی تھی اور اس کا پہلا مرکز کراچی میں قائم کیا گیا تھا۔ بعد ازاں فروری ۱۹۷۹ء میں مولانا مرحوم نے لاہور کو اس کا دوسرا مستقر بنایا۔ اب کراچی اور لاہور میں ادارہ معارف اسلامی کے دونوں مراکز داخلی طور پر خود مختارانہ اور مقصدی اور آئینی طور پر ہم آہنگی سے حسب ذیل مقاصد کے لیے کوشاں ہیں:

- ❏ تحقیق اور علمی جستجو کے بعد اسلامی تعلیمات کو جدید ترین اسلوب اظہار کے ذریعے پیش کرنا اور تمدن، تاریخ، قانون، معیشت اور دوسرے دائروں میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسلام کی روشنی میں تلاش کرنا۔
- ❏ علمائے اسلام کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیب نو، تشریح و توضیح اور اشاعت، اسی طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی ممکن بنانا۔
- ❏ عالم اسلام کے موجودہ مسائل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ فہم پیدا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے بارے میں بالعموم اور پاکستان کے بارے میں بالخصوص تحقیقی کام کرنا۔
- ❏ اسلامی موضوعات پر دورِ حاضر کے مسلم علما کے نمایاں کارناموں کی دنیا کی اہم زبانوں بالخصوص اردو، عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی میں تراجم اور اشاعت کا انتظام کرنا۔
- ❏ عام پڑھے لکھے لوگوں میں اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور مسلم دنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے مناسب طرز کی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔
- ❏ تعلیم کو مثبت اسلامی آہنگ دینے اور اسلامی بنیادوں پر تشکیل شدہ ایک نئے نظام تعلیم کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف مراحل کی نصابی اور امدادی کتب کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

Marfat.com

رسولِ رحمت ﷺ

مکہ کی وادیوں میں

جلد اوّل

حافظ محمد ادریس

ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور

M-30346

Marfat.com

277-9921
2091
1610

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	رسول رحمت ﷺ مکہ کی وادیوں میں (جلد اوّل)
تصنیف	:	حافظ محمد ادریس
مطبع	:	مڈوے پرنٹرز، لاہور
اشاعت اوّل	:	اکتوبر 2017ء (1100)
صفحات	:	408
قیمت	:	-/375 روپے

باہتمام:

ادارہ معارف اسلامی منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790

042-35252475-76,35419520-4 042-35252194

imislami1979@gmail.com www.imislami.org

تقسیم کنندہ:

مکتبہ معارف اسلامی منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔

042-35252419, 35419520-4

Marfat.com

فہرست

دیباچہ	مولانا عبدالمالک	۱۷
تقدیم	پروفیسر محمد ابراہیم خان	۲۱
تقریظ	حافظ ساجد انور	۲۴
پیش لفظ	حافظ محمد ادریس	۲۷

حصہ اوّل
تمہیدی مباحث

⊙ دیارِ عرب ۳۴
❀ نسبتِ عالیہ کا کمال ۳۴
❀ عرب کی وجہِ تسمیہ ۳۵
❀ عرب کا محلِ وقوع ۳۵
❀ ریگستانی پہاڑ اور برفانی چوٹی ۳۶
❀ مآخذِ تاریخ ۳۶
❀ جزیرہ نمائے عرب طبعی حالت ۳۷
❀ اقوام وقبائل ۳۸
❀ بنو قحطان ۳۹
❀ قدیم عرب حکومتیں ۴۰
❀ رومیوں کا عبرت ناک انجام ۴۱
❀ سلطنت کندہ ۴۲
❀ قبل اسلام کے عربی تمدن کا مرکز ۴۲
❀ حبشہ کا عروج ۴۳
❀ ذوالقرنین ۴۳
❀ تورات میں سبا کی عظمت ۴۷
❀ نابتی حکومت ۴۷
❀ تہذیب وتمدن ۴۸
❀ سبا کا قرآن میں تذکرہ ۴۹
⊙ نبی ﷺ کے آباواجداد ۵۱
❀ وادیٔ بکہ ۵۱
❀ ام القریٰ کے مختلف نام ۵۲
❀ صفا مروہ اور زمزم ۵۳
❀ حج کا حکم ۵۳
❀ سیّدہ ہاجرہؓ کی عظمت ۵۴
❀ ابراہیم علیہ السلام ۵۵

Marfat.com

⊙ چاہِ زم زم ۵۶
❀ زم زم ایک معجزہ ۵۶
❀ گہرائی، چوڑائی اور لمبائی ۵۷
❀ موجود معدنیات ۵۷
❀ فضیلت ۵۸
❀ یومِ حشر کی پیاس ۵۸
❀ آبِ زم زم ایک زندہ جاوید معجزہ ۵۹
❀ مکہ کا افتخار و اعزاز ۶۰
❀ آب زم زم پر تحقیق ۶۰
❀ آب زم زم اور عام پانی پر تحقیق ۶۱
❀ ایک ذاتی تجربہ ۶۱
⊙ اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام ۶۲
❀ بنو جرہم کی آمد ۶۲
❀ ابتلائے عظیم ۶۲
❀ ذبیح اللہ ۶۴
❀ اسحاقؑ و یعقوبؑ کی بشارت ۶۴
⊙ حضرت اسماعیلؑ کی ازدواجی زندگی ۶۶
❀ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بچپن ۶۶
❀ حضرت یعقوبؑ کا نام اسرائیل ۶۷
❀ بنو جرہم کی مکہ آمد ۶۸
❀ پہلی شادی ۶۸
❀ والد کی نصیحت اور بیٹے کی اطاعت ۶۹
❀ دوسری شادی ۷۰
❀ دوسری نصیحت ۷۱
⊙ بیت اللہ کی تعمیر ۷۲
❀ تعمیر کعبہ عظیم سعادت ۷۳
❀ پیکرِ صبر و شکر خاتون! ۷۳
❀ بیت اللہ کی تعمیر ۷۴
❀ اللہ کا پہلا گھر ۷۴
❀ انبیاء بیت اللہ کے معمار ۷۵
❀ حج اور شعائر اللہ ۷۶
❀ بتوں کی گندگی سے بچو ۷۷
❀ دعائے خلیل اللہ علیہ السلام ۷۷
❀ امن کا گہوارا ۷۸
❀ آنکھوں میں آنسو، دل میں سوز و گداز ۷۹
⊙ خانہ کعبہ میں اصنام ۸۰
❀ شیطان کی چال ۸۰
❀ قدیم بت ۸۰
❀ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ۸۱
❀ صفا و مروہ پر بت ۸۲
❀ بتوں کا خاتمہ، شیطان کی مہلت ۸۳
❀ مزید بتوں کا تذکرہ ۸۳
❀ بت پرستوں کے شیطانی معیار ۸۴
❀ سعد کا بت ۸۴
❀ ایک مشرک اور ادراکِ حق ۸۵
❀ ہبل قریش کا الٰہ ۸۶

Marfat.com

❀عزیٰ ۸۶
❀لات ۸۶

⊙بت پرستی کا تاریخی پس منظر ۸۹
❀بت پرست معاشرہ ۸۹
❀ گھر سے دعوت کا آغاز ۸۹
❀ تفصیلی مکالمہ ۹۰
❀جاہلانہ دھمکی اور اس کا حکیمانہ جواب ۹۰
❀ابراہیم بت شکن ۹۲
❀حضرت ابراہیمؑ کی قوت استدلال ۹۳
❀نارِ نمرود اور ابراہیمؑ حنیف ۹۴
❀ عشق اور عقل ۹۴
❀نوح علیہ السلام کا جانشین ۹۵
❀ایوان اقتدار میں بیٹھے بت کا مقابلہ ۹۶

⊙دعوت ابراہیمؑ و محمدؐ میں مماثلت ۹۸
❀راہِ حق کے راہی اور باطل پرست ۹۸
❀تمدنی حالات ۹۹
❀طبقاتی تقسیم ۹۹
❀ جھوٹے خداؤں کی بھرمار ۱۰۰
❀نمرود کی وجہ تسمیہ ۱۰۲
❀موسوی شریعت کے آثار ۱۰۲
❀نمرود کی نخوت ۱۰۳
❀بت پرستی سے اللہ کی پناہ ۱۰۳

⊙عاد و ثمود اور مدین ۱۰۵
❀قوموں کی بدبختی ۱۰۵
❀دعوتِ حق کی یکسانیت ۱۰۶
❀تذکیر اور یاددہانی ۱۰۶
❀قوم عاد کا جواب ۱۰۷
❀قوم ثمود کا رویہ ۱۰۷
❀قوم شعیب کی بغاوت ۱۰۸
❀اہلِ حق و باطل کا موازنہ ۱۰۸
❀مشرکینِ عرب ۱۰۹
❀شرک جلی و خفی ۱۰۹

⊙بنی اسرائیل میں بت پرستی ۱۱۱
❀حکمرانی سے غلامی تک ۱۱۱
❀ بچھڑے کی پرستش ۱۱۱
❀ہنود و یہود کی مشابہت ۱۱۲
❀خالقِ حقیقی کی بجائے بتوں سے لگاؤ ۱۱۳
❀صنم کدے ۱۱۳
❀غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر ۱۱۴
❀ناشکرے اور باغی ۱۱۵
❀حضرت ہارون علیہ السلام کی برأت ۱۱۷
❀بے ضمیر قوم ۱۱۷
❀حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کی الوہیت ۱۱۸
❀حضرت عزیرؑ کی عظیم شخصیت ۱۱۹
❀خدائی کا مقام ۱۲۰

Marfat.com

⊙ سیدنا الیاسؑ کی بت شکنی ۱۲۱
❀ حضرت الیاسؑ اور بعل کا بت ۱۲۱
❀ سلامٌ علیٰ الیاسین ۱۲۱
❀ حضرت الیاس علیہ السلام ۱۲۲
❀ سیاسی اور اخلاقی زوال ۱۲۲
❀ رسولِ حق کی وارننگ ۱۲۳
❀ اللہ کے نبی کی فریاد ۱۲۴
❀ مکتوبِ حق بیان ۱۲۴
❀ دوبارہ اسرائیل میں تشریف آوری ۱۲۵
❀ بعل کا مکمل تعارف ۱۲۵
❀ انبیائے کرام کا اصلاحی کارنامہ ۱۲۶
❀ بعد از مرگ قدردانی ۱۲۷
❀ حضرت الیاسؑ کا انتظار ۱۲۸
❀ الیاس اور الیاسین ۱۲۹
⊙ جاہلیت کی دیگر رسومات ۱۳۰
❀ جانوروں کا تقدس ۱۳۰
❀ بحیرہ ۱۳۱
❀ سائبہ ۱۳۱
❀ وصیلہ ۱۳۱
❀ حام ۱۳۱
❀ تفسیر ابن کثیر ۱۳۲
❀ صحابی کا خدشہ اور رسولِ رحمتؐ کا جواب ۱۳۲
❀ کفار کی ہٹ دھرمی ۱۳۳
⊙ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب ۱۳۴
❀ ساٹھ پشتیں ۱۳۴
❀ عدنان کے بعد کا نسب نامہ ۱۳۴
❀ قائدینِ قوم ۱۳۵
❀ بنو قریش ۱۳۶
❀ تولیتِ کعبہ ۱۳۶
❀ نسب قریش ۱۳۷
❀ قصی بن کلاب اور دارالندوہ ۱۳۹
❀ تاریخی اور یادگار خطاب ۱۴۰
❀ وجہ تسمیہ ۱۴۰
❀ جنگ نہیں جرگہ! ۱۴۱
❀ ہاشم ایک عظیم شخصیت ۱۴۲
❀ قریش کے مامون ہونے کی اصل وجہ ۱۴۲
❀ ہاشم منبع خیر ۱۴۴
❀ مبارک شادی ۱۴۵
❀ ہاشم کا مدفن غزہ ۱۴۵
❀ چچا بھتیجے کی ملاقات ۱۴۶
❀ شیبۃ الحمد سے عبدالمطلب ۱۴۶
⊙ چاہِ زم زم اور آلِ عبدالمطلب ۱۴۸
❀ چاہِ زم زم کی بندش ۱۴۸
❀ قریش کی رکاوٹ اور عبدالمطلب کی منت ۱۴۸
❀ ذبیح ابن ذبیح ۱۴۹
❀ اولادِ عبدالمطلب ۱۵۰
❀ بناتِ عبدالمطلب ۱۵۲

Marfat.com

❀ آنحضور ﷺ کی امہات ۱۵۲

⊙ واقعہ ابرہہ ۱۵۴

❀ ابرہہ کا عروج ۱۵۴
❀ حبشی حکمران کے برے ارادے ۱۵۴
❀ جعلی کعبہ ۱۵۵
❀ جہلا کا عملِ باطل ۱۵۵
❀ عربی حمیت ۱۵۶
❀ لشکرِ جرار اور ہاتھی ۱۵۶
❀ عبدالمطلب کی ابرہہ سے ملاقات ۱۵۷
❀ دعائے خالص ۱۵۸
❀ سیاسی، معاشی اور مذہبی مقاصد ۱۵۹
❀ کلیسا میں غلاظت اور آتش زنی ۱۵۹
❀ لات کے پجاری کی حماقت ۱۶۰
❀ سردارِ قریش کی بارعب شخصیت ۱۶۱
❀ توحید پر مبنی موقف اور اشعار ۱۶۱
❀ ابرہہ کا انجام ۱۶۳
❀ عذاب زدہ وادی ۱۶۶
❀ حضور ﷺ کی تشریف آوری ۱۶۶
❀ عام الفیل (ابرہہ حبشی کا حملہ) ۱۶۹

⊙ شَجَرَۃٌ طَیِّبَۃٌ ۱۷۰

❀ عبداللہ بن عبدالمطلب ۱۷۰
❀ پرنور پیشانی ۱۷۰
❀ مثالی رشتہ ۱۷۱
❀ ایک مجلس میں باپ اور بیٹے کا نکاح ۱۷۱
❀ نور کی منتقلی ۱۷۲
❀ رات گئی بات گئی ۱۷۲
❀ تقدیر کے فیصلے ۱۷۳
❀ بیوی کا مرحوم میاں کے لیے مرثیہ ۱۷۴
❀ بشارت اور اللہ کی پناہ ۱۷۵
❀ توہم کا خاتمہ ۱۷۶

حصہ دوم
آمنہ کا لعلؐ

⊙ ولادت باسعادت ۱۷۸

❀ ولادت کے ایمان افروز واقعات ۱۷۸
❀ بے مثال شان والا ۱۷۹
❀ دادا کی مسرت ۱۷۹
❀ خانہ کعبہ کے سائے میں اشعار ۱۸۰

⊙ رسولِ رحمتؐ کے اسمائے گرامی ۱۸۲

❀ انجیل کی گواہی ۱۸۲
❀ احمدِ مجتبیٰ قرآن میں ۱۸۲
❀ منفرد نام محمدؐ ۱۸۳
❀ آسمان و زمین پر قابلِ ستائش ۱۸۴
❀ اسمائے گرامی ۱۸۴
❀ آپ کے چھ پاکیزہ نام ۱۸۵
❀ آنحضور ﷺ کی کنیت ۱۸۶
❀ کنیت کی شہرتِ عام ۱۸۸
❀ محمد نام رکھو ۱۸۹

Marfat.com

⊙ حلیمہ سعدیہؓ ۱۹۰
❀ آنحضورؐ کی ابتدائی رضاعت ۱۹۰
❀ مبارک فیصلہ ۱۹۰
❀ مایوسی امید میں بدل گئی ۱۹۱
❀ دل باغ باغ ہو گیا ۱۹۱
❀ خشک چھاتیوں میں دودھ کا چشمہ ۱۹۲
❀ حلیمہ سعدیہؓ ۱۹۳
❀ آمنہ کی حلیمہ کو نصیحت ۱۹۴
❀ پرتاثیر اشعار ۱۹۴
❀ ماں کی بے مثال ممتا ۱۹۵
❀ رحمت دو عالم کا فیضانِ عام ۱۹۶
❀ پہلا کلام از لسانِ عالی مقام ۱۹۶
❀ بکری کی شہادت ۱۹۷
❀ عالم بیم و رجا ۱۹۷
❀ رضاعی والدین اور بہن بھائی ۱۹۸
⊙ معجزۂ شقِ صدر ۱۹۹
❀ مکہ سے پھر بنو سعد میں ۱۹۹
❀ ملائکہ کی آمد ۱۹۹
❀ ملائکہ کی مبارک باد ۲۰۰
❀ میزان ۲۰۱
❀ رضاعی والدین کی فکرمندی ۲۰۱
❀ سایۂ ابرِ رحمت ۲۰۲
❀ گوہر نایاب کی گم شدگی پر اللہ سے التجا ۲۰۲
❀ لختِ جگر کی بازیافت ۲۰۳
❀ شیاطین کا شر اور اللہ کی حفاظت ۲۰۴
❀ رضاعی بھائی کو بشارت ۲۰۵
❀ عظمت کا امین جوڑا ۲۰۶
❀ میری امی، میری امی ۲۰۶
❀ نبی، صدیق اور شہید ۲۰۷
❀ شیر خدا کی گواہی ۲۰۷
❀ سیرتِ طیبہ بحرِ زخار ۲۰۸
❀ آنحضورؐ کی رضاعی بہن ۲۰۹
❀ صحابہ کی شانِ تسلیم و رضا ۲۱۰
⊙ آنحضورؐ کا رضاعی گھرانہ ۲۱۲
❀ تیری نسبت نے ذروں کے مقدر چمکائے ۲۱۲
❀ سب سے بڑا انعام ۲۱۲
❀ صحابیۂ رسولؐ حلیمہ سعدیہؓ ۲۱۴
❀ علامہ شبلی کی تحقیق ۲۱۵
❀ جنت کے امیدوار ۲۱۵
❀ خوشی کے آنسو ۲۱۷
❀ شیما کے اشعار ۲۱۷
⊙ سیدہ آمنہ کا سانحۂ ارتحال ۲۱۹
❀ اطمینان اور خلش ۲۱۹
❀ آنکھوں کا تارا ۲۱۹
❀ یثرب کا سفر ۲۲۰
❀ بچپن کی حسین یادیں ۲۲۱

Marfat.com

❀ یادگار گفتگو ۲۲۱
❀ سیدہ آمنہ کا سانحۂ ارتحال ۲۲۲
❀ درِّ یتیم ماں کی قبر پر ۲۲۲
❀ ایک عاجزانہ وضاحت ۲۲۳
❀ بڑھاپے میں جان لیوا غم ۲۲۴
❀ والدینِ رسول اللہ کے مقاماتِ وفات ۲۲۵
⊙ عبدالمطلب کی آغوشِ محبت ۲۲۶
❀ خالص کندن ۲۲۶
❀ نقشِ پائے ابراہیمؑ و محمدؐ ۲۲۶
❀ میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ ۲۲۷
❀ عبدالمطلب کی رحلت ۲۲۸
❀ رلا دینے والے اشعار ۲۲۸
❀ دادا کی وفات پوتے کو ہمیشہ یاد رہی ۲۳۰
❀ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۲۳۰
⊙ ابوطالب کے زیرِ کفالت ۲۳۲
❀ یتیم بھتیجا، رحیم چچا ۲۳۲
❀ برکات و کرامات ۲۳۲
❀ سردار بنو ہاشم کی مجلس ۲۳۳
❀ چچا عظیم، بھتیجا عظیم تر ۲۳۴
❀ اللہ کے بندے کی گواہی اور عقیدت ۲۳۴
❀ مقدس کتب کے سچے پیروکار ۲۳۵
❀ لعلِ درخشاں ۲۳۶
⊙ گلہ بانی اور انبیائے کرام ۲۳۸
❀ گلہ بانی شریفانہ کام ۲۳۸
❀ جانور ایک نعمت بھی اور حسن بھی ۲۳۸
❀ جنگل اور اس کے درختوں سے واقفیت ۲۳۹
❀ قراریط؟ ۲۴۰
⊙ حرب الفجار ۲۴۱
❀ حرام مہینوں میں خون ریزی ۲۴۱
❀ حضور کی جنگ میں شمولیت ۲۴۱
❀ سالارانِ جنگ ۲۴۲
⊙ آنحضورؐ کا دوسرا سفرِ شام ۲۴۴
❀ مہمان نوازی اور تنگ دستی ۲۴۴
❀ ایک صائب تجویز ۲۴۴
❀ شام کی جانب تجارتی سفر ۲۴۵
❀ عالم ربانی کی گواہی ۲۴۵
❀ تائید مزید ۲۴۶
❀ غیر معمولی مشاہدات ۲۴۶
❀ قافلۂ خیر کی واپسی ۲۴۷
❀ چار گنا معاوضہ ۲۴۷
⊙ خدیجہ بنت خویلدؓ سے نکاح ۲۵۰
❀ مال اور عزت ۲۵۰
❀ دو روایات ۲۵۰
❀ مبارک پیش کش ۲۵۲

Marfat.com

❀ بنو عبدالمطلب کی آمد اور مبارک فیصلہ ۲۵۲
❀ موثر خطبۂ نکاح ۲۵۳
❀ ایمان افروز زندگی ۲۵۳

⊙ مثالی جوڑے کی اولادِ طیبہ ۲۵۵
❀ آلِ مطہرہ اور ان کی ترتیب ۲۵۵
❀ بیٹوں کی مفارقت ۲۵۵
❀ عقیقہ کی سنت ۲۵۶
❀ نہ ترکِ دنیا، نہ غرقِ دنیا ۲۵۷

⊙ خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو ۲۵۹
❀ سیّد الکونین پر نظرِ رحمت ۲۵۹
❀ خانہ کعبہ از زمین تا عرشِ بریں ۲۵۹
❀ مشقت اور ستر ۲۶۰
❀ جہاز کی لکڑیاں اور تعمیرِ کعبہ ۲۶۰
❀ قرعہ اندازی ۲۶۱
❀ خوش آیند فیصلہ ۲۶۲
❀ صادق وامین پر سب کا اتفاق ۲۶۲
❀ اطمینان بخش فیصلہ ۲۶۳
❀ شیطان کی دخل اندازی ۲۶۴
❀ ابوطالب کی مسرت اور اشعار ۲۶۴
❀ حطیم ۲۶۵
❀ خانہ کعبہ کا بلند دروازہ ۲۶۶

⊙ حلف الفضول ۲۶۷
❀ مظلوم کی پکار ۲۶۷
❀ پکار کا مثبت جواب ۲۶۷
❀ ظالم کا مقابلہ ۲۶۸
❀ مظلوم کی دعائیں ۲۶۹
❀ وجہ تسمیہ ۲۷۰
❀ قابل ذکر اور لائق تحسین کارنامہ ۲۷۰
❀ صحابہ وتابعین کے درمیان حلف الفضول کا تذکرہ ۲۷۱
❀ محبوب ترین عمل ۲۷۲

⊙ بعثت سے قبل کے اہم واقعات ۲۷۳
❀ شرم وحیا کا پتلا ۲۷۳
❀ پاکیزہ بچپن ۲۷۳
❀ پاکیزہ اور میٹھی نیند ۲۷۴
❀ بادشاہِ یمن اور علمائے یہود ۲۷۵
❀ نبی رحمتؐ کا حلیہ مبارک ۲۷۵
❀ مقدر اپنا اپنا ۲۷۶
❀ محمدؐ مقبول نام ۲۷۷
❀ علاماتِ نبوت ۲۷۷
❀ دادا محترم کا خواب ۲۷۸
❀ خواب کی تعبیر ۲۷۸
❀ اعلانِ نبوت ۲۷۹
❀ خواب میں رہنمائی ۲۸۰
❀ اہل کتاب اور رسول رحمتؐ ۲۸۱
❀ علاماتِ نبوّت ۲۸۱
❀ حضرت عمرؓ کا جلال ۲۸۱
❀ ایمان افروز نصیحت ۲۸۲

Marfat.com

❀ قدرتِ کاملہ کے کرشمے ۲۸۳
❀ الہامی کتب میں نبی امّی کا ذکرِ خیر ۲۸۳
❀ رسولِ برحق اور صحابہ کرامؓ ۲۸۵
❀ انبیائے کرام سے عہدِ ربانی ۲۸۶
❀ اللہ کی پھٹکار ۲۸۶
❀ اہلِ کتاب کی بدبختی ۲۸۷
❀ اسم گرامی کا اعجاز ۲۸۸
⊙ حُنفاء ۲۹۰
❀ اہم واقعات قبل از وحی ۲۹۰
❀ فصیح خطبہ ۲۹۰
❀ عربوں کی فصاحت وبلاغت ۲۹۱
❀ منفرد شخصیت زید بن عمرو ۲۹۱
❀ تلاشِ حق میں سرگرداں! ۲۹۲
❀ ورقہ بن نوفل کا مرثیہ ۲۹۳
❀ پیغام توحید بذریعہ اشعار ۲۹۴
❀ مزید ایمان افروز اشعار ۲۹۶
❀ ابراہیمؑ کا سچا پیروکار ۲۹۷
❀ ایک صحابی کی گواہی ۲۹۸
❀ سلام اور اس کا جواب ۲۹۸
❀ فرد واحد کو امت کا درجہ ۲۹۹
❀ ائمہ سیرت کا خراج تحسین ۳۰۰
❀ بت شکن ابراہیمؑ حنیف ۳۰۰
❀ حق وباطل کی کش مکش ۳۰۱
❀ آلِ ابراہیمؑ کے ہیرے ۳۰۲
❀ حرام چیزوں کی تفصیل ۳۰۳
❀ امتیاز واعزاز ۳۰۳
❀ مظلوم بچیوں کا سرپرست ۳۰۴
⊙ وحی سے قبل اشاراتِ نبوت ۳۰۵
❀ نورِ مجسم ۳۰۵
❀ حضرت خدیجہؓ منبع خیر ۳۰۵
❀ بچپن کی دوستی ۳۰۶
❀ صلہ رحمی ۳۰۶
❀ قیس بن سائب کی گواہی ۳۰۷
❀ نوجوان انصاری کی گواہی ۳۰۷
❀ بدبخت اہلِ کتاب کی محرومی ۳۰۸
❀ ایک کاہن جو مسلمان ہوا ۳۰۹
❀ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ۳۱۰

حصہ سوم
پیامِ ربانی

⊙ غارِ حرا اور وحی ۳۱۲
❀ ریاضت اور خلوت ۳۱۲
❀ جبریلؑ کی آمد اور پہلی وحی ۳۱۲
❀ عظیم انقلاب کی بنیاد ۳۱۳
❀ دل کی مضبوطی بے مثال، نرمی بے نظیر ۳۱۴
❀ نزول قرآن میں تدریج کی حکمت ۳۱۵
❀ خلوت سے جلوت ۳۱۵

Marfat.com

⊙ وحی ربانی کی کیفیات ۳۱۹
❀ نزول قرآن اور صحیح بخاری ۳۱۹
❀ ہر نبی کو وحی سے نوازا گیا ۳۱۹
❀ مشکل ترین وحی ۳۲۰
❀ زوجہ محترمہ سے مکالمہ ۳۲۱
❀ عالم فاضل قریشی بزرگ ۳۲۱
❀ اٹھو اور پیغام پہنچاؤ ۳۲۲
⊙ دعوتِ حق کا آغاز ۳۲۴
❀ ورقہ بن نوفل کا قبول اسلام ۳۲۴
❀ نماز کا آغاز ۳۲۵
❀ حضرت علیؓ اور زیدؓ کا قبول اسلام ۳۲۵
❀ حضرت ابوبکرؓ آغوش اسلام میں ۳۲۶
❀ بیت اللہ میں نماز ۳۲۶
❀ کوفی تاجر کی گواہی ۳۲۷
❀ سابقون فی الایمان ۳۲۷
❀ ابوبکرؓ داعی اسلام ۳۲۸
❀ ننھا عمیرؓ اسلام کی گود میں ۳۲۸
❀ غیر مشروط اطاعت ۳۲۹
❀ قریش کے چھ اشرار ۳۳۰
❀ خوددار ابن مسعود ۳۳۱
❀ پڑھا لکھا نوجوان ۳۳۱
❀ راہب کی گواہی ۳۳۲
❀ روشن ہیرے ۳۳۲
❀ جنت البقیع کا پہلا مکین ۳۳۳
⊙ قریبی رشتہ داروں کو دعوت ۳۳۴
❀ اعزہ واقربا کو دعوت ۳۳۴
❀ رشتہ داروں کی ضیافت ۳۳۵
❀ کھانے اور مشروب میں برکت ۳۳۵
❀ اتمامِ حجت ۳۳۶
❀ چچا لعین بھتیجا مکین ۳۳۶
❀ وعظ ونصیحت اور تربیت ۳۳۸
⊙ دعوتِ حق کا ابتدائی دور ۳۴۰
❀ دارِ ارقم میں اجتماع ۳۴۰
❀ حرم میں پہلا دعوتی خطاب ۳۴۰
❀ شمعِ رسالت کا پروانہ ۳۴۱
❀ خدمتِ اقدس میں حاضری ۳۴۲
❀ مقدس بوسے ۳۴۲
❀ نیک نہاد منبعِ خیر ۳۴۳
❀ قسم کا پاس اور گھر واپسی ۳۴۳
⊙ کوہِ صفا پر دعوتِ حق ۳۴۵
❀ ہانکے پکارے دعوت پہنچادو ۳۴۵
❀ یاصباحاہ ۳۴۵
❀ داعی اور دعوت ۳۴۶
❀ دشمن کا جواب خود خدا کی زبانی ۳۴۷
❀ بدترین دشمنان کا تذکرہ ۳۴۷

Marfat.com

❀ولید بن مغیرہ	۳۴۸
❀مال واولاد کا فتنہ	۳۴۹
❀خبیث ہمسائے سوہانِ روح	۳۵۰
❀داعیانِ دعوتِ حق	۳۵۰
⊙بد بخت جوڑا	**۳۵۱**
❀بیٹیوں کا دُکھ	۳۵۱
❀حَمَّالَةَ الْحَطَبِ	۳۵۱
❀آنکھیں اندھی ہوگئیں	۳۵۲
❀ گستاخیِ رسول ناقابلِ معافی جرم	۳۵۳
❀شیروں کا گڑھ	۳۵۳
❀ گستاخ کا انجام	۳۵۴
❀بدکرداروں کا انجام	۳۵۴
❀رحمت کا گہوارہ	۳۵۵
❀مرحبا یا اختی!	۳۵۵
⊙ابن ام مکتومؓ کا قبولِ اسلام	**۳۵۷**
❀خدیجۃ الکبریٰ کے ماموں زاد	۳۵۷
❀نابینا صحابی کی شان	۳۵۷
❀مفتی محمد شفیعؒ کا حاشیہ	۳۵۸
❀موہوم اور یقینی کا فرق	۳۵۹
❀ تکریمِ رسولؐ	۳۶۰
❀ابرار و اتقیا	۳۶۱
❀سیّد مودودیؒ کا حاشیہ	۳۶۲
❀اللہ کی کتابِ حق	۳۶۵
❀اللہ کی نظر میں بڑا کون؟	۳۶۶
❀رضائے الٰہی کے طلب گار	۳۶۷
❀ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہٗ کا مقامِ عالی	۳۶۷
❀معلّم اور مؤذن	۳۶۸
❀نابینا صحابی میدانِ قتال میں	۳۶۹
⊙مظلومینِ مکہ اور ابوبکرؓ کی تجارت	**۳۷۰**
❀ابوبکرؓ کی عظمت کو سلام	۳۷۰
❀بلالؓ کی عزیمت اور حریت	۳۷۰
❀غلاموں اور کنیزوں کا سرپرست	۳۷۱
❀آیاتِ ربانی میں تحسین و رضا	۳۷۲
❀دہکتے انگارے اور ایمان کی حرارت	۳۷۳
❀ جنتی خاندان آلِ یاسرؓ	۳۷۴
❀ تاریخ اسلام کی پہلی شہادت	۳۷۴
❀حاکمِ ایلہ کا فرزند	۳۷۵
⊙قریش کی مخالفت اور اسلام کی پیش قدمی	**۳۷۶**
❀نایاب ہیرے آغوشِ اسلام میں	۳۷۶
❀شانِ سکندری سے شانِ قلندری تک	۳۷۷
❀آلِ جحش	۳۷۷
❀ہماری ماں امّ حبیبہؓ	۳۷۸
❀ قائد المہاجرین جعفر طیارؓ	۳۷۸
❀عتبہ، ولید اور ابوجہل کے گھروں میں اسلام	۳۷۹
❀ بے مثال جوڑا	۳۸۰
❀ عظیم فرزند اسلام ارقم!	۳۸۰

Marfat.com

❀ خوش بخت بناتِ اسلام ۳۸۱

⊙ ابوجہل کی جہالت اور آنحضورؐ کی عظمت ۳۸۳

❀ کفار اور نماز ۳۸۳
❀ رکوع اور سجود، حکم ربانی ۳۸۳
❀ ابوجہل کی گستاخانہ جسارت ۳۸۴
❀ اللہ کے فرشتے ۳۸۴
❀ جھوٹی پیشانی والا ۳۸۵
❀ مفسرین کے یادگار کارنامے ۳۸۶
❀ اراشی اور ابوجہل ۳۸۷
❀ میں ہوں محمدؐ! ۳۸۷
❀ بزدل کہیں کا! ۳۸۸
❀ معجزات اور ابتلا ۳۸۸
❀ استقامت اور سکینت ۳۸۹

⊙ عتبہ بن ربیعہ کی آنحضورؐ سے ملاقات ۳۹۰

❀ کفار کی پریشانی ۳۹۰
❀ سودے بازی؟ ۳۹۰
❀ نبی رحمت ﷺ کا جواب ۳۹۱
❀ صداقت کا اعتراف ۳۹۲
❀ پیش کش کا جواب ۳۹۳
❀ مشیت الٰہی ۳۹۴
❀ حکیمانہ تجویز، جاہلانہ جواب ۳۹۵
❀ حمیت جاہلیہ ۳۹۶

⊙ کفارِ مکہ کی عصبیت جاہلیہ ۳۹۷

❀ معاندینِ حق کو چیلنج ۳۹۷
❀ کلام اللہ کا مقابلہ خلق کے بس میں کہاں ۳۹۸
❀ عجمی اور عربی مبین؟ ۳۹۹
❀ عجمی کون تھا؟ ۴۰۰
❀ قرآن کی اثر آفرینی ۴۰۱
❀ خاندانی عصبیت و حسد ۴۰۲
❀ پہلی نظر ۴۰۲
❀ احمقانہ تمسخر ۴۰۳

⊙ آنحضورؐ کی رکانہ سے کشتی ۴۰۵

❀ دعوتِ اسلام ۴۰۵
❀ پہلوان سے مقابلہ ۴۰۵
❀ قبولِ حق ۴۰۶
❀ ہادیٔ اعظمؐ کی فکرِ عظیم ۴۰۶
❀ معجزاتِ رسولؐ ۴۰۷

Marfat.com

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم۔ اَمَّا بَعۡدُ! فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی: اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ[1]۔ (الانعام ۶: ۱۲۴) ''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کسے اپنا رسول بنانا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے جسے رسول بنانا ہوا سے پیدائشی طور پر نبوت و رسالت کی اہلیت عطا فرماتے ہیں۔ تمام انبیا علیہم السلام کی یہ شان ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان سب سے اس معاملے میں برتر ہے۔ آپ امتوں کے نبی ہونے کے ساتھ ساتھ انبیا علیہم السلام کے بھی نبی ہیں۔ آپ کو نبی الانبیا اور نبی الامم کہا جاتا ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر جبکہ آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں دودھ پینے کے بعد پرورش کی عمر میں تھے تاریخ انبیا کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ اس وقت آپ بچے ہی تھے کہ آپ کا شق صدر ہوا۔ یہ واقعہ اتنا ایمان افروز ہے کہ قاری اسے پڑھتے ہوئے محبوب خدا سے اپنے تعلق کی حلاوت محسوس کرتا ہے۔ اس کتاب میں یہ واقعہ حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

شق صدر بچپن میں بھی ہوا اور پھر بعد از نبوت و آمد وحی پر بھی اس کا ظہور ہوا۔ دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر یہ شق صدر ہوا۔ ان دونوں مواقع پر آپ کا سینہ شق کیا گیا اور پھر دل کو سینے میں رکھ کر سینے کو سی دیا گیا۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ پیدائش کے بعد بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کے عظیم منصب اور قیادتِ بنی نوع انسان کے لیے مزید تیار کیا گیا۔ وحی کی آمد سے قبل آنجنابؐ کے دل میں اس وقت جب آپؐ کی عمر چالیس سال کے قریب تھی غارِ حرا میں تخلیے کا خیال پیدا ہوا اور آپ نے وہاں تخلیے میں ذکر الٰہی اور فکر و تدبر کا عمل شروع کر دیا۔ اسی دوران جب آپ کا نورِ فطرۃ عروج کو پہنچا تو جبریل علیہ السلام نورِ وحی لے کر آگئے اور سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات آپ کو پڑھائیں۔ گویا نورِ فطرۃ اس وقت پورے جوبن پہ تھا۔ جب

Marfat.com

نورِ وحی اس پر ضوفشاں ہوا تو پھر نورٌ علیٰ نورٍ ہو گیا۔ یہ باب بھی اس کتاب میں خوب صورت پیرائے میں قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔

اسی طرح آپ کا عظیم نسب بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح علیہما السلام کی پاکیزہ اور بلند و بالا فطرت سے نسبت نے درّ یتیم کو چار چاند لگا دیے۔ آپ عالی نسب ہیں اور اس کا اعتراف ہر ایک کو تھا اور ہے۔ پھر نسلاً بعد نسلٍ عظیم آبا و امہات سے نسبت بھی آپ کی شان اور طرہ امتیاز ہے۔ کئی مواقع پر اس کا اظہار ہوتا رہا جیسے ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے جب کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے آپ کا مکتوب ملنے پر پوچھا: کیف نسبہ فیکم؟ یعنی تمھارے اندر اس نبی کا نسب کیسا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: وھو فینا ذو نسب یعنی وہ ہمارے درمیان اونچے نسب والے ہیں تو ہرقل نے کہا: و کذلک الرسل تبعث فی نسب قومھا۔ اسی طرح رسول اپنی قوم کے اونچے نسب میں سے بھیجے جاتے ہیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درختوں اور پتھروں کا سجدہ کرنا، حدیث و سیرت کی کتب میں کثرت کے ساتھ روایت ہوا ہے۔ یہ بھی آپؐ کی نبوت و رسالت اور خصوصی شان و عظمت کی دلیل ہے۔ اسی طرح تعمیر کعبہ کے موقع پر جب اپنے چچا عباس کے کہنے پر آپؐ نے اپنی چادر اتار کر کندھے پر رکھی تو آپؐ بے ہوش ہو گئے۔ یہ آپ کی سیرت کا نمایاں مقام ہے کہ آپ نے شرم و حیا کی تعلیم پوری انسانیت کو دینی ہے تو نبوت سے پہلے بھی آپ کی ذاتِ اقدس اس کا کامل نمونہ تھی۔ پھر ہر نبی نے نبوت سے پہلے بکریاں چرائی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہلِ مکہ کی بکریاں چرائیں۔ (صحیح بخاری)۔ اس گلہ بانی کو خود آپؐ نے ایک خوبی اور خصوصیتِ انبیا کے طور پر بیان فرمایا۔ یہ بھی آپ کی نبوت کی دلیل اور آپ کی شخصیت کی عظمت ہے۔ صاحبِ تصنیف نے ان تمام واقعات کا بہت خوب صورت انداز میں احاطہ کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو خلاف شرع ہو۔ اس کے ساتھ بچپن سے جوانی تک آپ کی حیات طیبہ میں ایک بھی ایسا کام نظر نہیں آتا جس پر کوئی انگلی اٹھا سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر سب قریش کو جمع کیا اور پوچھا تم نے مجھے کیسا پایا؟ سب نے

Marfat.com

یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے آپ کو صادق اور امین پایا ہے۔ یہ ہمارا بار بار کا تجربہ ہے۔ اعلان نبوت سے پہلے کفار و قریش کا یہ اقرار ان کے کفر و عناد کے خلاف بہت بڑی دلیل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا صبر، عزم و ہمت اور جس مقصد کے لیے آپ کو کھڑا کیا گیا تھا، اس پر استقامت لاجواب و بے مثال ہے۔ آپ نے ہر ابتلا کا مقابلہ کیا حتیٰ کہ وہ مشن اپنی تکمیل کو پہنچ گیا جس کے لیے آپ کو کھڑا کیا گیا تھا اور سرزمین عرب میں مکمل تبدیلی آ گئی۔

اس تبدیلی کو حقیقی انقلاب کا نام دیا جا سکتا ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ دنیا میں اس انقلاب کی مثال تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی، نہ اس سے قبل، نہ اس کے بعد! اس انقلاب کا ثمرہ تھا کہ تمام معاشرہ پہلے سے بدل کر نئی اور یکسر مختلف شکل اختیار کر گیا۔ جھوٹ ختم ہو گیا، اس کی جگہ سچائی کا دور دورہ ہوا، دھوکہ اور فریب ختم ہو گیا اس کی جگہ دیانت و ہمدردی اور غم گساری و اخوت و موانست آ گئی، دشمنیاں ختم ہو گئیں ان کی جگہ دوستیاں قائم ہو گئیں، معاشرے میں امن و امان قائم ہو گیا اور زمین کا ہر چپہ بدامنی اور فتنوں سے مامون ہو گیا۔ ہر کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو گئی۔ یہ وہ انقلاب تھا جس کی دنیا منتظر تو تھی لیکن اس کی خاطر دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے آسانی سے تیار نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر و حکمت سے لوگوں کو دعوت دی۔ جن خوش نصیب افراد نے حق کی دعوت قبول کر لی، ان کو تسلی اور سہارا دیا۔ سب بیمار تمام بیماریوں سے شفایاب ہو گئے کیونکہ نبی رحمتؐ وہ نسخۂ کیمیا لے کر آئے تھے جس میں ہر درد کا علاج اور ہر مرض سے شفا خود اللہ نے پیدا فرمائی تھی۔

جناب حافظ محمد ادریس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ وہ سیرت رسولؐ پر اپنی مقبول و معروف کتاب رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں (پانچ جلدوں) کی تکمیل کے بعد مکی دور کی طرف متوجہ ہوئے اور رسول رحمتؐ مکہ کی وادیوں میں کے عنوان سے کام شروع کیا جو پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اس کے پہلے حصے کا مسودہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں جناب حافظ محمد ادریس صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ حالات کریمانہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام سے شروع کر کے آپ کے پورے خاندان کے حالات اور نبوت سے پہلے اور بعد کے احوال کا احاطہ فرمایا ہے۔ پہلے حصے میں آب زم زم، چاہ زم

Marfat.com

زم، اس کی تولیت، بیت اللہ کی تعمیر اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار، حرب فجار اور حلف الفضول اور پھر نبوت کے بعد کے حالات، سرّی دعوت، پھر جہری دعوت۔ اس کے آگے کعبۃ اللہ میں نماز کی ادائیگی، قرآن پاک کی تلاوت، پھر عمومی دعوت اور آزمائشیں، تمام عنوانات پر سیر حاصل تحقیقی لوازمہ کتاب کے حصہ اول میں جمع کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ جو اس کے بعد طباعت سے مزّین ہوگا، اس کے مضامین کا بھی خاکہ تیار کیا گیا ہے۔ اس میں سفر طائف، بطن نخلہ میں پڑاؤ کرنا، قرآن کی تلاوت اور جنات کا قرآن پاک سننا اور مطعم بن عدی کے جوار میں مکہ واپس آنا۔ اس تیرہ سالہ قیامِ مکہ کے آخری ایام میں ہجرت حبشہ، سرزمین حبشہ کی برکات، شاہ حبشہ، نجاشی کی عظیم شخصیت سبھی عنوانات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ معجزۂ شق القمر اور قریش کا اسے جادو قرار دینا، آپؐ کی زندگی اور رسالت کے اہم ابواب ہیں۔ ان کو نہایت خوب صورتی اور پوری تحقیق کے ساتھ کتاب میں سمو دیا گیا ہے۔ پھر ہجرت سے قبل کفارِ قریش کا آپ کو قتل اور گرفتار کرنے کا منصوبہ اور ان کی ناکامی، غرض سیرت طیبہ کے سبھی اہم گوشے خوب صورتی سے سینۂ قرطاس پر منتقل کیے گئے ہیں۔ ان تمام اہم معاملات اور ہجرت مدینہ کے تذکرے پر مشتمل اس کتاب کی دوسری جلد بھی مستقبل قریب میں قارئین کے ہاتھوں میں آ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ سیرت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کی برکت سے زیادہ سے زیادہ بامقصد اور زیادہ سے زیادہ فیض بخش بنا دے۔ ہم جناب حافظ محمد ادریس صاحب کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ ان کے قلم و زبان کو مزید قوت اور تاثیر سے مالا مال کر دے تا کہ وہ دین حق کی اقامت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے زیادہ سے زیادہ خدمات سر انجام دے سکیں۔ آمین یا رب العالمین!

(حضرت مولانا) عبدالمالک عفی عنہ

۲؍شعبان ۱۴۳۸ھ

مطابق ۳۰؍اپریل ۲۰۱۷ء

--❀--❀--❀--

Marfat.com

تقدیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝۲۱۔ (الاحزاب ۳۳:۲۱) تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کا بہترین نمونہ ہیں۔ ہر اس شخص کے لیے جو امیدوار (طلبگار) ہو اللہ کا اور آخرت کے دن کا اور جس نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا۔

انسانیت کی حقیقی کامیابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و سیرت مطہرہ سے رہنمائی حاصل کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اہلِ ایمان پر یہ حقیقت واضح ہونی چاہیے کہ یہ کام سیرت رسولؐ کی روشنی میں قرآن کے مطالعے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور قرآن مجید اللہ رب العزت کا انسانیت پر بہت بڑا انعام ہے۔ مشرکین مکہ نے اس عظیم نعمت کو ناشکری اور کفران نعمت سے بدل ڈالا۔ اس کے نتیجے میں وہ دنیا اور آخرت میں ناکامی اور نامرادی سے دوچار ہوئے۔ ارشاد باری ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝۲۸ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۚ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۲۹ (ابراہیم ۱۴:۲۸-۲۹) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کے لیے تباہی کے گھر کو لازم قرار دیا جو جہنم ہے جس میں یہ پہنچیں گے اور جلیں گے۔ اور (یہ) بہت ہی بری جائے قرار ہے۔

ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہر طرح کی آزمایشوں سے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانیت کا امام بنایا۔ انھوں نے امامت کے حوالے سے اپنی ذریت (اولاد) کے بارے میں

Marfat.com

استفسار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ (البقرۃ ۲:۱۲۴) اور جب تیرے رب نے ابراہیم علیہ السلام کو کئی باتوں سے آزمایا اور اس نے ان کو پورا کیا تو اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے انسانیت کا امام بناتا ہوں۔ آپؑ نے کہا کہ میری اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کے مطابق انسانیت کی امامت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے اس حصے میں رہی جو ان کے چھوٹے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہے اور جب ان لوگوں کے ہاتھوں ظلم کا صدور انتہا کو پہنچا تو امامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں لوٹا دی گئی۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے قریش کے عظیم قبیلے اور مکہ مکرمہ کے مقدس شہر میں نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا، دونوں انبیا نے اللہ سے دعا مانگی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ (البقرۃ ۲:۱۲۹) اے ہمارے رب! ہماری اولاد میں ایک رسول بھیج دیجیے جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

بنی اسرائیل اس تبدیلی امامت پر بہت تلملائے، مگر اللہ کا یہ فیصلہ تو روز اول سے محفوظ تھا کہ خاتم النبیین، سید الاولین والآخرین محمد مصطفیٰؐ، احمد مجتبیٰؐ آل اسماعیلؑ میں سے ہوں گے۔ آپ کے لیے جو دعائیں اللہ کے دو نبیوں نے تکمیل تعمیر بیت اللہ کے وقت مانگی تھیں وہ اللہ کے ہاں مقبول تھیں۔

محترمی ومکرمی حافظ محمد ادریس صاحب نے سیرت رسولؐ پر قلم اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کاوش میں برکت ڈالی اور رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں پانچ جلدوں میں مکمل

۱۴۰۵۳

Marfat.com

ہوگئی۔ یہ حصۂ سیرت مدنی دور پر مشتمل ہے جو اس سے قبل منصۂ شہود پر آ کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اب رسول رحمتؐ مکہ کی وادیوں میں ان کے قلم سے تیار ہو رہی ہے جس کی پہلی جلد نذر قارئین ہے۔ یہ کام ایسے دور میں ہو رہا ہے جبکہ انسانیت کی امامت کا منصب امت محمدیہؐ سے ان کی سیرت رسولؐ اور کلام الٰہی، قرآن مجید سے غفلت اور دوری کے نتیجے میں سنت الٰہی کے عین مطابق چھن چکا ہے۔ دنیا ظلم وعدوان سے بھر چکی ہے۔ انسانیت رہنماؤں کی تلاش میں ہے اور جن کو رہنما ہونا چاہیے تھا یعنی امت محمدیہؐ، ان کے حکمران اور لیڈران گمراہوں کے پیچھے چل پڑے ہیں، جو بے خدا تہذیب کے علم بردار ہیں۔

سیرت رسولؐ کو عام کرنے اور اس کی روشنی میں قرآن کو سمجھنے اور اس کے مطابق انسانیت کی رہنمائی کے لیے آگے بڑھنے کا شاید یہ وقت سب سے زیادہ محتاج ہے اور یہی انسانیت کے لیے دنیا میں ظلم سے اور آخرت میں جہنم سے نجات کا واحد ذریعہ ہے۔

محترم حافظ محمد ادریس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے سیرت رسولؐ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریر اور بیان کی بہترین صلاحیت سے نوازا ہے۔ اس موضوع پر ان کی تحریریں محض تاریخی واقعات نہیں بلکہ قاری کے لیے تربیت وتزکیے کا لوازمہ بھی فراہم کرتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ ان کی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشے تا کہ ان کا قلم رواں دواں رہے اور اہلِ ایمان کے درمیان خیر پھیلتا رہے۔ آج قلمی جہاد ہی کی ضرورت ہے اور یہ اس دور کا اہم ترین تقاضا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(سابق سینئر پروفیسر) محمد ابراہیم خان
نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان

Marfat.com

تقریظ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ ایک ایسا خوب صورت اور معطر گلدستہ ہے جس کی تازگی کبھی ختم نہیں ہوتی اور جس کے پھول کبھی نہیں مُرجھاتے۔ ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک اس موضوع پر لکھنے والے اپنی پسند اور دلچسپی کے مطابق لکھتے رہے ہیں اور تا قیامِ قیامت لکھتے رہیں گے لیکن اس موضوع کی وسعت کبھی ختم نہ ہوگی۔

اس موضوع کا تنوع اور ہمہ گیری اتنی وسیع اور جامع ہے کہ ہر سیرت نگار بجا طور پر یہی سمجھتا ہے کہ ابھی اس موضوع پر بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔ آپؐ کے ساتھ محبت جزوِ ایمان ہے اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اللہ رب العزت تک بندے کی رسائی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اتباعِ رسول پر کاربند نہ ہو۔ چنانچہ سیرت کا مطالعہ آپؐ کے ساتھ وابستگی اور محبت بڑھانے کا ایک ذریعہ اور سبب بھی ہے اور ایمان کی بالیدگی کا ذریعہ بھی۔

یوں تو آپؐ کی مکی اور مدنی زندگی کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اگر نسبتاً دیکھا جائے تو مدنی زندگی پر بہت کام کیا گیا ہے، مکی زندگی کا اتنی تفصیل سے احاطہ نہیں کیا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ تدوین سیرت یا تدوین سنت کے قریب زمانہ مدنی زندگی کا تھا چنانچہ اسے بالاستعیاب بیان کر دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی بنیاد تھی اور مدنی زندگی اس کی اعلیٰ وارفع تعمیر تھی چنانچہ بنیاد نظر آنے والی نہیں ہوتی۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دین اسلام کا غلبہ جو لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے مصداق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں اہم ترین ہے اور یہ اعلیٰ وارفع مقصد مدینہ منورہ میں حاصل ہو چکا تھا جب حاکمیت الٰہیہ کا قیام ہوا اور اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ ہوا۔ اس کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ مکہ معظمہ میں صحابہ کرامؓ

Marfat.com

کی تعداد بھی قلیل تھی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثاروں کی نقل وحرکت بھی نسبتاً محدود تھی۔ اس کے برعکس مدنی دور میں صحابہؓ کی تعداد مکہ کے مقابلے میں بہت وسعت اختیار کر گئی۔ اس دور میں آپؐ کے سفر وحضر، امن وحرب اور مجلس ومحفل میں صحابہؓ اتنی تعداد میں ہوتے تھے کہ آپؐ کے ہر قول، عمل اور سنن کو روایت کرنے والے متعدد رواۃ تمام جزئیات کا احاطہ کرتے اور انھیں بیان فرماتے۔ اب مکی زندگی کو اکثر وبیشتر جب بیان کیا گیا تو تاریخی حوالوں کے ساتھ آپؐ کی پیدائش اور بچپن سے لے کر جوانی، رسالت پھر کفار کے مظالم اور اہل ایمان کی آزمایشوں کو اجاگر کیا جاتا رہا۔ حقیقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی دو ایسے ماڈل ہیں جو مختلف حالات میں اسلام کی مختلف حکمت عملی کے بارے میں تفصیل سے ہمیں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

جن ممالک میں مسلم اقلیت ہے، وہاں یہ آبادی کس طرح کی حکمت عملی اختیار کرے گی؟

مختلف قسم کے اقلیتی اور اکثریتی معاشروں میں دعوتی انداز کیا ہوگا؟

کفار کے اکثریتی علاقوں میں سماجی تحفظ کے نظام سے کیا کچھ استفادہ کیا جاسکتا ہے؟ اور کن چیزوں سے حکمت کے ساتھ بچا جاسکتا ہے؟

مسلم اقلیت کے قیدیوں کی رہائی اور مظلومین کی اعانت کی صورت کیا ہوگی؟

ان سوالات جیسے بہت سے اہم سوالات آج بھی سیرت کی روشنی میں دورِ حاضر کی تڑپتی، سسکتی انسانیت اور مسلم اقلیت کے لیے زندہ سوالات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح کئی اہم موضوعات مدنی زندگی کی اسٹریٹیجک اہمیت اور غلبہ دین کے لیے مسلمانوں کی حکمت عملی کے لیے رہنمائی کے طلب گار ہیں۔

ہمارے بزرگ محترم حافظ محمد ادریس صاحب مدظلہ العالی خوش قسمت ہیں اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ مدنی زندگی اور غزوات الرسولؐ پر تفصیلی کام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں اس بات کی توفیق مرحمت فرمائی کہ انھوں نے آپؐ کی مکی زندگی کی پہلی جلد پر کام مکمل کرلیا ہے۔ سیرت

Marfat.com

مطہرہؐ پر لکھی جانے والی اردو کتابوں میں یہ ایک بہترین اضافہ ہے۔

محترم حافظ محمد ادریس صاحب مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ نے سیرت کا خصوصی ذوق عطا فرمایا ہے۔ یہ ان کا پسندیدہ موضوع ہے، جس کے بیان وتحریر پر انھوں نے زندگی کا طویل حصہ صرف کیا ہے۔ سیرت سے ان کی وابستگی کا اظہار سیرت پر ان کی لکھی گئی کتابوں سے بھی ہوتا ہے اور بالخصوص کبھی سیرت پر ان کی گفتگو ہو تو سامعین کے لیے اس میں بھی وہ جذبہ اور ذوق قابل دید ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب محترم کی مساعی حسنہ کو شرف قبولیت بخشے، توفیقِ مزید عطا فرمائے اور ہم سب کو دین متین کی کامل خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

حافظ ساجد انور

نائب قیم جماعت اسلامی پاکستان

۲۷ مئی ۲۰۱۷ء/ ۳۰ شعبان ۱۴۳۸ھ

--❀--❀--❀--

Marfat.com

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَا لسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَہٗ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی:

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (الضحیٰ ۹۳:۶) اور وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ اور وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الم نشرح ۹۴:۲ اور ۴)

نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت ایمان کا تقاضا اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اتنی ارفع واعلیٰ ہے کہ پوری کائنات میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتیں مکمل کردیں۔آپؐ انبیاورسل کے سردار ہیں۔آپؐ پر نبوت کی تکمیل ہوئی۔اب تا روز قیامت نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب۔آپؐ ہی کی کتاب اور آپؐ ہی کی نبوت پوری انسانیت کے لیے روشنی کا منبع ہے۔آپؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مستند حوالوں کے ساتھ محفوظ ہے۔آپؐ ناخن کیسے کاٹتے تھے، یہ بھی راویانِ حدیث نے محفوظ کردیا ہے۔آپؐ کے بچپن سے لے کر آخری لمحے تک بلکہ آپؐ کی پیدائش سے قبل کے واقعات بھی جو آپؐ کی عظمتوں کی نشاندہی کرتے ہیں، تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں پوری جزرسی کے ساتھ محفوظ ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تاریخِ انبیاورسلؑ کا اہم ترین باب ہے۔یہ معجزات عملاً تو آپؐ کی بعثت کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے، مگر آپؐ کی پیدائش بلکہ پیدائش سے بھی قبل آپؐ کی دنیا میں آمد اور آپ کی غیر معمولی شخصیت کے متعلق بے شمار واقعات اہلِ دنیا نے دیکھے۔یہ سبھی سیرت وتاریخ کی کتب میں موجود ہیں۔مکی دور کی حیات طیبہ میں ان میں چند ایک ہی کا احاطہ ممکن ہوسکا، اگرچہ ان میں سے ہر واقعہ ایک عظیم شہادت ہے کہ سید الرسل، خاتم النبیینؐ کی آمد سے قبل

Marfat.com

کائنات میں جگہ جگہ ان کی آمد کی نشانیاں رونما ہو رہی تھیں۔

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند ، تو تنہا داری

آپؐ کے والد جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کے متعلق یہ بات تاریخ کے اوراق میں ضوفشاں ہے کہ ان کی پیشانی اور چہرے پر ایک غیر معمولی نور تھا جس کی چمک عرب کی دوشیزاؤں کو خیرہ و مسحور کر دیتی تھی۔ ختمی مرتبت کے والد گرامی قدر کو جب بھی کسی عورت نے غلط کام کی دعوت دی تو انھوں نے دوٹوک انداز میں اس کا انکار فرما دیا۔ شادی کے بعد جب اپنی اہلیہ کے پاس گئے تو اگلے دن عورتوں نے ان کے چہرے اور پیشانی کے ظاہری حسن و جمال کے باوجود روشنی کی وہ چمک غائب پائی۔ نورِ مبین جو پشت در پشت چلا آ رہا تھا، اب بطنِ مادر میں منتقل ہو چکا تھا۔ اس عرصے میں سیدہ آمنہ نے بے شمار خرقِ عادت امور کا مشاہدہ کیا۔ یہ واقعات کسی حد تک ہم نے اپنی اس کتاب میں مدوّن کیے ہیں۔

اس احقر العباد نے جب ہوش سنبھالا تو سب سے پہلے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا نام زبان پر آیا۔ یہ والدین کی تربیت اور گھر کے ماحول کا اثر تھا۔ جوں جوں شعور حاصل ہوتا گیا، آنحضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے واقعات سننے کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ آنحضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں میری ابتدائی معلومات سماعی ہیں۔ میں اس وقت نہ لکھنا جانتا تھا، نہ پڑھنا۔ عمر یہی کوئی چار، پانچ سال ہوگی۔ تایا جان مرحوم کی زبانی ہر مجلس میں آنحضورؐ کا تذکرہ سننے کو ملتا تو جی چاہتا کہ کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی قدم بوسی کروں۔ وقت گزرتا گیا حفظ قرآن کی تکمیل ہوئی اور اس عرصے میں یہ سماعی معلومات بڑھتی رہیں۔ یہ اللہ کا خاص احسان ہے کہ دیگر واقعات میں اکثر بھول جاتا تھا، مگر آنحضورؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے بارے میں سنے ہوئے واقعات ناموں کے ساتھ یاد رہ جاتے تھے۔ جب سکول میں داخل ہوا اور اردو پڑھنے کی مہارت حاصل ہوئی تو ابھی پرائمری ہی میں تھا کہ آنحضورؐ کی سیرت سے متعلق اردو کتابیں پڑھنے لگا۔ بعض اوقات گرمیوں کی

Marfat.com

دوپہروں میں رحمۃللعالمینؐ از قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ کے چالیس پچاس صفحات پورے غور وخوض کے ساتھ پڑھتا۔ اگر کسی بات کی سمجھ نہ آتی تو بزرگوں سے پوچھتا۔ وہ اس بات پر خوش ہوتے اور رہنمائی دیتے۔

اسی عرصے میں جب میں بہت چھوٹا تھا تو تایا جان نے حکم دیا کہ مسجد میں خطاب کیا کروں۔ میں نے کیا خطاب کرنا تھا، بس یہ ان کی ہدایت تھی، جس کی تعمیل کے لیے میں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ پنجابی زبان میں دس پندرہ منٹ گفتگو کرتا اور لوگ توجہ سے سنتے۔ گفتگو کے بعد جہاں جہاں میری زبان لڑکھڑائی ہوتی یا میں کسی واقعہ کو اس کے صحیح تناظر میں بیان نہ کر پاتا تو اس کی تصحیح کی جاتی۔ یہ دراصل تربیت کا وہ پہلو تھا، جس کی اہمیت بہت بعد میں مجھے معلوم ہوئی۔

رحمۃللعالمینؐ کی پہلی جلد بار بار پڑھنے کے بعد سیرت پر حضرت مولانا نعیم صدیقی مرحوم کی کتاب محسنِ انسانیت میری رہنمائی کا ذریعہ بنی۔ اس کتاب کو پڑھنے کے دوران میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی اپنے آقاؐ کی سیرت پر کچھ لکھ سکوں۔ میں اپنے آپ سے خود ہی کہتا کہ یہ خواہش تو اچھی ہے مگر ''کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ''! بہرحال یہ میں اپنی دل کی کیفیتیں بلاتکلف عرض کر رہا ہوں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کوئی خواب ہے یا حقیقت، تو عرض ہے کہ آپ خواب بھی سمجھ سکتے ہیں جس کی تعبیر محض اللہ کی خصوصی رحمت اور مخلص احباب اور والدین مرحومین کی دعاؤں سے ممکن ہو سکی۔

کالج اور یونیورسٹی کے زمانے میں مولانا شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب سیرت النبیؐ تفصیلاً پڑھنے کا موقع ملا۔ جب یونیورسٹی ہاسٹل میں تھا تو اکثر راتوں میں بیشتر وقت سیرت کی ورق گردانی میں گزر جاتا۔ سیرتِ آقائے دوجہاںؐ پر کچھ لکھنے سے پہلے سوچا کہ آنحضورؐ کے صحابہ پر مضامین لکھنے سے آغاز کیا جائے۔ پہلا مضمون حضرت زید بن حارثہؓ پر لکھا۔ یہ ہفت روزہ آئین میں چھپا اور آئین کے مدیر، مرد درویش جناب مظفر بیگ صاحبؒ نے مربیانہ شفقت کے ساتھ حوصلہ افزائی کی کہ یہ سلسلہ بہت ایمان افروز ہوگا، اسے جاری رکھا جائے۔ ان کی ترغیب

Marfat.com

پر جو مضامین کا سلسلہ شروع ہوا، وہ میری پہلی کتاب روشنی کے مینار کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ اس کے بعد مختلف موضوعات پر کچھ نہ کچھ لکھا، لیکن دل میں ہمیشہ خواہش یہی تھی کہ کچھ ٹوٹی پھوٹی کاوش کر کے اس جماعت میں شامل ہو جاؤں، جو روز قیامت آنحضورؐ کے سیرت نگاروں اور مدح خوانوں پر مشتمل ہوگی۔

کام بڑا نازک اور مشکل تھا۔ عشق اپنی جگہ مگر احترام کے تقاضے اتنے عظیم اور نازک کہ سوچتا کہیں لغزش نہ کر جاؤں۔ بہرحال اللہ نے دل میں یہ بات ڈالی کہ نیت صاف اور پیش نظر اللہ کی رضا رکھو تو اللہ کی رحمت سے بعید نہیں کہ مصر کی اس خاتون کی طرح جو سوت کی اٹی لے کر خریدارانِ یوسفؑ میں شامل ہو گئی تھی، تم بھی عاشقانِ رسولؐ کی صف میں شمار ہو جاؤ۔ اپنے ذوق کے مطابق پہلے آنحضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے جہادی پہلو پر قلم اٹھایا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پہلی جلد ۲۰ مئی ۱۹۹۱ء کو منظر عام پر آئی اور پانچویں جلد دسمبر ۲۰۱۵ء میں طبع ہوئی۔ یوں یہ کام ربع صدی میں دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ الحمد لله علی ذلک۔

میں نے پانچویں جلد کی تکمیل پر اپنی اس تمنا کا ذکر کیا تھا کہ اللہ نے توفیق دی تو مکی دور پر بھی کچھ لکھوں۔ جلد پنجم میں عرض مصنف کے تحت میں نے بیم و رجا کے عالم میں لکھا تھا: ''اب دل کے اندر ایک آرزو ہے کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی حیات طیبہ پر مختصر انداز میں ایک ہی جلد میں سب اہم واقعات مرتب کردوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ آرزو پوری ہو سکے گی یا نہیں۔ احباب سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللہ کرے میری یہ کاوش جو مدنی دور کے بارے میں کی گئی ہے، رب العزت کی بارگاہِ عالیہ اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں قبول فرمالی جائے۔ یہی اصل کامیابی ہوگی۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔''

اللہ کا نام لے کر ۲۰۱۶ء کے وسط میں کام کا آغاز کر دیا۔ جسمانی و ذہنی کمزوری اور بے پناہ دیگر مصروفیات کے درمیان جو بھی وقت نکلتا، اسے اسی کام کے لیے وقف کر دیا۔ جب آنحضور صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مآخذ قرآن مجید، حدیث مبارکہ اور سیرت کی کتابوں کی ورق گردانی کی تو بچپن میں سنے ہوئے واقعات کا منظر بھی تازہ ہوتا رہا۔ سیرت کی تمام امہات، سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، البدایۃ والنہایۃ، طبری، اسد الغابہ، الاصابۃ، زاد المعاد، سیرت الحلبیہ، سیرت النبیؐ (شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی)، رحمۃ للعالمین اور دیگر کتب کی ورق گردانی میں بہت محنت صرف کرنا پڑی۔ مگر ہر قدم پر ایک عجیب لطف محسوس ہوتا، کیوں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلقہ ہر واقعہ ایمان کی بالیدگی کا ذریعہ بنتا رہا۔

الحمدللہ چھ سو صفحات کے لگ بھگ برقی کتابت کی صورت میں مسودہ مارچ ۲۰۱۷ء میں تیار ہوگیا۔ اس پر مشاورت میں طے پایا کہ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے، کیوں کہ فہرست اور پیش لفظ و تقدیم کے علاوہ ایڈیٹنگ کے دوران کچھ اضافے ممکن ہیں۔ اس طرح ایک جلد میں کتاب کی ضخامت زیادہ ہوجائے گی۔ اب اس کے مطابق کتاب کی پہلی جلد نظر ثانی کے بعد طباعت کے لیے بھیجی جارہی ہے۔ کتاب کی تیاری میں ادارے کے تمام احباب نے اپنے اپنے انداز میں کافی تعاون کیا ہے۔ کمپوزنگ کا بیشتر کام برادرم محمد صدیق اور بعض حصوں کا ساجد خان نے کیا۔ راقم اپنے نوٹس اور کتب حوالہ جات کی مدد سے بولتا جاتا اور یہ حضرات ساتھ ساتھ کمپوز کرتے جاتے۔ بعد میں مسودے پر رات کو نظر ثانی اور حذف و اضافے کا کام کیا جاتا۔ الحمدللہ ایک مشکل منزل اللہ کی خصوصی رحمت اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی برکات سے سر ہوئی۔

استاد گرامی قدر حضرت مولانا عبدالمالک دامت برکاتہم العالیہ نے حسب سابق اس مرتبہ بھی سرپرستی فرماتے ہوئے کتاب کا دیباچہ لکھا، جو ہمارے لیے ایک اعزاز ہے۔ کتاب کی تقدیم برادر مکرم جناب مولانا پروفیسر محمد ابراہیم مدظلہ العالی (نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان) نے رقم کی، جس کے لیے ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ اس کتاب پر برادرِ عزیز جناب حافظ

Marfat.com

ساجد انور صاحب نائب قیم جماعت اسلامی پاکستان نے تقریظ لکھی ہے۔ حافظ صاحب خود اچھے لکھاری بن سکتے ہیں، اگر وہ پوری توجہ کے ساتھ یہ کام شروع کر دیں۔ ہم ان کے شکرگزار ہیں کہ انھوں نے اس سے قبل بھی ہماری کتاب رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں جلد پنجم پر ''حرفے چند'' کے عنوان سے اپنی تحریر ارسال فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام اہلِ علم کو صحت وعافیت کے ساتھ دین حق کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم نے اس کتاب میں سیرت طیبہ کے تناظر میں چند نقشے بھی شامل کیے ہیں جو اٹلس سیرت نبویؐ از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل مطبوعہ دار السلام سے لیے گئے ہیں۔ امید ہے یہ قارئین کی دل چسپی اور معلومات میں اضافے کا باعث ہوں گے۔ اس موقع پر ادارہ معارف اسلامی کے تمام رفقا خصوصی شکریے کے مستحق ہیں کہ ان کا تعاون ہر قدم پر حاصل رہا۔ خاص طور پر کمپوزنگ میں محمد صدیق اور ساجد خان، حروف خوانی میں شیخ افتخار احمد اور چودھری علی احمد، بعض حوالہ جات کی تلاش میں مولانا گل زادہ شیر پاؤ، طباعت کے کام میں محمد انور گوندل صاحبان کی خدمات باعث تشکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ تمام احباب گرامی سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی تسامح محسوس کریں، ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ پا پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے۔

در دل مسلم مقام مصطفیؐ است
آبروئے ما زِنام مصطفیؐ است

حافظ محمد ادریس

نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان

ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور

--❀--❀--❀--

Marfat.com

حصہ اوّل

تمہیدی مباحث

Marfat.com

دیارِ عرب

نسبتِ عالیہ کا کمال

مکان کی اہمیت مکین سے ہوتی ہے۔ جب کبھی بھی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کسی نے قلم اٹھایا ہے تو آپؐ کے مقامِ رفیع سے نسبت کی وجہ سے اس دیار کو بھی اہمیت ملی ہے جو کافی حد تک بظاہر غیر اہم اور غیر آباد علاقہ شمار ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چٹیل پہاڑوں اور خشک ریگزاروں کے مقدر یوں چمکائے کہ پوری دنیا کی خوب صورت وادیاں اور دل رُبا مناظر اس کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئے۔ اس علاقے کو اللہ کے آخری نبی اور پوری مخلوق میں ربّ کائنات کے سب سے محبوب بندے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس علاقے پر لکھنے والوں نے جو کچھ لکھا وہ دراصل آپؐ ہی کی عظمت و شان کا مرہون منت ہے۔ آپؐ کی نسبت نے ذروں کے مقدر چمکا دیے اور بے حیثیت شتربانوں کو دنیا کا رہبر و امام بھی بنا دیا۔ آپؐ کی زبان عربی مبین میں آخری کتاب نازل فرمائی جو قیامت تک غیر متبدل اور زندہ معجزہ بن کر روشنی بکھیرتی رہے گی۔

سرزمینِ عرب پر قدیم و جدید مورخین و مصنفین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی معرکہ آرا کتاب سیرۃ النبیؐ کے پہلے حصے میں اس موضوع کو خوب نبھایا ہے۔ ہم ان کی تصنیف کے علاوہ طبقات ابن سعد، سیرت ابن ھشام، البدایۃ والنھایۃ سے استفادہ کرتے ہوئے کچھ حذف و اضافے کے ساتھ دیارِ عرب اور اس میں بسنے والی اقوام و قبائل کا تعارف نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔ یہ طویل تاریخی بیانیوں کا خلاصہ ہے، اس لیے اگر اس میں قارئین تشنگی محسوس کریں تو ان سے معذرت خواہ ہیں۔

Marfat.com

عرب کی وجہ تسمیہ

عرب کی وجہِ تسمیہ کے متعلق مختلف آرا پائی جاتی ہیں، اہلِ لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو ''عرب'' اور دنیا کی باقی تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ بیان) یعنی گونگے کہہ کر پکارا۔

بعض اہلِ علم و ماہرینِ لغت کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عربہ تھا، قدیم اشعار میں عرب کے بجائے عربہ آیا ہے۔

ورجّت باحة العربات رجّا
ترقرق فی مناكبها الدماء
و عربة ارض جدّ فی الشر اهلها
كما جدّ فی شرب النّقاخ ظماء
وعربة ارض ما یحل حرامها
من الناس الا اللوذعی الحلاحل

سرزمین عرب کے میدان تھرتھرا اُٹھے کہ اس کے اطراف وجوانب میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔

سرزمین عرب کے باسی برائی میں ایسے جری [اور اس کے شوقین ہو گئے ہیں] جیسے پیاسے لوگ ٹھنڈے میٹھے پانی کو شوق سے پیتے ہیں۔

سرزمین عرب کی حرمت کو کوئی حلت میں نہیں بدل سکتا، سوائے اس کے جو خطرناک حد تک، باغی، سرکش وشاطر اور تیز وطرار ہو۔

عرب کا محلِ وقوع

قدیم تاریخی مآخذ کے بعد گزشتہ صدی کے سیرت نگاروں کے درمیان مولانا شبلی نعمانی کا

Marfat.com

ذوقِ تحقیق قابل داد ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر جو تحقیق کی ہے وہ محض قدیم مسلم تاریخ دانوں اور سیرت نگاروں تک ہی محدود نہیں انھوں نے دورِ جدید اور عالم مغرب کے مصنفین اور محققینِ استشراق سے بھی خوب استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے ان شخصیات کے حوالہ جات دیتے ہوئے عالمانہ اور ناقدانہ نظر سے نتائج اخذ کیے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق عرب کے مغرب میں بحیرۂ قلزم، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر ہند ہے جبکہ شمالی حدود کے بارے میں بہت مختلف ومتنوع آرا پائی جاتی ہیں۔ بعض مورخین مملکتِ حلب اور فرات تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔ سینا کا جزیرہ نما، جس کا نام التیہ ہے، اکثر مصنفینِ عرب ویورپ اس کو مصر میں شمار کرتے ہیں، جیالوجی کے اعتبار سے وہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے عرب میں شامل ہوتا ہے۔

ریگستانی پہاڑ اور برفانی چوٹی

عرب کا بیش تر حصہ ریگستانی اور خشک ہے، پہاڑوں کا جال تمام عرب میں پھیلا ہوا ہے۔ اکثر پہاڑ خشک اور چٹیل ہیں، جبکہ بہت کم ایسے ہیں جن پر کوئی روئیدگی نظر آتی ہے۔ سب سے بڑا اور طویل پہاڑی سلسلہ جبل السراۃ ہے، جو یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ بلند اور بہت سرد ہے [اس پر سردیوں میں برف بھی پڑتی ہے، جو گرمیوں میں بھی پوری طرح نہیں پگھل پاتی]۔ اس خطۂ زمین کے بعض حصے زرخیز اور شاداب ہیں۔ چاندی اور سونے کی کانوں کے علاوہ دیگر مختلف معدنیات کثرت سے ہیں۔ علامہ ہمدانی نے صفة جزيرة العرب میں ایک ایک کان کا محل وقوع اور حدودِ اربعہ واضح کر کے اس کی نشاندہی کی ہے۔ قریش کا ذریعۂ معاش تجارت اور کاروبار تھا۔ وہ یوں تو مختلف اشیا کی تجارت کیا کرتے تھے، مگر مورخین نے لکھا ہے کہ زیادہ تر قریش کا مالِ تجارت چاندی ہوتی تھی۔ برٹن نے مدین کی طلائی کانوں پر ایک خاص کتاب Gold Mines of Median لکھی ہے۔

مآخذِ تاریخ

اسلام سے قبل عرب تاریخ کے حسب ذیل مآخذ ہیں:

Marfat.com

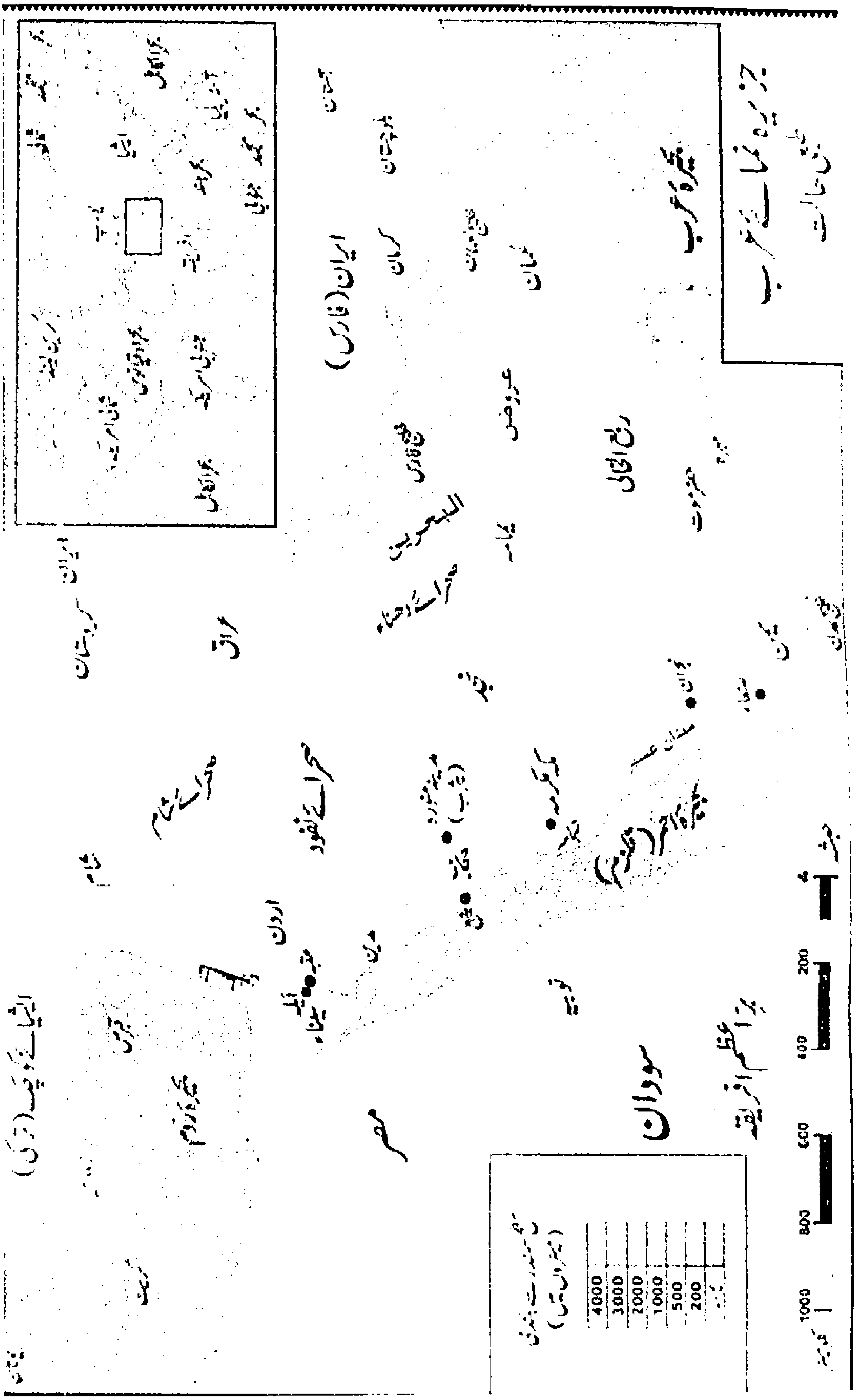

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۳۴)

Marfat.com

۱- زمانۂ جاہلیت کی بعض تصنیفات، جو یمن کے حکمرانوں یعنی سلاطین حیرہ کے کتب خانے میں محفوظ تھیں اور جو ابن ہشام کے ہاتھ آئیں اور جن کا ذکر علامہ موصوف نے اپنی کتاب التیجان میں کیا ہے۔

۲- زبانی روایات وحکایات جو زمانہ قدیم سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی چلی آتی تھیں، عربوں کا حافظہ نہایت ہی قوی تھا، یہاں تک کہ آج اشعارِ جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے، اسلام کے زمانے تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آیا ہے۔ اس بنا پر عرب کی تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا۔ عرب کی جو قومیں معدوم ہو چکی ہیں، مثلاً طسم، جدیس، عاد، ثمود ان کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایات محفوظ تھیں کہ ان کے ذریعے سے مورخینِ اسلام نے عرب کی تاریخ قدیم پر متعدد تصانیف مرتب کیں۔ مثلاً ہشام کلبی نے طسم، جدیس، تابعۂ یمن اور دیگر سلاطین عرب پر کتب لکھیں۔ جن کا ذکر ابن الندیم نے اپنی معروف کتاب الفہرست صفحہ ۹۶ پر کیا ہے۔

۳- اشعارِ جاہلیت، جن میں اکثر سلاطین، اقوام اور عماراتِ عرب کا ذکر ہے۔ یہ اشعار صفۃ جزیرۃ العرب اور معجم البلدان میں کثرت سے موجود ہیں۔ انھی قدیم مآخذ سے علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب اکلیل مرتب کی ہے، جس کا آٹھواں باب خاص سلاطین حمیر کے آثارِ قدیمہ اور حمیری کتبات پر مشتمل ہے۔

اقوام وقبائل

عمومی طور پر مورخین نے عرب اقوام وقبائلِ عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے:

۱- عرب بائدہ: یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔

۲- عرب عاربہ: بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے شمار ہوتے ہیں اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا۔

۳- عرب مستعربہ: بنو اسماعیلؑ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد جو جدی لحاظ سے عراق یا

Marfat.com

فلسطین [یا مصر] سے تعلق رکھتے تھے کیونکہ ان کے جدامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مولد عراق اور مسکن فلسطین وشام قرار پایا۔ ننھیال کے لحاظ سے ان عربوں کا ناطہ مصر سے جاملتا ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سیدہ ہاجرہؓ کا آبائی علاقہ تھا۔ یہ پوری قوم یعنی آلِ اسماعیلؑ خطۂ حجاز میں آباد تھی۔

ظہور اسلام کے وقت بنوقحطان اور بنواسماعیل جن کو مورخین عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصلی باشندے تھے اور ان کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی۔ اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا۔ ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل وفروع سے تھا، جو یمن سے شام تک ہر قطعۂ زمین میں پھیلے ہوئے تھے، ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں۔ چونکہ سیرت کے تذکروں میں اکثر ان کے نام آتے ہیں، اس بنا پر قارئین کی دل چسپی اور معلومات کے لیے ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے۔

بنوقحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں۔ قضاعہ، کہلان اور ازد۔ حمیر بھی اسی کی شاخ ہے جو یمن کے فرماں روا تھے لیکن یہاں بیان کردہ واقعات کو ان سے یا ان کی حکمرانی سے کوئی تعلق نہیں۔

۱- قضاعہ کو عام علمائے انساب بنوقحطان میں داخل کرتے ہیں اور ہم بھی یہاں ان کی پیروی کرتے ہیں، ورنہ از روئے تحقیق وہ بنواسماعیل ہیں، بہر حال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں۔ بنوکلب، بنوتنوع، بنوجرم، بنوجہینہ، بنونہد، بنوعذرہ، بنواسلم، بلی، سلیح ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم اللات۔

۲- کہلان میں درج ذیل قبائل شامل ہیں: بجُیلہ، خثعم، ہمدان، مذحج، طے لخم، جذام، عاملہ۔

۳- اَزد میں اوس، خزرج، خزاعہ، غسان، دوس شامل ہیں۔

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے، حسب ذیل ہیں، قبائلِ مضر اولاً بنوخندف

Marfat.com

اور بنو قیس دو خاندانوں پر منقسم ہیں۔

خندف میں ہذیل، کنانہ، اسد، ضبۃ، مزینہ، رباب، تمیم، ہون شامل ہیں۔ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروع ہیں۔

کنانہ	:	قریش، دول
ہون	:	قارہ
رباب	:	عدی، تیم، عکل، ثور
تمیم	:	مقاعس، قریع، بہدلہ، یوبوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب

بنو قیس میں عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن کے نام آتے ہیں۔ان میں بعض کے فروع یہ ہیں:

غطفان	:	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ
اعصر	:	غنی، باہلہ
ہوازن	:	سعد، نصر، جشم، ثقیف، سلول، بنو عامر (بنو عامر کی شاخیں بنو ہلال، بنو نمیر، بنو کعب ہیں)

ان قبائل کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب میں یہود کے تین قبائل آباد تھے، جن میں بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ شامل ہیں۔

قدیم عرب حکومتیں

کتبوں اور دیگر مورخین کی تصریحات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں پانچ متمدن سلطنتیں گزریں۔

۱۔مَعینی — معین یمن میں ایک مقام کا نام ہے، جو کسی زمانے میں سلطنت کا پایہ تخت تھا۔اسی کی نسبت سے انھیں معینی کہا جاتا ہے۔

۲۔سبائی — یعنی قوم سبا۔

Marfat.com

۳-حضر موتی حضر موت، یمن کا مشہور مقام۔

۴-قتبانی قتبان، عدن میں ایک مقام ہے، جو آج کل گمنام ہے۔

۵-نابتی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا، یہ سلسلہ انھی کی طرف منسوب ہے۔

معینی سلطنت، جنوبی عربستان میں تھی، اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے، کتبوں سے تقریباً پچاس حکمرانوں کا پتا چلتا ہے۔ محققین یورپ میں اختلاف ہے کہ معینی اور سبائی حکومتیں ہم زمان تھیں یا متقدم ومتاخر، گلازر کا خیال ہے کہ معینی حکومت بہت متقدم ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی، لیکن مولر کا بیان ہے کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہیں ملتا، اس بنا پر سبائی اور معینی دونوں ہم عصر ہیں۔

سبائی دور جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سات سو برس قبل ہے، اس سلطنت کا پایہ تخت مآرب تھا، اس زمانے کے سنگی کتبے بہ کثرت موجود ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتا چلتا ہے، اس دور کے بعد حِمیَر کا زمانہ ہے، حِمیَر نے مآرب پر قبضہ کر کے اس کو پایہ تخت بنالیا۔

رومیوں کا عبرت ناک انجام

قریباً ۱۱۵ قبل مسیح میں حِمیَر نے سبائی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حِمیَر میں چھبیس فرماں روا گزرے۔ حِمیَر کے بعض کتبوں میں سنہ وسال بھی کندہ ہے، ان کے عہد حکومت میں رومی سلطنت نے عرب میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی۔ رومی حکمران اے لیس گالس، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۸۱ برس قبل عرب پر چڑھائی کی تھی، بالکل ناکام رہا۔ اس کے رہبر دغا بازی کر کے اس کو صحرا میں لے گئے اور ریگستان میں پہنچ کر اس کا سارا لشکر تباہ ہوگیا۔

(حوالے کے لیے کتاب کا لنک: https://archive.org/details/literaryhistoryo00nichrich)

Marfat.com

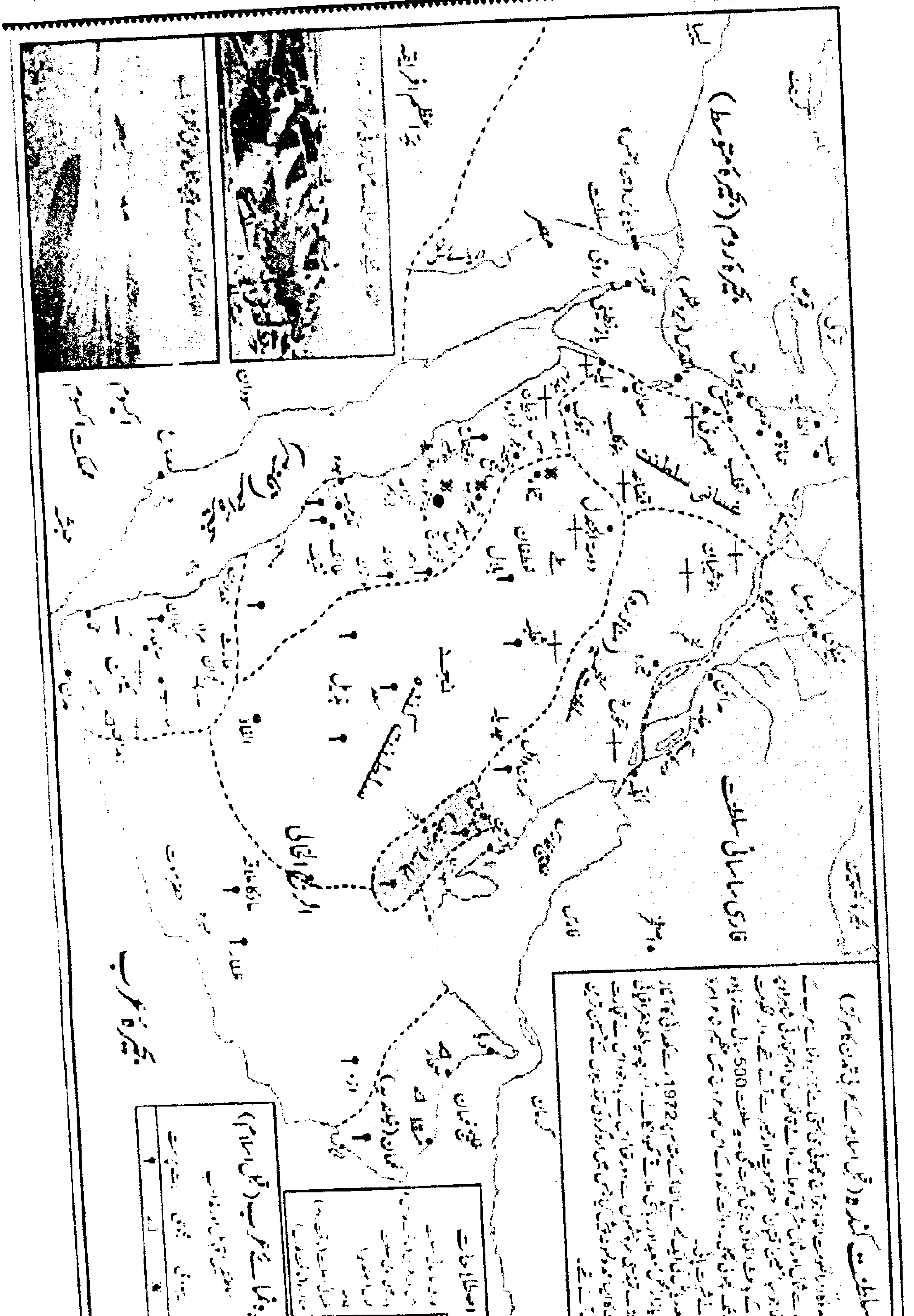

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابوخلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۶۶)

Marfat.com

حبشہ کا عروج

بعض روایات کے مطابق حمیر نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا۔ اسی زمانے کے قریب عیسائی مذہب کے پیروکار حبشیوں نے عرب کے جنوب میں حکومت قائم کرنی شروع کی اور ایک زمانے میں حمیریوں کو شکست دے کر اپنی مستقل حکومت قائم کرلی۔ اس عہد کے کتبوں میں سے ایک کتبہ جو آج کل ہاتھ آیا ہے اس پر یہ الفاظ کندہ ہیں۔

رحمان، مسیح اور القدس کی قدرت وفضل ورحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہہ نے کتبہ لکھا جو بادشاہ حبش ارا حمیس ذبی مان کا نائب الحکومت ہے۔

ذوالقرنین

سبا اور حمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعتِ فتوحات کی روایتیں عرب میں اس قدر متواتر ہیں کہ ان کے قدر مشترک سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اشعار میں بھی کثرت سے واقعات مذکور ہیں۔ عربوں کے خیال کے موافق سلاطینِ حمیر نے ایران کے انتہائی اہم مقامات فتح کرلیے تھے۔ ذوالقرنین، جس کو عوام سکندر کہتے ہیں، اہل عرب کے نزدیک اسی حمیری خاندان کا فرماں روا تھا۔ شاہنامہ میں مذکور ہے کہ کیکاؤس کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کرلیا تھا۔ علامہ ثعالبی نے تاریخ ایران میں (جو اب یورپ میں چھپ کر شائع ہوگئی ہے) لکھا ہے کہ یہ ہاماوران حمیر کا بادشاہ تھا اور ہاماوران دراصل وہی عربی لفظ حمیر ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سودابہ جو کیکاؤس کی بیوی تھی اور فردوسی کے بیان کے موافق سیاوش پر عاشق ہوگئی تھی، اسی حمیری بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس کا اصلی نام سعدیٰ تھا۔ ایرانیوں نے اپنے تلفظ میں اس کو سوادبہ کرلیا تھا۔

ذوالقرنین کے متعلق اصل اور حقیقی واقعات قرآن میں بیان کیے گئے ہیں جو اس تاریخی داستان سے قدرے مختلف ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ الکہف، جس میں مولانا مودودیؒ نے نہایت علمی انداز میں تاریخی حقائق بیان کیے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

یہ مسئلہ قدیم زمانے سے اب تک مختلف فیہ رہا ہے کہ یہ ''ذوالقرنین'' جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، کون تھا۔ قدیم زمانے میں بالعموم مفسرین کا میلان سکندر کی طرف تھا، لیکن قرآن میں اس کی جو صفات و خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں۔ جدید زمانے میں تاریخی معلومات کی بنا پر مفسرین کا میلان زیادہ تر ایران کے فرماں روا خورس (خسرو یا سائرس) کی طرف ہے، اور یہ نسبتاً زیادہ قرین قیاس ہے، مگر بہر حال ابھی تک یقین کے ساتھ کسی شخصیت کو اس کا مصداق نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

قرآن مجید جس طرح اس کا ذکر کرتا ہے اس سے ہم کو چار باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اس کا لقب ذوالقرنین (لغوی معنی ''دو سینگوں والا'') کم از کم یہودیوں میں، جن کے اشارے سے کفارِ مکہ نے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، ضرور معروف ہونا چاہیے۔ اس لیے لامحالہ ہمیں یہ معلوم کرنے کے لیے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ وہ ''دو سینگوں والے'' کی حیثیت سے کس شخصیت یا سلطنت کو جانتے تھے۔

(۲) وہ ضرور کوئی بڑا فرماں روا اور فاتح ہونا چاہیے جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوں، اور تیسری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی ہوں۔ ایسی شخصیتیں نزول قرآن سے پہلے چند ہی گزری ہیں اور لامحالہ انھی میں سے کسی میں اس کی دوسری خصوصیات ہمیں تلاش کرنی ہوں گی۔

(۳) اس کا مصداق ضرور کوئی ایسا فرماں روا ہونا چاہیے جس نے اپنی مملکت کو یاجوج و ماجوج کے حملوں سے بچانے کے لیے کسی پہاڑی درے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہو۔ اس علامت کی تحقیق کے لیے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یاجوج و ماجوج سے مراد کون سی قومیں ہیں،

Marfat.com

یہ مسئلہ قدیم زمانے سے اب تک مختلف فیہ رہا ہے کہ یہ ''ذوالقرنین'' جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، کون تھا۔ قدیم زمانے میں بالعموم مفسرین کا میلان سکندر کی طرف تھا، لیکن قرآن میں اس کی جو صفات وخصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں۔ جدید زمانے میں تاریخی معلومات کی بنا پر مفسرین کا میلان زیادہ تر ایران کے فرماں روا خورس (خسرو یا سائرس) کی طرف ہے، اور یہ نسبتاً زیادہ قرین قیاس ہے، مگر بہرحال ابھی تک یقین کے ساتھ کسی شخصیت کو اس کا مصداق نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

قرآن مجید جس طرح اس کا ذکر کرتا ہے اس سے ہم کو چار باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اس کا لقب ذوالقرنین (لغوی معنی ''دوسینگوں والا'') کم از کم یہودیوں میں، جن کے اشارے سے کفارِ مکہ نے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، ضرور معروف ہونا چاہیے۔ اس لیے لامحالہ ہمیں یہ معلوم کرنے کے لیے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ وہ ''دوسینگوں والے'' کی حیثیت سے کس شخصیت یا سلطنت کو جانتے تھے۔

(۲) وہ ضرور کوئی بڑا فرماں روا اور فاتح ہونا چاہیے جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوں، اور تیسری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی ہوں۔ ایسی شخصیتیں نزول قرآن سے پہلے چند ہی گزری ہیں اور لامحالہ انھی میں سے کسی میں اس کی دوسری خصوصیات ہمیں تلاش کرنی ہوں گی۔

(۳) اس کا مصداق ضرور کوئی ایسا فرماں روا ہونا چاہیے جس نے اپنی مملکت کو یاجوج و ماجوج کے حملوں سے بچانے کے لیے کسی پہاڑی درے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہو۔ اس علامت کی تحقیق کے لیے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یاجوج و ماجوج سے مراد کون سی قومیں ہیں،

Marfat.com

اور پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان کے علاقے سے متصل کون سی ایسی دیوار کبھی دنیا میں بنائی گئی ہے اور وہ کس نے بنائی ہے۔

(۴) اس میں مذکورہ بالا خصوصیات کے ساتھ ایک یہ خصوصیت بھی پائی جانی چاہیے کہ وہ خدا پرست اور عادل فرماں روا ہو، کیونکہ قرآن یہاں سب سے بڑھ کر اس کی اسی خصوصیت کو نمایاں کرتا ہے۔

ان میں سے پہلی علامت آسانی کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے، کیونکہ بائبل کے صحیفۂ دانی ایل میں دانیال نبی کا جو خواب بیان کیا گیا ہے اس میں وہ یونانیوں کے عروج سے قبل میڈیا اور فارس کی متحدہ سلطنت کو ایک مینڈھے کی شکل میں دیکھتے ہیں جس کے دو سینگ تھے۔ یہودیوں میں اس ''دوسینگوں والے'' کا بڑا چرچا تھا کیونکہ اسی کی ٹکر نے آخر کار بابل کی سلطنت کو پاش پاش کیا اور بنی اسرائیل کو اسیری سے نجات دلائی۔

دوسری علامت بڑی حد تک اس پر چسپاں ہوتی ہے، مگر پوری طرح نہیں۔ اس کی فتوحات بلاشبہ مغرب میں ایشیائے کوچک اور شام کے سواحل تک اور مشرق میں باختر (بلخ) تک وسیع ہوئیں، مگر شمال یا جنوب میں اس کی کسی بڑی مہم کا سراغ ابھی تک تاریخ سے نہیں ملا، حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ ایک تیسری مہم کا بھی ذکر کرتا ہے۔ تاہم اس مہم کا پیش آنا بعید از قیاس نہیں ہے، کیونکہ تاریخ کی رو سے خورس کی سلطنت شمال میں کاکیشیا (قفقاز) تک وسیع تھی۔

تیسری علامت کے بارے میں یہ تو قریب قریب متحقق ہے کہ یاجوج وماجوج سے مراد روس اور شمالی چین کے وہ قبائل ہیں جو تاتاری منگولی، ہُن اور سیتھین وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں اور قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے حملوں سے بچنے کے لیے قفقاز کے جنوبی علاقے میں دربند اور داریال کے

Marfat.com

استحکامات تعمیر کیے گئے تھے۔ لیکن یہ ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا کہ خورس ہی نے یہ استحکامات تعمیر کیے تھے۔

آخری علامت قدیم زمانے کے معروف فاتحوں میں اگر کسی پر چسپاں کی جا سکتی ہے تو وہ خورس ہی ہے کیونکہ اس کے دشمنوں تک نے اس کے عدل کی تعریف کی ہے اور بائبل کی کتاب عُزرا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ ضرور ایک خدا پرست اور خدا ترس بادشاہ تھا جس نے بنی اسرائیل کو ان کی خدا پرستی ہی کی بنا پر بابل کی اسیری سے رہا کیا اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے بیت المقدس میں دوبارہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا حکم دیا۔

اس بنا پر ہم یہ تو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے جتنے مشہور فاتحینِ عالم گزرے ہیں ان میں سے خورس کے اندر ''ذوالقرنین'' کی علامات زیادہ پائی جاتی ہیں، لیکن تعین کے ساتھ اس کو ذوالقرنین قرار دینے کے لیے ابھی مزید شہادتوں کی ضرورت ہے۔ تاہم دوسرا کوئی فاتح قرآن کی بتائی ہوئی علامات کا اتنا بھی مصداق نہیں ہے جتنا خورس ہے۔

تاریخی بیان کے لیے صرف اتنا ذکر کافی ہے کہ خورس ایک ایرانی فرماں روا تھا جس کا عروج ۵۴۹ ق م کے قریب زمانے میں شروع ہوا۔ اس نے چند سال کے عرصے میں میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (ایشیائے کوچک) کی سلطنتوں کو مسخر کرنے کے بعد ۵۳۹ ق م میں بابل کو بھی فتح کر لیا جس کے بعد کوئی طاقت اس کے راستے میں مزاحم نہیں رہی۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ سندھ اور صُغد (موجودہ ترکستان) سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک، اور دوسری طرف تھریس اور مقدونیہ تک وسیع ہو گیا اور شمال میں اس کی سلطنت قفقاز (کاکیشیا) اور خوارزم تک پھیل گئی۔ عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع فرمان تھی۔ (تفہیم القرآن، جلد سوم، سورۂ الکہف، حاشیہ نمبر ۶۲، ص ۴۲-۴۴)

Marfat.com

تورات میں سبا کی عظمت

یورپ کی جدید تحقیقات سے بھی سبا اور حمیر کے اعلیٰ درجے کے تمدن کا ثبوت ملتا ہے۔ پروفیسر نولدیکی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہے:

ولادت مسیح سے ہزار سال قبل جنوبی وغربی عرب یعنی یمن جو حمیر اور سبا کا ملک تھا اور جو اپنی بارشِ گرما کے باعث زراعت کے لیے نہایت موزوں تھا، تمدن کے اس مرتبے تک پہنچ چکا تھا کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے جذباتِ مدح وستایش کو تحریک ہوتی ہے اور اہلِ یونان وروم نے اس کو ''دولت مند عرب'' کا جو لقب دیا تھا وہ بے جا نہ تھا۔ تورات میں متعدد عبارتیں ہیں جو سبا کی عظمت وشوکت کی شہادت دیتی ہیں، چنانچہ ملکۂ سبا کا سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کا قصہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔(ا۔سلاطین ۱۰،آیت ۱تا۱۰)۔قوم ثمود، جن کی عمارات سے ڈاؤٹی اور یونگ کی محنتوں نے ہم کو روشناس کردیا ہے، نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً ان ہی سے حاصل کی ہے۔کتابت کا فن جو سبائیوں نے ابتدائی زمانے میں شمال سے لیا تھا، اب اس کو خود انھوں نے عرب کے اکثر حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں جاری کردیا۔یہاں تک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ابی سینیا تک اس کو پھیلا دیا۔

نابتی حکومت

نابتی حکومت جو شام کی حدود سے متصل تھی اور جو قوم ثمود کی مرادف یا ان کی قائم مقام تھی، اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں:

ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانۂ قدیم میں نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر چھایا ہوا تھا، بلکہ حجاز ونجد کے صوبہ ہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا۔نابتی جہاں ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ اندوز ہونے میں کمال رکھتے تھے، وہاں دوسری

Marfat.com

طرف بطور سچے بنو اسماعیل کے خطراتِ جنگ کے لیے بالکل مستعد رہتے تھے۔ فلسطین وشام میں ان کی غارت گریوں اور خلیج عرب میں مصری جہازوں پر ان کی رہزنی نے بارہا تاج دارانِ مقدونیہ کو ان کی دشمنی پر آمادہ کر دیا۔ لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیش تر کوئی شے انھیں روک نہ سکی اور روما کی اطاعت بھی انھوں نے اسٹرابو کے زمانے میں بالکل مجبورانہ اور مشتبہ انداز سے قبول کی۔

یہ قدیم سلطنتوں کا حال تھا۔ اسلام سے قبل یہ تمام سلطنتیں برباد ہو چکی تھیں۔ ان کی بجائے یمن میں صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے، جن کو قیل یا مقول کہتے تھے۔ عراق میں آلِ منذر کا خاندان قائم تھا جو فارس کے زیر اثر تھا۔ خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتیں اسی سلسلے کی یادگار ہیں۔ شام کی حدود میں غسانی خاندان فرماں روا تھا جو قیصرانِ روم کا ماتحت تھا اور جس کا آخری فرماں روا جبلہ بن الایہم غسانی تھا۔ [یہ مسلمان بھی ہوا تھا، مگر پھر مرتد ہو کر بھاگ گیا۔]

تہذیب وتمدن

تہذیب وتمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ مانسیو لیبان، فرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانے میں اوجِ کمال تک پہنچ چکا تھا، کیونکہ اصولِ ارتقا کی رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجے کی تہذیب وتمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانے میں انتہا درجے کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔ یورپ کے محققینِ آثارِ قدیمہ جنھوں نے یمن کے آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے، وہ یمن کی قدیم تہذیب وتمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔

صنعا اور قلیس کے ذکر میں یاقوت حموی نے معجم البلدان میں قدیم آثارات عجیبہ کا

Marfat.com

تذکرہ کیا ہے اور گو اس میں بہت کچھ مبالغہ بھی ہے، تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، سیرۃ النبیؐ، از شبلی نعمانی، جلد اول، ص ۷۲-۸۰۔ اس کے علاوہ سیرۃ ابن ہشام میں قومِ سبا کے بارے میں صفحہ ۹ اور صفحہ ۱۵ پر اور البدایۃ والنہایۃ جلد اول میں صفحہ ۳۲۷ سے لے کر ۳۳۰ تک تفصیلات لکھی گئی ہیں)

سبا کا قرآن میں تذکرہ

قرآن پاک میں سورۂ النمل اور سورۂ سبا میں قومِ سبا کا تذکرہ ملتا ہے۔ سورۂ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ملکہ سبا سے آپؑ کی خط و کتابت اور پھر ملکۂ سبا کا آپؑ کی خدمت میں حاضر ہونا اور اسلام قبول کرنا سارے مضمون کا مرکزی نقطہ ہے۔ سورۂ سبا میں قومِ سبا کا تعارف کرایا گیا ہے اور وہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے تذکرے کے بعد اس قوم کا ذکر آیا ہے۔ یہ بڑی خوش حال قوم تھی اور اللہ کی سب نعمتیں ان کو حاصل تھیں، مگر کفرانِ نعمت کے نتیجے میں انھیں عذاب میں مبتلا کیا گیا اور یہ قوم بھی عبرت کا نشان بن کر رہ گئی اور ان کا پورا علاقہ بھی تباہی کا منظر پیش کرنے لگا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''سبا کے لیے ان کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی، دو باغ دائیں اور بائیں۔ کھاؤ اپنے رب کا رزق اور شکر بجالاؤ اس کا، ملک ہے عمدہ و پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا۔ مگر وہ منہ موڑ گئے۔ آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انھیں دیے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔ یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔ اور ہم نے ان کے درمیان، جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی، نمایاں بستیاں بسادی تھیں اور ان میں سفر کی مسافتیں ایک اندازے پر رکھ دی تھیں۔ چلو پھرو ان راستوں میں رات دن پورے امن کے ساتھ۔ مگر انھوں نے

Marfat.com

کہا: ''اے ہمارے رب ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کردے۔'' انھوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔ آخرکار ہم نے انھیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انھیں بالکل تتر بتر کر ڈالا۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو بڑا صابر وشاکر ہو۔ اُن کے معاملے میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا اور انھوں نے اس کی پیروی کی، بجز ایک تھوڑے سے گروہ کے جو مومن تھا۔ ابلیس کو ان پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا، مگر جو کچھ ہوا وہ اس لیے ہوا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون آخرت کا ماننے والا ہے اور کون اس کی طرف سے شک میں پڑا ہوا ہے۔ تیرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔'' (سبا ۳۴:۱۵-۲۱)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

نبی ﷺ کے آباواجداد

وادیٔ بکہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ ابراہیم علیہ السلام کی مبارک نسل سے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام آپؐ کے جدامجد ہیں۔ انھیں جناب خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے شیرخوار ہونے کے زمانے میں ان کی والدہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بے آب وگیاہ وادیٔ بکہ میں چھوڑ دیا تھا۔ یہ واقعہ اتنا مشہور ہے کہ ہر کلمہ گو اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ قرآن مجید، حدیث پاک اور تمام مستند تواریخ میں یہ واقعہ تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات میں سے یہ بھی ایک بڑا امتحان تھا، مگر اللہ کی اپنی حکمت و مصلحت تھی، جسے وہی جانتا تھا۔ جناب خلیل اللہ علیہ السلام کے دل پر کیا گزری ہوگی، اس کا تصور ہر صاحبِ دل کرسکتا ہے، مگر اللہ کے حکم کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کی روایت جو جدالانبیا نے بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے کے وقت سے قائم کی اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہ ہونے دی۔ اس عظیم کردار کی تحسین قرآن مجید میں جگہ جگہ کی گئی ہے، خصوصاً سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۲۴ میں:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ (البقرۃ ۲: ۱۲۴)

یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا: ''میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔'' ابراہیمؑ نے عرض کیا: ''اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔''

Marfat.com

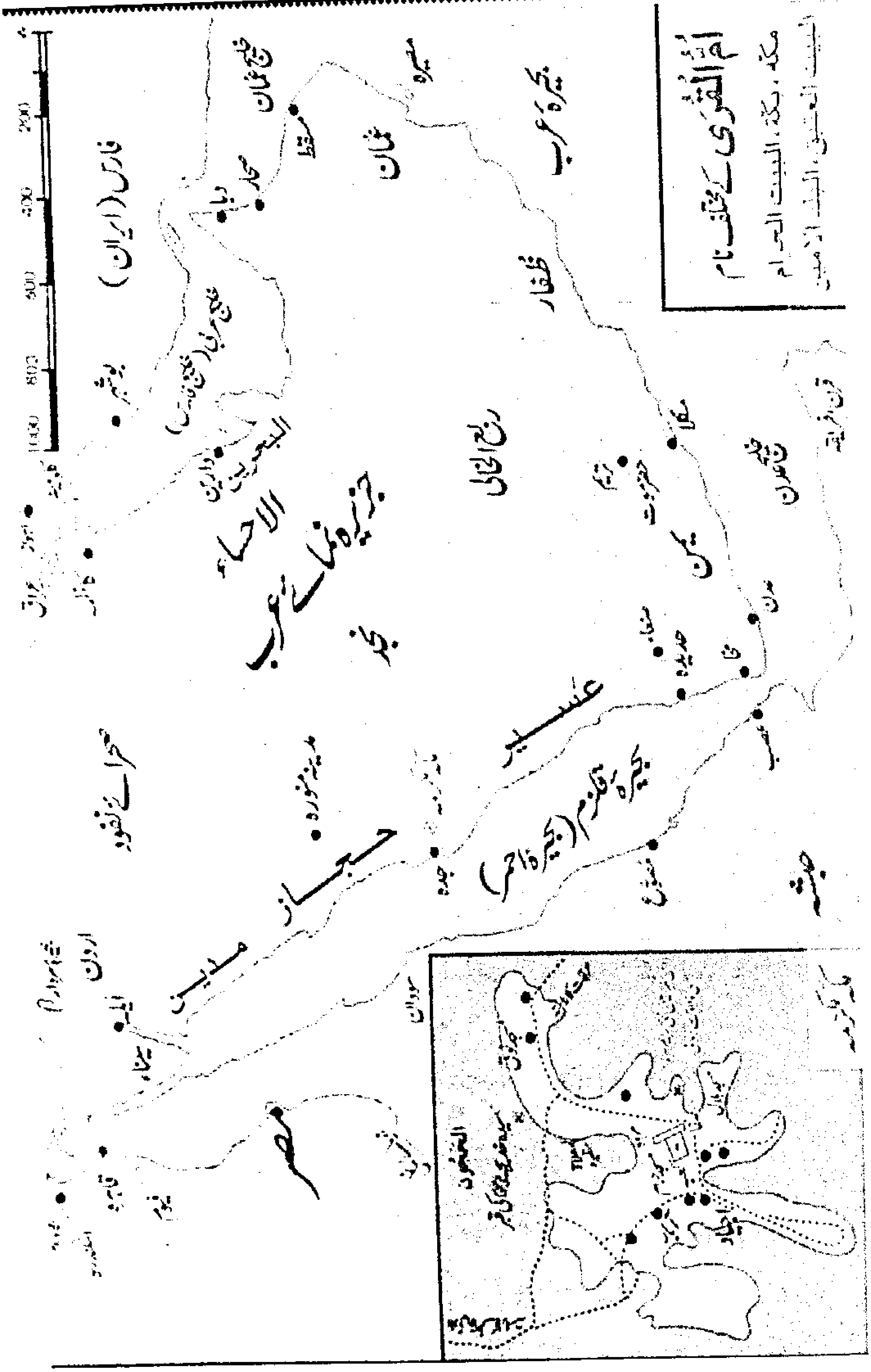

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابوخلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۸۱)

Marfat.com

صفا مروہ اور زم زم

اپنی نوجوان اور خوب صورت مصری الاصل زوجہ مطہرہ اور اپنے لختِ جگر، پھول جیسے بیٹے اسماعیل کو اس وادیٔ بے آب وگیاہ میں چھوڑ کر جب واپس چلے تو انھیں اللہ کی امان میں دیا۔ اللہ کی امان میں جو چیز بھی ہو وہ کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ کچھ کھجوریں، ستو اور پانی کا ایک مشکیزہ کل متاعِ حیات تھا۔ جب آب و دانہ ختم ہو گیا اور والدہ اپنے بچے سمیت بھوک پیاس سے دوچار ہوئی تو تاریخ کا ایک نیا باب کھلا۔ ماں کی چھاتی میں دودھ بھی خشک ہو گیا اور آس پاس کہیں دادرسی کی بھی کوئی امید نہ تھی۔ اس صورتِ حال میں اللہ کی یہ عظیم بندی اپنے بیٹے کو زمین پر لٹا کر قریب کی پہاڑی (صفا) پر چڑھیں، گردونواح میں نظر دوڑائی، کوئی امید بر نہ آئی۔ دوسری پہاڑی (مروہ) کی طرف گئیں، راستے میں ہموار جگہ پر دوڑ بھی لگائی۔ پہاڑی پہ کھڑے ہو کر آس پاس نگاہ دوڑائی۔ یہاں بھی کچھ نظر نہ آیا۔ صفا سے مروہ کی طرف چار بار، مروہ سے صفا کی طرف تین بار چکر لگائے۔ آخر ظاہری سہاروں سے مایوس ہو کر واپس اپنے گوہر نایاب کی طرف لوٹیں۔ معصوم اسماعیلؑ بھوک پیاس کی شدت سے زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ دیکھا تو بچے کے پاؤں کے نیچے پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ بیٹے کو اٹھایا اور آبِ چشمہ کے گرد کنکریوں اور مٹی سے منڈیر سی بنائی اور فرمایا: ''زم زم [رُک جا]''۔ آب زم زم اس مبارک دن سے تا امروز اللہ کی نعمتوں کا عظیم خزانہ ہے۔ جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ جو اہلِ زمین کو اسماعیلؑ اور ہاجرہؑ کے طفیل خالق کائنات نے عطا فرمایا۔

حج کا حکم

ہمارے نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم جن پر اللہ نے اپنی نعمتوں کا اتمام کیا اور جن کے وجودِ مسعود کے دنیا میں آنے پر نبوت کا سلسلۃ الذہب مکمل ہوا، انھی عظیم شخصیات کی نسل سے پیدا ہوئے۔ آپؐ نے اپنی دادی سیدہ ہاجرہؓ کا تذکرہ کئی بار کیا اور ان کی عظمت کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ خود خالق باری تعالیٰ نے جب خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا اور پھر اس کی تکمیل پر اس کی جانب حج کے لیے لوگوں کو آنے کی دعوت دی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ

Marfat.com

يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ (الحج ۲۲:۲۷)۔ اور لوگوں کو حج کے لیے اذنِ عام دے دو کہ وہ تمھارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار [ہوکر] آئیں۔

سیّدہ ہاجرہؓ کی عظمت

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حج کا آغاز وافتتاح کیا۔ پھر ایک دنیا اس کی طرف لپکی۔ وہ دن اور آج کا دن اس تعداد میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے صفا مروہ کے درمیان سات چکر لگائے تھے۔ اللہ نے اپنے جلیل القدر انبیا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بھی صفا مروہ کے درمیان سات چکر لگائیں۔ اسے شعائرِ حج وعمرہ میں شامل فرما دیا گیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب حج فرض ہوا تو آپ نے بھی عمرے اور حج میں سعی بین الصفا والمروہ کا اہتمام کیا اور اسے حج وعمرے کا حصہ بنا دیا۔ قیامت کے دن تک یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ (البقرۃ ۲:۱۵۸)

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے، اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کر لے اور جو برضا ورغبت کوئی بھلائی کا کام کرے گا، اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔

اللہ ربّ العزت نے اپنی بندی کو جو اس کے فیصلوں پر راضی برضا تھی، کس قدر عظمت عطا کی ہے۔ سبحان اللہ! آبِ زم زم بھی اسماعیلؑ کا معجزہ اور ہاجرہؓ کا انعام ہے جو اللہ نے عطا فرمایا۔ قیامت کے دن تک یہ چشمۂ صافی لوگوں کی پیاس بجھاتا رہے گا۔ اگلے باب میں ہم زم زم کا قدرے تفصیلی تعارف نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

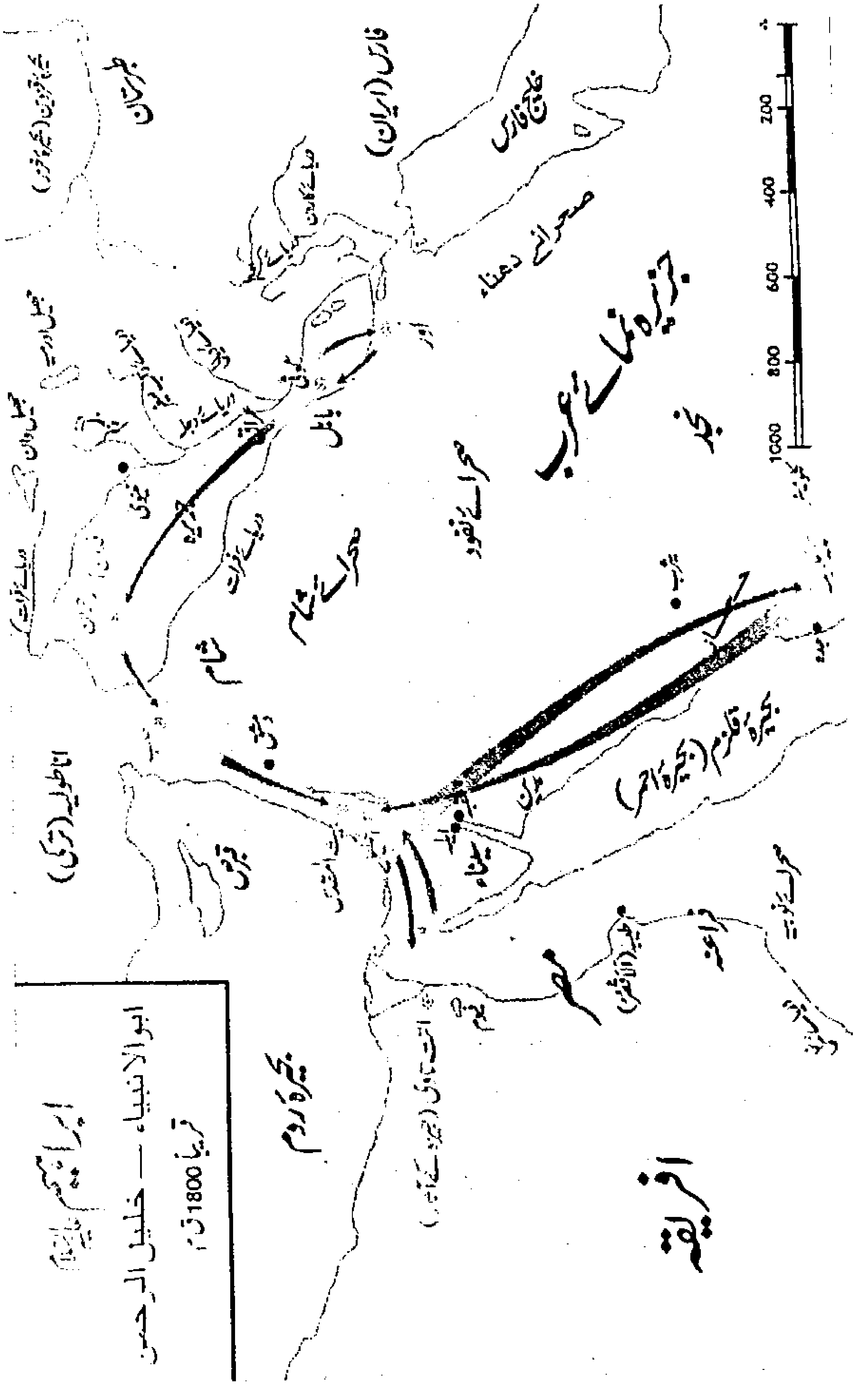

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابوخلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۴۱)

Marfat.com

چاہِ زم زم

زم زم ایک معجزہ

زم زم کا پانی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہؓ کے شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے بہانے اللہ تعالیٰ نے تقریباً چار ہزار سال قبل ایک معجزے کی صورت میں مکہ مکرمہ کے بے آب وگیاہ ریگستان کے چٹیل اور پتھریلے خطے میں جاری کیا جو آج تک جاری ہے۔ چاہِ زم زم مسجد حرام میں خانہ کعبہ کے جنوب مشرق میں تقریباً ۲۱ میٹر کے فاصلے پر آج کل تہہ خانے میں واقع ہے۔ یہ کنواں وقت کے ساتھ سوکھ گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے اشارۂ خداوندی سے اسے دوبارہ کھدوایا جو آج تک جاری وساری ہے۔ اس کی کھدائی کے دوران اس میں سے سونے کے دو ہرن اور سونے کی تلواریں برآمد ہوئیں۔ بعض روایات کے مطابق بنوجرہم نے آبِ زم زم کو بند کردیا تھا اور انھوں نے ہی یہ چیزیں اس میں دفن کی تھیں۔ جناب عبدالمطلب نے یہ سارا سونا خانہ کعبہ کے لیے وقف کردیا۔ بعد میں قریش کے کچھ لوگوں نے یہ سونا چرالیا۔ (طبقات ابن سعد، ج۱، ص ۸۴-۸۵)

آبِ زم زم کا سب سے بڑا دہانہ حجر اسود کے پاس ہے جبکہ اذان کی جگہ کے علاوہ صفا ومروہ کے مختلف مقامات سے بھی مختلف شاخوں کی صورت میں نکلتا ہے۔ ۱۹۵۳ء تک تمام کنوؤں سے پانی ڈول کے ذریعے نکالا جاتا تھا، مگر اب مسجد حرام کے اندر اور باہر مختلف مقامات پر آب زم زم کی سبیلیں لگادی گئی ہیں۔ زم زم کا پانی مسجد نبوی میں بھی نمازیوں کی ضرورت کے مطابق عام ملتا ہے اور حجاج کرام یہ پانی دنیا بھر میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ زم زم کے بارے میں اس کی پوری تاریخ اور تفصیلات مورخ ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ النبویہ القسم الاول میں لکھی

Marfat.com

ہیں۔(سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۱۴۲-۱۴۷)

گہرائی، چوڑائی اور لمبائی

جناب عبدالمطلب کے زمانے میں چاہ زم زم کی کھدائی کے بعد سے لے کر اب تک اس کنویں کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی میں تبدیلی نہیں لائی گئی ہے۔یعنی آج تک یہ ۱۸ فٹ لمبا، ۱۴ فٹ چوڑا اور تقریباً ۵ فٹ گہرا ہے۔مکہ کا شہر جس وادی میں ہے وہ چاروں طرف سے گرینائٹ چٹانوں والے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔حرم شریف (مسجد الحرام) وادی میں سب سے نچلے مقام پر واقع ہے۔خانہ کعبہ اور مسجد حرام سمیت پورا شہر مکہ ریت اور گاد کی تہہ (Sand and silt formation) پر واقع ہے،جس کی گہرائی ۵۰ سے ۱۰۰ فٹ تک ہے اور جس کے نیچے آتشی چٹانوں کی ایک تہہ پھیلی ہوئی ہے۔چاہِ زم زم بھی ریت اور گاد کی اسی تہہ پر واقع ہے اور اس میں پانی کی سطح اطراف کی زمین سے ۴۰ تا ۵۰ فٹ کی گہرائی پر ہے۔(علیم احمد، ماہنامہ گلوبل سائنس، فروری ۲۰۱۳ء، کراچی)

موجود معدنیات

جامعہ شاہ سعود کی رپورٹ کے مطابق آب زم زم میں موجود اہم معدنیات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

سوڈیم	133	7.7×10-5
کیلشیم	96	5.5×10-5
میگنیشیم	38.88	2.247×10-5
پوٹاشیم	43.3	2.50×10-5
بائی کاربونیٹ	195.4	0.0001129
کلورائڈ	163.3	9.44×10-5
فلورائڈ	0.72	4.2×10-7

Marfat.com

نائٹریٹ	124.8	7.21×10-5
سلفیٹ	124.0	7.17×10-5
کل حل شدہ معدنیات	835	0.000483

فضیلت

ابن قیم جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: زم زم سب پانیوں کا سردار اور سب سے زیادہ شرف وقدر والا چشمہ ہے۔ لوگوں کے نفوس کو سب سے زیادہ اچھا اور مرغوب اور بہت ہی قیمتی ہے جو کہ جبریل علیہ السلام کے کھودے ہوئے چشمے کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسماعیل علیہ السلام کی تشنگی دور کرنے والا پانی ہے۔ صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس کی برکات بتائی تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ کعبہ کے پردوں کے پیچھے چالیس یا تیس دن رات تک مقیم رہے اور ان کی خوراک صرف زم زم تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم کب سے یہاں مقیم ہو؟ حضرت ابوذر نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس دن رات سے یہیں مقیم ہوں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: تیرے کھانے کا انتظام کون کرتا ہے؟ وہ کہتے ہیں میں نے جواب میں کہا: میرے پاس تو صرف زم زم ہی تھا کہ اس سے میں اتنا موٹا ہو گیا ہوں کہ تمام کس بل نکل گئے اور میری ساری بھوک اور کمزوری جاتی رہی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: بلاشبہ زم زم بابرکت، پینے والے کے لیے مشروب اور کھانے والے کے لیے کھانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ (مسلم، ح ۲۴۷۳، کتاب فضائل الصحابہؓ، باب فضائل ابوذر غفاریؓ)۔ مسند البزار اور معجم طبرانی میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''یہ ہر بیمار کی بیماری کی شفا ہے''۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۷)

یومِ حشر کی پیاس

علمائے کرام نے اس حدیث پر عمل اور تجربہ بھی کیا ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے جب حج کیا اور وہ زمزم کے پاس آئے تو کہنے لگے: اے اللہ ابن ابی الموالی نے محمد بن منکدر سے اور انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زم زم اسی چیز کے لیے ہے جس کے لیے اسے نوش کیا جائے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں روز قیامت کی تشنگی اور پیاس سے بچنے کے لیے اسے پی رہا ہوں۔ (الدر المنثور، ج ۴، ص ۱۵۱، تفسیر سورۂ التوبہ، آیت: ۱۹-۲۰)

ابن قیمؒ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے علاوہ دوسروں نے بھی زم زم پی کر تجربہ کیا ہے کہ اس سے عجیب وغریب قسم کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں اور مجھے زم زم پینے سے سیرابی کے ساتھ کئی ایک بیماریوں سے شفا نصیب ہوئی اور الحمدللہ میں ان سے نجات حاصل کر چکا ہوں اور میں نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے کہ کئی ایک افراد نے زم زم کو پندرہ یوم سے بھی زیادہ ایام تک بطور غذا استعمال کیا تو انھیں بالکل بھوک محسوس تک نہیں ہوئی اور وہ لوگوں کے ساتھ مل کر طواف کرتے رہے۔ (زاد المعاد، ج ۴، ص ۲۹)

آبِ زم زم ایک زندہ جاوید معجزہ

حقیقت یہ ہے کہ آب زم زم اللہ کریم کا ایک زندہ جاوید معجزہ ہے اور اس پر جب بھی اور جتنی بھی تحقیق کی جائے کم ہے کیونکہ ہر مرتبہ انسان پر نئے راز آشکار ہوتے ہیں اور مزید روشن پہلو انسان کی عقل کو خیرہ کرتے ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

آب زم زم کا کنواں آج تک خشک نہیں ہوا اور اس نے ہمیشہ لاکھوں حجاج کرام اور زائرین کی پیاس بجھائی۔ اس میں موجود نمکیات کی مقدار ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ اس کے ذائقے میں آج تک کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی بلکہ روز اول سے آج تک اس کا وہی ذائقہ ہے۔ آب زم زم کی شفا بخشی کسی سے پوشیدہ نہیں بلکہ اپنے اور غیر سبھی اس کے معترف ہیں۔ آب زم زم وسیع پیمانے پر مکہ اور گردونواح میں استعمال کیا جاتا ہے بلکہ کسی زمانے میں رمضان شریف میں تو مسجد نبویؐ میں بھی آب زم زم مہیا کیا جاتا تھا۔ اب تو سال بھر مسجد حرام کی طرح مسجد نبویؐ میں بھی ہر

Marfat.com

شخص کے لیے وافر مقدار میں مہیا ہوتا ہے۔اس کے علاوہ دنیا بھر سے آنے والے زائرین حج اور عمرہ کے وقت اپنے ساتھ آب زم زم کے چھوٹے بڑے لاکھوں کین بھر کے لے جاتے ہیں۔

مکہ کا افتخار و اعزاز

آب زم زم اپنی اصلی حالت میں فراہم کیا جاتا اور اس میں کلورین سمیت کسی بھی قسم کے جراثیم کش کیمیکل کی آمیزش نہیں کی جاتی لیکن اس کے باوجود یہ پینے کے لیے سب سے بہترین مشروب ہے۔ دوسرے کنوؤں میں کائی جم جاتی ہے اور نباتاتی اور حیاتیاتی افزائش ہوتی ہے انواع واقسام کی جڑی بوٹیاں اور پودے اگ آتے ہیں یا کئی قسم کے حشرات بستے ہیں جس سے پانی کا رنگ اور ذائقہ متاثر ہوتا ہے، مگر آب زم زم دنیا کا واحد پانی ہے جو کسی بھی قسم کی نباتاتی یا حیاتیاتی افزائش اور آلائش سے پاک صاف ہے۔ ہزاروں برس پہلے نوزائیدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے جاری ہونے والا یہ چشمہ لاکھوں، کروڑوں لوگوں کی پیاس بجھانے کے باوجود آج بھی پہلے دن کی طرح پینے والوں کو حیات بخشتا ہے۔ بیت اللہ شریف کے مبارک وجود کے ساتھ یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جس پر مکہ شریف اور اہل مکہ ہمیشہ بجا طور پر نازاں وشاداں رہیں گے۔

آب زم زم پر تحقیق

جدید طبی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ آب زم زم میں ایسے اجزا معدنیات اور نمکیات موجود ہیں جو انسان کی غذائی اور طبی ضروریات کو بڑے اچھے طریقے سے پورا کرتے ہیں۔ حکومت سعودی عرب نے اس بات کا اہتمام کر رکھا ہے کہ ہر چار گھنٹے بعد زم زم کے پانی کا جدید لیبارٹریوں میں ہر لحاظ سے معائنہ کیا جاتا ہے۔ ان تحقیقات کے نتیجے میں آب زم زم کے بارے میں بے شمار انکشافات ہو رہے ہیں۔ آب زم زم کی کیمیائی تحقیقات اور طبی مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ اس میں وہ اجزا شامل ہیں جو معدہ، جگر، آنتوں اور گردوں کے لیے بالخصوص مفید ہیں۔

Marfat.com

آب زم زم اور عام پانی پر تحقیق

بن الصاحب المصری کہتے ہیں کہ میں نے آب زم زم کا وزن مکہ کے ایک چشمے کے پانی سے کیا تو میں نے زم زم کو اس سے ایک چوتھا حصہ وزنی پایا۔ پھر میں نے میزان طب کے حساب سے دیکھا تو اس کو تمام پانیوں سے طبی اور شرعی لحاظ سے افضل پایا۔

(گوگل، زم زم و یکی پیڈیا https://en.wikipedia.org/wiki/Zamzam_Well)

ایک ذاتی تجربہ

آبِ زم زم کے حوالے سے میرا ایک ذاتی تجربہ بھی بہت یادگار ہے۔ میرے دادا جان ١٩٣٢ء میں بحری جہاز کے ذریعے حج کے لیے گئے۔ حجاز مقدس تک سفر، پھر مکہ اور مدینہ میں قیام، مناسک حج سے فراغت اور واپسی میں تقریباً ایک سال صرف ہوا۔ وہ واپسی پر آبِ زم زم لوہے کی چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں لے کر آئے جو پوری طرح بند (Seal) تھیں۔ جب کبھی ضرورت ہوتی تو کوئی ڈبی کھول لی جاتی۔ ان میں سے آخری ڈبیہ ١٩٦٨ء میں کھولی گئی۔ میں اس زمانے میں پنجاب یونی ورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا۔ آبِ زم زم کے بارے میں کافی کچھ پڑھ، سن چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ڈبیہ میں پانی کی مقدار تھوڑی سی کم ہو چکی تھی۔ جب بند ڈبیہ کو ہلاتے تھے تو اندر پانی چھلکتا تھا، جس سے آواز پیدا ہوتی تھی۔ پانی کے رنگ اور ذائقے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ نہ ہی اس ڈبیہ کو کہیں زنگ لگا تھا۔ یہ تقریباً ٣٥، ٣٦ سال کا زمانہ بنتا ہے۔ اس پانی کا اپنی اصلی حالت میں اور تقریباً اتنی ہی مقدار میں موجود رہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ آبِ زم زم کا کمال اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عطا کردہ اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام

بنوجرہم کی آمد

حضرت اسماعیل علیہ السلام اوران کی والدہ سیدہ ہاجرہؓ آب زم زم کے چشمۂ صافی پر مقیم تھے۔اس عرصے میں قبیلہ بنوجرہم جووادی مکہ کے گردونواح میں آباد تھے، یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ چٹیل اور بے آب وگیاہ سرزمین کے اوپر پرندے منڈلارہے ہیں۔جہاں بھی پانی کا چشمہ پھوٹے توریگستانوں اور پہاڑوں میں پرندے اس کارخ کرتے ہیں۔بنوجرہم جب وہاں پرآئے توانھوں نے ماں اور بیٹے کی عظیم شان دیکھی۔وہ ان کے عقیدت مند بن گئے۔(البدایة والنهایة، ج ا،طبع دارابن حزم، بیروت،ص ۱۰۱)

حضرت اسماعیلؑ اوران کی والدہ سیدہ ہاجرہؓ کی خبرگیری کے لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی کبھی کبھارآیا کرتے تھے۔جب پہلی ہی بارآئے اورآب زم زم کو دیکھا توایک جانب اللہ کا شکرادا کیا اوردوسری جانب اس حیرت کا اظہار بھی کیا کہ ان سنگلاخ زمینوں سے یہ چشمہ کیسے پھوٹا۔مختصریہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بچپن سے لڑکپن میں داخل ہوئے تواللہ تبارک وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی زندگی کے سب سے بڑے امتحان میں ڈالا۔حکم ہوا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کومیری راہ میں ذبح کردو۔

ابتلائے عظیم

قرآن پاک میں یہ مضمون تفصیلاً بیان ہواہے۔اس لیے سب سے مستند بات یہی ہے جو کتاب اللہ نے بیان کی ہے۔قرآن پاک کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصافات میں ارشاد

Marfat.com

فرمایا:

وَ قَالَ اِنِّیۡ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرۡنٰہُ
بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعۡیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ
فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ
الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَ تَلَّہٗ لِلۡجَبِیۡنِ ﴿۱۰۳﴾ۚ وَ نَادَیۡنٰہُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾ۙ قَدۡ
صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا ۚ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡبَلٰٓؤُا
الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیۡنٰہُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ تَرَکۡنَا عَلَیۡہِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾ۖ سَلٰمٌ عَلٰۤی
اِبۡرٰہِیۡمَ ﴿۱۰۹﴾ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّہٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾
وَ بَشَّرۡنٰہُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ بٰرَکۡنَا عَلَیۡہِ وَ عَلٰۤی اِسۡحٰقَ ؕ وَ مِنۡ
ذُرِّیَّتِہِمَا مُحۡسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ مُبِیۡنٌ ﴿۱۱۳﴾ (الصافات ۳۷: ۹۹-۱۱۳)

ابراہیمؑ نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں، وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔ اے پروردگار! مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحین میں سے ہو۔ (اس دعا کے جواب میں) ہم نے اس کو ایک حلیم (بردبار) لڑکے کی بشارت دی۔ وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیمؑ نے اس سے کہا: بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا تو ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔ اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیمؑ پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے

Marfat.com

مومن بندوں میں سے تھا۔اور ہم نے اسے اسحاقؑ کی بشارت دی، ایک نبی صالحین میں سے اور اسے اور اسحاقؑ کو برکت دی۔اب ان دونوں کی ذرّیت میں سے کوئی محسن ہے اور کوئی اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔

ذبیح اللہ

ان آیات سے بالکل واضح ہے ذبیح اللہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں اس کے باوجود مورخین ان بحثوں میں الجھ گئے ہیں کہ مستشرقین اور یہود ونصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ ذبیح اللہ اسماعیلؑ نہیں، اسحاقؑ ہیں، غلط ہے اور اس کے لیے دلائل دینا شروع کر دیتے ہیں۔خیر غیر مسلموں کا جواب دینے کے لیے تو ان دلائل کی بڑی اہمیت ہے، مگر اہلِ اسلام کے نزدیک قرآن کے اس واضح ارشاد کی موجودگی میں کسی بحث ومباحثے کی ضرورت ہی نہیں :یہ ثابت ہے کہ اکلوتے بیٹے اسماعیل تھے اور اسحاق کی بشارت تو اسماعیل کی قربانی کے بعد دی گئی تھی۔ساتھ ہی قرآن پاک میں حضرت اسحاق کی بشارت کے وقت ان کے بیٹے یعقوب کی بھی خوش خبری سنادی گئی تھی۔پھر قربانی چہ معنی دارد؟

(البدایة والنہایة، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۱۰۴-۱۰۵)

اسحاقؑ و یعقوبؑ کی بشارت

وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَ امْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾ (ہود:۶۹-۷۳)

اور دیکھو ابراہیمؑ کے پاس ہمارے فرشتے خوش خبری لیے ہوئے پہنچے۔کہا: تم پر سلام ہو۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا: تم پر بھی سلام ہو۔پھر کچھ دیر نہ گزری کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا

Marfat.com

(ان کی ضیافت کے لیے) لے آیا، مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھتے تو وہ ان سے مشتبہ ہو گیا اور دل میں ان سے خوف محسوس کرنے لگا۔ انھوں نے کہا: ڈرو نہیں، ہم تو لوطؑ کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیمؑ کی بیوی بھی کھڑی ہوئی تھی، وہ یہ سن کر ہنس دی۔ پھر ہم نے اس کو اسحاقؑ کی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی خوش خبری دی۔ وہ بولی: ہائے میری کم بختی کیا اب میرے ہاں اولاد ہو گی جب کہ میں بڑھیا پھونس ہو گئی اور میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا: اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو، ابراہیمؑ کے گھر والو! تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں اور یقیناً اللہ نہایت ہی قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔

اسی طرح سورۃ الانبیاء میں ارشاد فرمایا:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ (الانبیاء ۲۱: ۷۲)

اور ہم نے اسے اسحاقؑ عطا کیا اور یعقوبؑ اس پر مزید، اور ہر ایک کو صالح بنایا۔

قرآن مجید کے ان محکم دلائل کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ملا ہو کیونکہ پیدائش کے ساتھ ہی آگے اس کی اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے بلکہ اس کے بیٹے کا نام بھی بتا دیا گیا ہے، تو پھر اس بحث کی کیا ضرورت ہے کہ ذبیح اللہ کون تھا؟ نہ کوئی الجھن ہے، نہ کوئی اشتباہ۔ عربوں کے ہاں اس قربانی کی یاد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تک قربانی کا تصور موجود تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باقاعدہ دین کا حصہ بنایا اور خود اس پر عمل کر کے اسے قیامت تک کے لیے سنت ثابتہ کا درجہ دے دیا۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

حضرت اسماعیلؑ کی ازدواجی زندگی

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بچپن

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش پھر مکہ کی وادی بے آب وگیاہ میں، اپنی والدہ کے ساتھ قیام اور آبِ زم زم کے واقعات پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں۔ اس فصل میں ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی روشنی میں آپؑ کی زندگی کے چند مزید گوشے نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جبیرؒ عن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی اور اہل وعیال کا پورا تذکرہ بیان ہوا ہے۔ ہم ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ساری زندگی جدوجہد میں گزری۔ ان کے بچپن کا حال تمام مورخین ومحدثین نے بیان کیا ہے۔ اللہ کے راستے میں ان کی قربانی کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۃ الصافات میں تفصیلاً آیا ہے۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑ کر واپس تو چلے گئے، مگر ان کے پاس وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ والدہ کی جانب سے نہ کوئی بھائی تھا نہ بہن۔ البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیگر بیٹے بھی تھے جو حضرت اسماعیل کے نسبی بھائی تھے۔ ان میں سب سے معروف حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح اللہ کے نبی بھی تھے۔ وہی بنی اسرائیل کے جدامجد ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے درمیان برادرانہ محبت بھی مثالی تھی اور باہمی رشتہ داری بھی تھی۔ آگے جا کر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد جو بنی

Marfat.com

اسرائیل کے نام سے معروف ہے، بنی اسماعیل کی سخت دشمن بن گئی اور جب آخری نبی بھی بنی اسماعیل میں مبعوث ہوئے تو ان ظالموں کی دشمنی دوآتشہ ہوگئی۔ ان کی نسبت تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ہے، مگر ان کا کردار ان کی عظیم شخصیت سے قطعاً کوئی لگا نہیں کھاتا۔

حضرت یعقوبؑ کا نام اسرائیل

اسرائیل یعنی (عبداللہ) حضرت یعقوب کا دوسرا نام ہے۔ آپؑ حضرت اسحاق کے بیٹے تھے۔ قرآن مجید میں بیش تر مقامات پر ان کا معروف نام یعقوبؑ مذکور ہے۔ تاہم سورۂ آلِ عمران میں اس نام سے بھی ان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ ہم سورہ آلِ عمران کی آیت، اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کررہے ہیں:

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٣﴾

(آلِ عمران ٣:٩٣)

کھانے کی یہ ساری چیزیں (جو شریعت محمدی میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال کی تھیں، البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں جنھیں تورات کے نازل کیے جانے سے پہلے اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے خود اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ ان سے کہو: اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو تو لاؤ تورات اور پیش کرو اس کی کوئی عبارت۔

اسرائیل سے مراد اگر بنی اسرائیل لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ نزولِ تورات سے قبل بعض چیزیں بنی اسرائیل نے محض رسماً حرام قرار دے لی تھیں اور اگر اس سے مراد حضرت یعقوبؑ لیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنجناب نے بعض چیزوں سے طبعی کراہت کی بنا پر یا کسی مرض کی بنا پر احتراز فرمایا تھا اور ان کی اولاد نے بعد میں انھیں ممنوع سمجھ لیا۔ یہی موخر الذکر روایت زیادہ مشہور ہے اور بعد والی آیت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ اونٹ اور خرگوش وغیرہ کی حرمت کا جو حکم بائبل میں لکھا ہے وہ اصل تورات کا حکم نہیں ہے بلکہ یہودی علما نے بعد میں

Marfat.com

اسے داخلِ کتاب کر دیا۔ (تفہیم القرآن، جلد اوّل، سورۂ آلِ عمران، حاشیہ ۷۷، ص ۲۷۳)

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو بنو جرہم کے درمیان وہ بہت معزز شمار ہوتے تھے۔ آبِ زم زم انھی کی سلسبیل تھی اور انھی کے تصرف میں تھی۔

بنو جرہم کی مکہ آمد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن سے لے کر جوانی تک کے تمام واقعات مجتمع کیے گئے ہیں۔ اسی حدیث میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ازدواجی زندگی کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو جرہم کے لوگ [پانی کی تلاش میں] چشمۂ زم زم کے قریب آئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہؑ کو وہاں مقیم پایا تو ان سے وہاں قیام کی اجازت مانگی۔ حضرت ہاجرہؑ خود چاہتی تھیں کہ وہاں کوئی بستی آباد ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ بنو جرہم کا پورا قبیلہ اس مقدس خاندان سے بہت عقیدت و محبت رکھتا تھا۔

اس واقعہ سے حضرت ہاجرہؑ کی شان کا بھی پتا چلتا ہے جو اللہ نے ان کو عطا فرمائی تھی۔ وہ اس مقام پر اپنے معصوم بچے کے ساتھ اکیلی قیام پذیر تھیں۔ اس دور کے معاشروں میں قوت کے بل بوتے پر کسی چیز پر قبضہ کر لینا عام معمول تھا۔ حضرت ہاجرہؑ کے پاس بظاہر کوئی قوت نہیں تھی، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی تائید حاصل تھی۔ اسی وجہ سے بنی جرہم نے اپنی ساری قوت کے باوجود آبِ زم زم پر قبضہ کرنے کی بجائے ان سے پانی کے استعمال اور وہاں قیام کی بصد ادب و احترام اجازت طلب کی۔ آپؑ خود چاہتی تھیں کہ وہاں کوئی بستی آباد ہو جائے۔ اس لیے آپؑ نے اس قبیلے کو بخوشی وہاں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ بنو جرہم کا پورا قبیلہ خاندانِ نبوت کا عقیدت مند بن گیا۔

پہلی شادی

جب مکہ میں کئی گھر بن گئے اور اس عرصے میں اسماعیل علیہ السلام بھی جوان ہو گئے تو انھوں نے

Marfat.com

بنوجرہم کے سرداروں سے بہت قریبی دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ آپؑ کی مادری زبان عربی نہ تھی جبکہ بنوجرہم عرب تھے۔ آپ نے عربی زبان قبیلہ بنوجرہم کے لوگوں سے سیکھی اور اپنی جوانی ہی سے ان کی نگاہ میں معزز و محترم قرار پائے۔ قبیلہ بنوجرہم کے لوگ ان سے محبت کرنے لگے اور اپنے خاندان کی ایک لڑکی ان سے بیاہ دی۔ بعض روایات کے مطابق اس لڑکی کا نام عمارہ بنت سعد بن اسامہ بن اُکیل تھا جو بنوعمالیق میں سے تھی۔ (البدایة والنهایة، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۱۲۷)۔

[اسی عرصے میں] حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کا انتقال ہوگیا۔ جب اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تو اپنے معمول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل وعیال کو دیکھنے آئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت اپنے گھر میں نہ تھے، انھوں نے اپنی بہو سے پوچھا: اسماعیل کہاں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: وہ روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تمھارا گزارہ کیسے ہوتا ہے؟ انھوں نے شکایت کی اور کہا کہ بہت زیادہ تنگی سے وقت گزر رہا ہے (نحن بشر، نحن فی ضیق و شِدَّة)۔ ساتھ ہی بہت ساری اور مشکلات بھی بیان کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمھارے شوہر آجائیں تو ان کو میرا اسلام کہنا اور ان سے کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں (قُولِیْ لَهٗ یُغَیِّرُ عَتَبَةَ بَابِهٖ)۔

والد کی نصیحت اور بیٹے کی اطاعت

یہ پیغام دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس روانہ ہوگئے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو انھوں نے کچھ محسوس کیا اور اہلیہ سے پوچھا: کیا تمھارے پاس کوئی مہمان آیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں ایک بزرگ آئے تھے، انھوں نے آپ کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو بتا دیا، پھر انھوں نے ہماری زندگی کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو بتادیا کہ ہم لوگ بڑی مشقت اور بڑی پریشانی میں ہیں۔ یہ سن کر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کیا انھوں نے تمھیں کسی چیز کی وصیت بھی کی تھی؟ بیوی نے کہا: ہاں، انھوں نے حکم دیا کہ میں آپ کو سلام کہہ دوں اور یہ بھی کہا کہ

Marfat.com

آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو تبدیل کر دیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد تھے اور انھوں نے اپنے اس پیغام میں مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اپنے سے جدا کر دوں، لہٰذا تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس بیوی کو طلاق دے دی [اس سے ابھی کوئی اولاد نہ ہوئی تھی]۔

دوسری شادی

پھر آپؑ نے قبیلہ بنو جرہم کی دوسری لڑکی سے شادی کر لی، اس کا نام سیدہ بنت مضاض بن عمرو الجرہمی تھا۔ اس بیوی سے آپؑ کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کے نام بھی ابن کثیر نے بیان کیے ہیں: (۱) نابت، (۲) قیدر، (۳) اذبل، (۴) میشی، (۵) مسمع، (۶) ماش، (۷) دُما، (۸) اذر، (۹) یطور، (۱۰) نبش، (۱۱) طیما اور (۱۲) قیذ ما۔ ان بارہ بھائیوں کی ایک ہی بہن تھی، جس کا نام نسمہ بنت اسماعیل تھا۔ آپؑ نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھائی اسحاقؑ بن ابراہیمؑ کے بیٹے العیس بن اسحاق سے کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد مکانی کے باوجود دونوں بھائیوں کے درمیان باہمی تعلقات بہت مضبوط اور قریبی تھے۔ ابن کثیر کے مطابق حضرت اسماعیل کے دو نواسے بہت معروف ہوئے۔ ایک کا نام الروم تھا، دوسرے کا نام الیونان تھا۔ (ایضاً)۔

ابراہیم علیہ السلام اللہ کے اذن اور حکم کے مطابق ہی سفر کیا کرتے تھے۔ آپؑ نے اس وقت تک مکہ کی طرف اگلا سفر نہ کیا جب تک اللہ نے اذن نہ دیا۔ پھر ایک زمانے کے بعد تشریف لائے، تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اب بھی گھر پر موجود نہیں تھے، لہٰذا ان کی بیوی کے پاس گئے اور ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق سوال کیا۔ ان کی اہلیہ نے کہا کہ وہ روزی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا سوال کیا کہ تمھارے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں؟ بہو نے جواب دیا: اللہ کا شکر ہے ہم لوگ خیر و عافیت سے ہیں اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی (نحن بخير وسعة، واثنت على الله عزّ وجل)۔ یہ جواب سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خوش ہوئے اور پھر دوسرا سوال کیا کہ تمھارا طعام کیا ہے؟ بہو نے جواب دیا: گوشت۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تمھارا مشروب کیا ہے؟ بہو نے جواب دیا [زمزم کا] پانی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا

Marfat.com

دی اور کہا: اَللّٰھُمَّ بارک لھم فی اللحم و الماء۔ اے اللہ ان لوگوں کے لیے گوشت اور پانی میں برکت دے۔ یہاں تک گفتگو کرنے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس روز اس گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، اگر کوئی اور چیز بھی ہوتی تو اس کے لیے بھی وہ برکت کی دعا کرتے۔

دوسری نصیحت

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: [یہ اس عظیم خاتون کی عظمت اور صبر و شکر کی اعلیٰ مثال تھی] حالانکہ اس وقت ان کے پاس گھر میں خوراک کا ایک دانہ بھی نہ تھا۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے ان کے اکل و شرب میں برکت کی دعا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں میاں بیوی کے صبر و توکل اور دعائے خلیل کی وجہ سے مکہ میں ہر چیز فراوانی سے پائی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رخصت ہوتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اہلیہ سے فرمایا: جب تمھارے شوہر آجائیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور ان کو میری طرف سے حکم پہنچا دینا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھیں۔

آج بھی جب اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو اپنی بیوی سے سوال کیا: کیا تمھارے پاس کوئی مہمان آیا تھا؟ ان کی بیوی نے جواب دیا کہ ہاں ایک اچھی شکل و صورت والے بہت پیارے بزرگ آئے تھے اور ان کی خوب تعریف کی۔ انھوں نے مجھ سے آپ کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو جواب دے دیا۔ پھر انھوں نے سوال کیا کہ ہماری زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ تو میں نے ان کو بتایا کہ ہم لوگ خیر و عافیت سے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ سن کر خوش ہوئے اور اپنی بیوی سے پوچھا: کیا انھوں نے تمھیں کوئی وصیت بھی کی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ انھوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ برقرار رکھیں (ھو یقرأ علیک السلام و یامرک ان تُثْبِتَ عَتَبَۃَ بَابِکَ)۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرے والد حضرت ابراہیمؑ تھے اور چوکھٹ تم ہو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھیں اپنے پاس رکھوں۔ (البدایۃ و النھایۃ، ج ۱ طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۱۲۷)۔

Marfat.com

بیت اللہ کی تعمیر

اس سفر کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق انتظار کیا اور جب اذن ربانی ملا تو کچھ عرصے کے بعد تشریف لائے۔ اس مرتبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ ہی میں تھے اور زم زم کے قریب درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر درست کر رہے تھے۔ جب انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو دل بہت خوش ہوا۔ وہ ان کی جانب محبت اور احترام سے بڑھے اور پھر اس طرح ان کا استقبال کیا جس طرح ایک بیٹا اپنے باپ کا خیر مقدم کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ان سے ایسا سلوک کیا جیسا ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے اسماعیل مجھے اللہ نے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا: آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے اس کو کر ڈالیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم میری مدد کرو گے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں بالکل کروں گا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہاں مجھے ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے اور اونچے ٹیلے اور اس کے ارد گرد کی جانب اشارہ کیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں پیغمبرانِ خدا نے بیت اللہ کی دیواروں کو اٹھایا، اسماعیل علیہ السلام پتھر لا رہے تھے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو ایک پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑا ہونے کے لیے رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے جاتے تھے اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر دیتے جا رہے تھے۔ اس دوران وہ دونوں باپ بیٹا یہ دعا کر رہے تھے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. (البقرۃ ۲:۱۲۷)۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری جانب سے اس کو قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، النسلانُ فی المشی، ص ۵۶۱-۵۶۳، حدیث ۳۳۶۴، دارالاسلام، للنشر والتوزیع، الریاض، فتح الباری، ج ۶، کتاب احادیث الانبیاء، النسلانُ فی المشی، ص ۴۷۸-۴۸۱، دارالسلام، ریاض)

Marfat.com

تعمیر کعبہ عظیم سعادت

تعمیرِ کعبہ اپنی جگہ ایک بہت عظیم کارنامہ ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کا تذکرہ اتنی شرح وبسط کے ساتھ آیا ہے کہ اس کو پڑھتے ہوئے قاری یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ ان دو عظیم ہستیوں کے ساتھ جو معمارانِ کعبہ ہیں خود بھی اس کارِ خیر میں شریک ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر بلاشبہ بہت بڑا اعزاز ہے اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمان حکمرانوں نے یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے توسیع حرمین کا عظیم الشان کام سرانجام دیا ہے۔ تعمیر کعبہ کا تفصیلی بیان اگلے باب میں دیا جا رہا ہے۔

پیکرِ صبر وشکر خاتون!

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی پہلی بیوی بھی نیک اور پاک دامن تھی، مگر صبر وشکر اور قناعت کے اس مقام پر نہیں تھی جو اس گھر کا طرۂ امتیاز رہا۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی تسلیم ورضا کی تو مثال بھی تاریخ میں شاذ و نادر ہی مل سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے کے گھر بھی ایسی خاتون ہو جو ان سنہری روایات کی پاسداری کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا اہتمام کر دیا۔ ان کی دوسری بیوی صبر وقناعت اور شکر وحمد باری کے ضمن میں ایک مثالی خاتون تھیں۔ پہلی بیوی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کوئی اولاد ثابت نہیں ہے۔ البتہ اس دوسری بیوی سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہوئی جسے اللہ نے بہت زیادہ برکات سے نوازا۔ انھی میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اولادِ اسماعیل علیہ السلام کے تفصیلی حالات اگلے صفحات میں تعمیر کعبہ کے بعد ملاحظہ فرمایئے۔ (صحیح بخاری، کتاب: احادیث الانبیاء، باب: يَزِفُّوْنَ [الصافات: ۹۴] النسلان فی المشی، حدیث: ۳۳۶۴، البدایة والنهایة، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۱۲۶-۱۲۷، سیرة النبویة، لابن کثیر، تحقیق مصطفیٰ عبدالماجد، دارالمعرفة، بیروت، ص ۵۶-۵۷، تاریخ الرسل والملوک، ۱/۱۸۹، ذکر خبر اولاد اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

بیت اللہ کی تعمیر

اللہ کا پہلا گھر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ کرۂ ارضی پر اللہ کا پہلا گھر مکہ معظمہ میں موجود خانہ کعبہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾ (آلِ عمران ۳:۹۶-۹۷)

بے شک پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کا مقامِ عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا امون ہو گیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے ترانۂ ملی میں کیا خوب کہا ہے:

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

اسی طرح سورۂ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

Marfat.com

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ (البقرۃ ۲:۱۲۵)

اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو، اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

انبیا، بیت اللہ کے معمار

اس گھر کی تعمیر اللہ کے دو عظیم المرتبت نبیوں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کی ہدایت اور اس کے حکم کے مطابق کی۔ باپ بیٹا تعمیر میں لگے ہوئے تھے اور اللہ کی رحمتیں ان کی طرف متوجہ تھیں۔ اس گھر کی عظمت کے کیا کہنے جس کے معمار انبیاء اللہ ہوں! اس گھر کی تعمیر مکمل ہوجانے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ لوگوں کو پکاریں کہ اللہ کا گھر تعمیر ہوگیا ہے اب اس کی طرف ہر جانب سے پورے ذوق وشوق کے ساتھ حج کے لیے رختِ سفر باندھو۔ اس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے اور آگے بھی مزید تفصیل کے ساتھ قرآن کے الفاظ میں عرض خدمت کیا جارہا ہے۔ تعمیر کعبہ کا تذکرہ قرآن پاک میں یوں ہوا:

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۲۹﴾ (البقرۃ ۲:۱۲۷-۱۲۹)

اور یاد کرو، ابراہیمؑ، اور اسماعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے، تو دعا کرتے

Marfat.com

جاتے تھے: اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا، جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے رب! ان لوگوں میں خود انھی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو، جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

حج اور شعائر اللہ

خانہ کعبہ کی تعمیر جب مکمل ہو چکی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دو برگزیدہ پیغمبروں کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشا تو ارشاد ہوا:

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْــًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْقَآىِٕمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ (الحج ۲۲:۲۶-۳۳)

یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کی ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے

Marfat.com

والوں اور قیام اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو، اور لوگوں کو حج کے لیے اِذن عام دے دو کہ وہ تمھارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں، تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں، اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں، خود بھی کھائیں اور تنگ دست ومحتاج کو بھی دیں، پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

بتوں کی گندگی سے بچو

یہ تھا (تعمیر کعبہ کا مقصد) اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لیے بہتر ہے۔ اور تمھارے لیے مویشی جانور حلال کیے گئے، ماسوا ان چیزوں کے جو تمھیں بتائی جا چکی ہیں۔ پس بتوں کی گندگی سے بچو، جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو، یکسو ہو کر اللہ کے بندے بنو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا آسمان سے گر گیا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔ یہ ہے اصل معاملہ (اسے سمجھ لو) اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ تمھیں ایک وقتِ مقرر تک ان (ہدی کے جانوروں) سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے، پھر ان (کے قربان کرنے) کی جگہ اسی قدیم گھر کے پاس ہے۔

دعائے خلیل اللہ علیہ السلام

اس وادیٔ بے آب وگیاہ میں اپنی اولاد [بنو اسماعیل] کو آباد کرنے کی غایت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہی بیان کی کہ وہ نماز قائم کریں اور اس مرکزِ توحید کو آباد رکھیں۔ ان کی گزر اوقات کے لیے بھی اللہ سے دعا کی۔ بت پرستی اور شرک سے اللہ کی پناہ طلب کی۔ ساتھ ہی اللہ کے انعامات پر اس کا شکر ادا کیا اور آخر میں ایک جامع دعا کی:

Marfat.com

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ
الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ
وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ
ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ
تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا
نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۸﴾
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾
رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ
وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ (ابراہیم ۱۴: ۳۵-۴۱)

امن کا گہوارا

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے دعا کی تھی کہ ''پروردگار، اس شہر (یعنی مکہ) کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار، ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے (ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کردیں، لہٰذا ان میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔ پروردگار، میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں، لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کو پھل دے، شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔ پروردگار، تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ اور واقعی اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے، نہ زمین میں نہ آسمانوں میں۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ جیسے بیٹے دیے، حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے۔ اے میرے پروردگار، مجھے نماز قائم کرنے

Marfat.com

والا بنا اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اٹھا جو یہ کام کریں)۔ پروردگار، میری دعا قبول کر۔ پروردگار، مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کر دیجیو جبکہ حساب قائم ہوگا۔

آنکھوں میں آنسو، دل میں سوز و گداز

وہ دن اور آج کا دن اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو ایسا شرف بخشا کہ اربوں انسان ان خشک اور چٹیل پہاڑوں کے درمیان آباد اس گھر کی طرف یوں دیوانہ وار کھینچے چلے آتے ہیں کہ لبوں پہ تلبیہ، تحمید و تقدیس اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ آنکھوں میں آنسو اور دلوں میں اعلیٰ درجے کا گداز انھیں ہر چیز سے لاتعلق بنا کر اللہ کی محبت سے سرشار کر دیتا ہے۔ یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ اس ایمان افروز سفر کا تسلسل تا قیامت یونہی جاری وساری رہے گا اور اس گھر کی رونقیں زمانے کے ہر تغیر و تبدل سے بے نیاز یونہی جوبن پہ رہیں گی۔ یہ امن کا گہوارہ اور اخوت و محبت کا عالم گیر مرکز ہے۔ جو بھی یہاں آئے وہ خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگاتا ہے، مقام ابراہیمؑ پر تشکر کے نفل ادا کرتا ہے۔ پھر حضرت ہاجرہؓ کے نقشِ پا پہ دوڑتا ہے اور آب زم زم سے اپنی روحانی و جسمانی پیاس بجھاتا ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر پہلے ہوئی تھی یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ پہلے رونما ہوا تھا۔ ہماری رائے میں قربانی کا واقعہ پہلے کا ہے، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام ابھی بالکل نوخیز بچے تھے، جبکہ خانہ کعبہ کی تعمیر ان کی بھرپور جوانی کے دور میں ہوئی، جب وہ بھاری پتھر اٹھا کر اپنے والد گرامی قدر کو پکڑاتے تھے۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۱۰۷-۱۰۹، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۵۲،)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

خانہ کعبہ میں اصنام

شیطان کی چال

خانہ کعبہ کی تعمیر اللہ کے دو برگزیدہ نبیوں نے کی۔ یہ توحید کی علامت کے طور پر اللہ کی زمین پر صدیوں تک جگمگاتا رہا۔ اولادِ اسماعیلؑ اور دیگر عرب دینِ ابراہیمی پر گامزن رہے۔ پہلی بار خانہ کعبہ کے تقدس کو بتوں سے مجروح کرنے والا شخص تاریخ میں عمرو بن لحیّ کے نام سے معروف ہے۔ اس بدترین حرکت کی پٹی شیطان نے اسے پڑھائی تھی۔ شیطان روزِ اول سے بنی نوع آدم کو گمراہ کرنے میں سرگرم رہا ہے۔ تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ شیطان اس سردار کے ساتھ طوافِ بیت اللہ کے دوران شریک ہوگیا اور جب یہ لَبَّیک اللّٰھُمَّ لبیک، لاشریک لک لبیک پکار رہا تھا تو شیطان نے جو ایک بہت بوڑھے شیخ کی صورت میں نظر آرہا تھا، اسے شرکیہ کلمات ادا کرنے پر آمادہ کرلیا۔ شیطان ہی کے زیر اثر اس شخص نے خانہ کعبہ کے اندر بھی اور اس کے باہر بھی بت سجا دیے۔ اسی کے دور میں کئی اور جاہلی رسومات نے بھی جڑ پکڑی، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

قدیم بت

کہا جاتا ہے کہ یہ شخص ۳۴۰ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ شیطان نے اس کے ساتھ اپنے چیلوں کو لگا دیا تھا۔ انھی کے زیر اثر نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاؑ کے دور کے مشرکین کے بت بھی عرب میں لا کر رکھ دیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر آدم علیہ السلام کے پانچ صالح بیٹے یا پوتے پڑپوتے تھے۔ سب سے پہلے وَدّ فوت ہوا تو پوری قوم پر غم کی چادر تن گئی۔

Marfat.com

اس کی قبر پر لوگ مسلسل جمع ہونے لگے۔ اس منظر کو بھی دیکھ کر شیطان نے ایک انسانی شکل میں ان کو گمراہ کیا۔ اس کی تصویر کے مطابق پتھر کا ایک بت بنایا اور اسے اس کی قبر پر نصب کر دیا۔ اسی طرح دیگر صلحا کی وفات پر بھی اس نے یہی کام کیا، تا آنکہ حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام مبعوث ہوئے اور انھوں نے ان بتوں کا بطلان واضح کیا۔ قرآن پاک میں اس کا تذکرہ یوں ملتا ہے:

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّ لَا یَغُوْثَ وَ یَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ۬ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِیْٓــٴٰـتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ (نوحؑ ۷۱: ۲۱-۲۸)

حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی دعا

نوحؑ نے کہا: اے میرے رب، انھوں نے میری بات رد کر دی ہے اور ان (رئیسوں) کی پیروی کی جو مال اور اولاد پا کر اور زیادہ نامراد ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا ہے۔ انھوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، اور نہ چھوڑو وَدّ اور سُواع کو، اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔ انھوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور تو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقی نہ دے۔

اپنی خطاؤں کی بنا پر ہی وہ غرق کیے گئے اور آگ میں جھونک دیے گئے، پھر انھوں نے اپنے لیے اللہ سے بچانے والا کوئی مددگار نہ پایا۔ اور نوحؑ نے کہا، ''میرے رب، ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے

Marfat.com

بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور سخت کافر ہی ہوگا۔ میرے رب، مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے، اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے، اور ظالموں کے لیے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ ہو۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی یہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی۔ جب اللہ نے اس قوم کو تباہ کرنے کا فیصلہ فرما لیا تو کافروں میں سے کوئی فرد بشر حتّٰی کہ نوح علیہ السلام کا کافر بیٹا اور کافر بیوی بھی سیلاب کی زد میں تباہ و برباد ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد جو لوگ بچے وہ اولاد آدم میں سے صرف وہی تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اسی وجہ سے آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

صفا و مروہ پر بت

اسی پر بس نہیں اساف اور نائلہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے بت جو صفا مروہ پر نصب تھے، وہ دونوں مرد و خاتون بدکاری کے جرم میں سنگسار کیے گئے تھے یا اللہ کی طرف سے پکڑ کے نتیجے میں ان کی شکلیں مسخ کر کے ان کو پتھر بنا دیا گیا تھا۔ ابن ہشام اپنی سیرت میں ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ دونوں مرد و زن بنو جرہم میں سے تھے۔ اِساف بن بُغی اور نائلہ بنت دِیک نے خانہ کعبہ کے اندر بدکاری کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا دیا۔ ابن اسحٰق نے عبداللہ بن ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور انھوں نے عمرۃ بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ سے سنا کہ وہ فرماتی تھیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے سنا: "ہم مسلسل سنتے چلے آ رہے ہیں کہ اِساف اور نائلہ ایک مرد اور عورت تھے، جن کا تعلق بنو جرہم سے تھا۔ انھوں نے خانہ کعبہ میں اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کی شکلیں مسخ کر دیں اور انھیں پتھر بنا دیا۔ واللہ اعلم۔" بدبخت مشرکین نے ان کو بتوں کا درجہ دے کر الوہیت کا مقام دے دیا۔
(سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۸۲)

Marfat.com

بتوں کا خاتمہ، شیطان کی مہلت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا تو اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت سجے ہوئے تھے۔ آپؐ کے دور میں تمام بتوں کو ملیامیٹ کیا گیا۔ لات وعزیٰ، منات اور دیگر تمام قبائل کے اصنام یکے بعد دیگرے منہدم کیے گئے۔ جزیرہ نمائے عرب میں جب مکمل توحید آ گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اب اس کے بعد اس خطے میں قیامت تک بت پرستی کا کوئی امکان نہیں۔ البتہ شیطان کو اس کے مطالبے پر اللہ نے قیامت تک مہلت دے رکھی ہے، اس لیے اس کی خباثتیں جاری رہیں گی۔ شیطان ترغیب وترہیب اور دیگر حیلوں بہانوں سے اہلِ ایمان کو راستے سے بھٹکانے کے لیے سرگرم عمل رہے گا۔ یہ بات تاریخ کے ہر دور کے لوگوں نے دیکھی اور آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ شیطان کا مقابلہ ایمان کی قوت اور اللہ کی نصرت وحفاظت ہی سے ممکن ہے۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۲۰-۲۱)

مزید بتوں کا تذکرہ

ابن ہشام اپنی سیرت میں بابائے تاریخ ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یمن کے شاہی خاندان بنوحمیر کی شاخ بنوذوالکلاع کے قبیلے نے اپنے علاقے میں جو بت نصب کیا اس کا نام نَسر تھا۔ یہ گویا اسی بت کی تجدید تھی جو نوح علیہ السلام کے زمانے سے مشرکین کے ہاں الوہیت کے مقام پر فائز کیا گیا تھا۔ اسی طرح ایک بت عم انس کے نام سے معروف تھا۔ یہ بنوخولان کے علاقے میں نصب تھا۔ ان لوگوں کا طریقِ کار یہ تھا کہ وہ اپنے جانوروں اور فصلوں میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کرتے اور کچھ بت کا۔ اللہ کے حصے میں سے کوئی چیز بت کے حصے میں چلی جاتی تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی چیز بت کے نذرانے میں سے اللہ کے حصے میں داخل ہو جاتی تو اسے فوراً واپس کرتے۔ بنوخولان کو بنواُدیم بھی کہا جاتا ہے۔ انھی لوگوں کا تذکرہ قرآن پاک میں آیا ہے:

Marfat.com

بت پرستوں کے شیطانی معیار

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ (الانعام ۶:۱۳۶)

ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے لیے ہے، بزعمِ خود، اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے۔ پھر جو حصہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا، مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ!

ابن ہشام نے مزید بیان کیا ہے کہ خولان عمرو بن الحاف بن قضاعہ کا بیٹا ہے۔ ایک رائے کے مطابق اس کا سلسلہ کہلان بن سبا سے جا ملتا ہے۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۸۰-۸۱)

سعد کا بت

سعد نامی ایک بت بنو ملکان بن کنانہ بن مدرکہ نے اپنے جنگل میں ایک لمبی چٹان کے اوپر سجا رکھا تھا۔ اب ان بتوں کے بارے میں اگرچہ یہ مشرکین الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے، مگر حقیقت میں یہ عقیدہ ریت کا قلعہ تھا۔ چھوٹی موٹی بات ہو جاتی تو وہ ان بتوں پر نہ صرف لعن طعن کرتے بلکہ ان پر پتھر بھی برساتے اور جوتوں کی بارش بھی کر دیتے۔ جھوٹ بہرحال جھوٹ ہوتا ہے خواہ اس پر جتنی بھی ملمع کاری کر دی جائے۔ ابن ہشام نے اس بت کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے۔

اس بت کے لیے مشرکین قربانیاں کرتے تو ان کا خون اس کے اوپر ڈال دیتے تاکہ قربانی قبول ہو جائے۔ یہ خون جمتے جمتے بالآخر ایسی شکل اختیار کر گیا کہ بت بہت خوف ناک اور

Marfat.com

بھیانک نظر آنے لگا۔ بنوملکان کا ایک شخص اپنے اونٹوں کے لیے برکت حاصل کرنے کی خاطر اونٹوں کا گلہ ہانک کر اس بت کے پاس لے گیا۔ اونٹ اس خوف ناک منظر کو دیکھ کر بدک کر بھاگے اور اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ اونٹوں کے مالک کو اپنے ''خدا'' پر سخت غصہ آیا۔ ایک پتھر اٹھایا اور بت کو لعن طعن کرتے ہوئے اس کو دے مارا۔ پھر اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلا اور بڑی مشکل سے ان کو اکٹھا کیا۔ اس موقع پر اس مشرک کی زبان سے بھی جو اشعار نکلے ان میں سے دو شعر ملاحظہ فرمایئے:

ایک مشرک اور ادراکِ حق

اَتَیْنَا اِلٰی سَعْدٍ لِیَجْمَعَ شَمْلَنَا
فَشَتَّتَنَا سَعْدٌ فَلَا نَحْنُ مِنْ سَعْدِ
وَهَلْ سَعْدُ اِلٰی صَخْرَةٌ بِتَنُوفَةٍ
مِنَ الْاَرْضِ لَاتَدْعُوْا لِغَيٍّ وَّلَا رُشْدِ

ہم نے سعد بت کے پاس حاضری دی تاکہ ہماری منتشر قوتوں کو متحد کر دے، مگر سعد نے تو ہماری پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ اب سعد کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ اور سعد کی حقیقت ہی اس کے سوا کیا ہے کہ زمین کے اوپر ایک چٹان ہے۔ وہ نہ کسی کو راستہ دکھا سکتا ہے اور نہ ہی راستے سے بھٹکا سکتا ہے، (وہ محض ایک بے بس بت ہے)۔

ان اشعار سے بالکل واضح ہے کہ مشرکین کی زبان سے بھی وقتاً فوقتاً حق بات نکل جاتی تھی، اگرچہ پھر وہ اپنی اسی ڈگر پر واپس پلٹ جاتے تھے۔ اس کا خاتمہ تو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ نے کیا اور مکمل توحید سے اہلِ عرب وعجم کے دلوں کو روشناس ومنور فرمایا۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۸۱)

مختلف قبائل کے بتوں کا تذکرہ مورخین نے تفصیلاً کیا ہے۔ اکثر بتوں کا حال ہماری کتاب رسولِ رحمتؐ تلواروں کے سائے میں جلد چہارم میں مذکور ہے۔ جن صحابہ کی ذمہ داریاں

Marfat.com

ان کو منہدم کرنے کے لیے لگائی گئی تھیں، انھوں نے پوری جرأت وصلابت کے ساتھ ان کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ یہاں اختصار کے ساتھ ہم ابن ہشام کے بیان کردہ بعض قبائل کے بتوں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

ہبل قریش کا الٰہ

ہبل قریش کا بت تھا جو ان کے عقیدے کے مطابق انھیں جنگوں میں فتح سے ہم کنار کرتا تھا۔ جنگ احد میں اسی لیے ابوسفیان نے اُعْلُ ھُبل (ہبل سربلند رہے) کا نعرہ لگایا تھا۔ اس کے جواب میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَعَزّ یعنی علو اور عزت اللہ ہی کی شان ہے۔

عزّیٰ

یہ ایک مورتی تھی جو نخلہ کے مقام پر نصب تھی۔ قریش اور بنو کنانہ نے اسے نصب کیا تھا۔ اس کی مجاوری وخبر گیری کے لیے بنو ہاشم کے حلیف قبیلے بنو سُلیم کی ایک شاخ بنو شیبان کا انتخاب کیا گیا تھا۔ وہی اس کے مجاور ومتولی تھے۔ اس بت پر جب جانوروں کی قربانی اور نذرانہ پیش کیا جاتا تھا تو موجود لوگوں میں گوشت بلا امتیاز تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

لات

یہ بنو ثقیف کا بت تھا۔ اس کے انہدام کا واقعہ بھی تفصیلاً رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں (جلد چہارم) میں بیان ہو چکا ہے۔ دیگر بتوں میں منات، ذوالخلصہ، فلس، رُضا، ذوالکعبات اور رئام کا ذکر بھی ابن ہشام نے اپنی سیرت میں کیا ہے۔ ان میں سے منات کو اوس وخزرج نے قبل از اسلام اپنا معبود بنا رکھا تھا جبکہ ذوالخلصہ دوس، خثعم اور بُجیلہ کا مرکز عقیدت تھا۔ جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے منہدم کیا تھا۔ فلس بنو طے کے دو پہاڑوں کے درمیان نصب کیا گیا تھا اور بنو طے اس کے پجاری تھے۔ رُضا بنو ربیعہ بن کعب کا خود ساختہ خدا تھا۔ ذوالکعبات بنو بکر و بنو تغلب کا بت تھا۔ یہ سندات کے مقام پر تھا جو مکہ معظمہ سے کوفہ جاتے ہوئے سات دن کی مسافت پر ایک شہر آتا تھا۔ اس بت پر ایک شاندار محل بنایا گیا

Marfat.com

تھا، جس کی جانب کئی مشرک قبائل حج کی نیت سے آتے تھے۔ ربام صنعا کے مشہور شہر میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ نصب کیا گیا تھا۔ قبیلہ حمیر اور یمن کے تمام باشندے اس کا طواف کرتے اور اس پر نذر و نیاز چڑھاتے۔ ہم نے اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کر دیا ہے ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۸۳-۸۹)۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

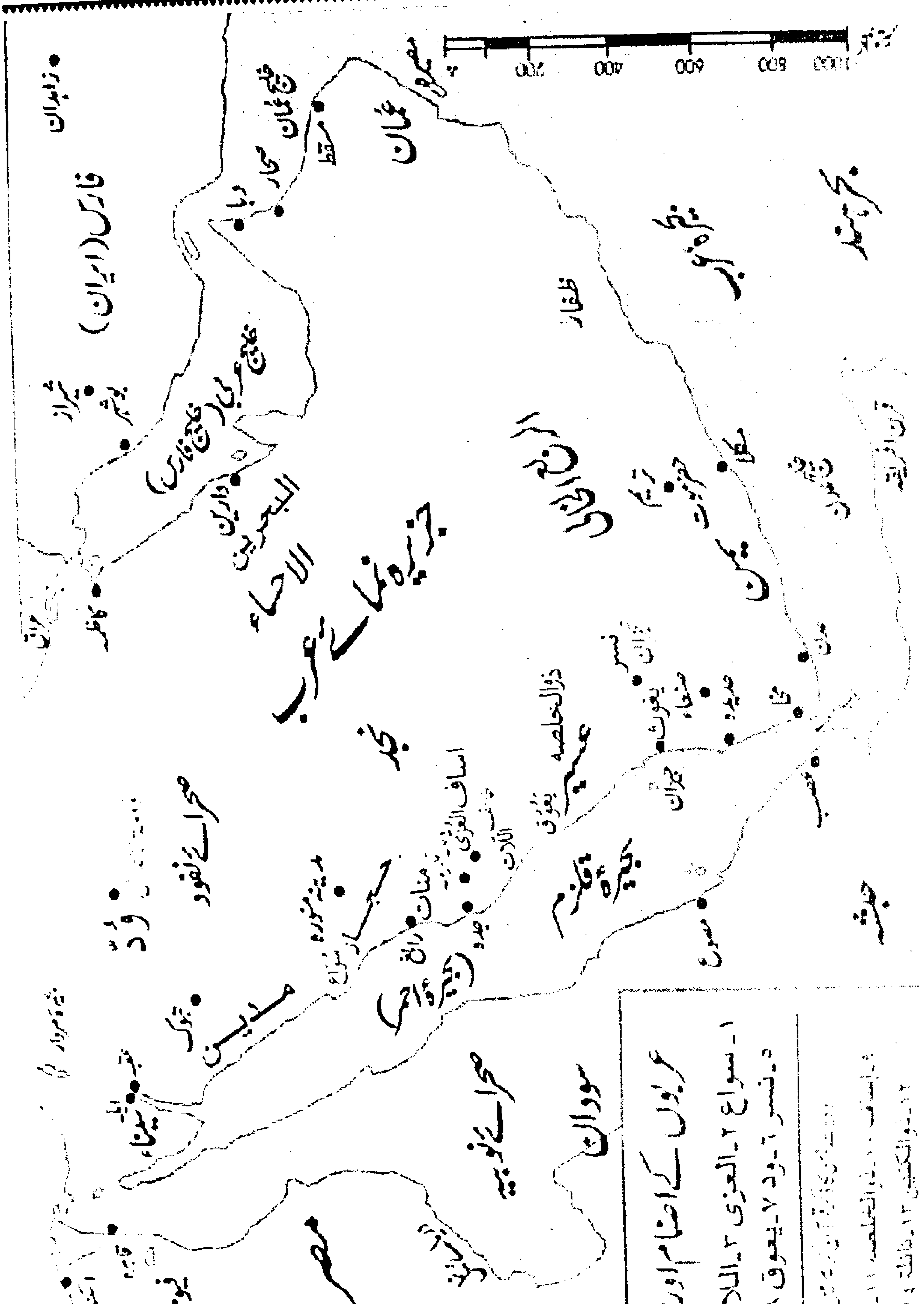

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۵۸)

Marfat.com

بت پرستی کا تاریخی پس منظر

بت پرست معاشرہ

سلسلہ انبیا میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسم گرامی نمایاں ہے۔ آپ نے ایک بت پرست قوم میں آنکھ کھولی۔ آپ کا والد نہ صرف بت پرست تھا، بلکہ معتبر روایات کے مطابق وہ بت گر بھی تھا، یعنی بت بناتا اور انھیں بت پرست قوم کے درمیان فروخت کرتا تھا۔ اس کا نام قرآن میں آزر بیان ہوا ہے۔ وہ بادشاہ کے دربار میں بھی اعلیٰ منصب پر فائز تھا۔ بت پرست و بت گر باپ کے گھر میں آنکھ کھولنے والے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بت شکن بنا کر دنیا میں بھیجا۔ آپ نے اپنے باپ سے خطاب کرتے ہوئے بت پرستی کی کھل کر مذمت کی۔ قرآن پاک میں اس عظیم ابراہیمی کردار کا تذکرہ کئی مقامات پر آیا ہے۔

گھر سے دعوت کا آغاز

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوری قوم اور نظامِ حکومت کو للکارنے سے قبل نہایت ہی حکیمانہ انداز میں اپنے گھر سے دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الانعام ٦: ٧٤)

ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جبکہ اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا: کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔

ان آیات کو تمام مفسرین نے مکہ کے ان حالات پر منطبق کیا ہے جو اس وقت اللہ کے آخری

Marfat.com

نبی، حضور پرنور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درپیش تھے۔ انھوں نے بھی اپنی قوم کو متنبہ کیا کہ ان کے اس طرزِ عمل کا ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ اور نظریات سے کوئی تعلق نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو اوپر بیان کردہ سورۂ الانعام کی آیت میں جس طرح گمراہی پر متوجہ کرتے ہوئے راہِ ہدایت کی دعوت دی اسی طرح سورۂ مریم میں بھی ان کا اپنے والد کے ساتھ مکالمہ تفصیلاً آیا ہے۔ آپؑ کے اس مکالمے کا ذکر قرآن کے الفاظ میں یوں بیان ہوا ہے:

تفصیلی مکالمہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ (مریم ۱۹:۴۱-۴۵)۔

اور اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو، بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔ (انھیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ "اباجان، آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کے کوئی کام بنا سکتی ہیں؟ اباجان، میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اباجان، آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اباجان، مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمٰن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔"

جاہلانہ دھمکی اور اس کا حکیمانہ جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس گفتگو میں دلیل بھی ہے، دردِ دل بھی اور انتہا درجے کی خیرخواہی و ہمدردی بھی۔ اس کے جواب میں ان کے باپ نے اپنے باطل عقیدے کے حق میں کوئی معقول

Marfat.com

دلیل پیش کرنے یا سوچ بچار کرنے کی بجائے جاہلانہ انداز میں سخت دھمکی آمیز گفتگو کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکایا۔ اس کا جواب تھا:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ٘ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ (مریم ۱۹:۴۶-۴۸)

باپ نے کہا ابراہیم، کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔'' ابراہیمؑ نے کہا، سلام ہے آپ کو۔ میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے، میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنھیں آپ لوگ خدا کے علاوہ پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہ رہوں گا۔

قرآن کی ان آیات کو پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ بندۂ مومن دلیل سے بات کرتا ہے جبکہ کفر کے علمبردار نخوت و تکبر کے ساتھ جاہلانہ دھمکیوں پر اتر آتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہر بات دلیل و برہان کے ساتھ کرتے تھے اور ان کی قوم بشمول ان کے والد محض اوہام کے پیچھے دوڑی پھرتی تھی۔ جب ان سے کوئی جواب نہ بن پڑتا تو ڈرانے دھمکانے کے گھسے پٹے طریقے اپنانے کی ہٹ دھرمی پر اتر آتے۔ سیرت النبیؐ کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری ہر قدم پر محسوس کرتا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی قوم نے اذیتیں پہنچانے اور حق کا راستہ روکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آپ کو دھمکیاں دی گئیں، معاشرتی، معاشی اور سماجی بائیکاٹ کیا گیا، قتل کے منصوبے بنائے گئے اور ہر طرح دھمکانے کی کاوشیں ہوئیں، مگر اللہ کے نبی اپنے راستے پر دلجمعی کے ساتھ ڈٹے رہے۔ نہ کبھی دعوت کا کام چھوڑا، نہ کسی سودے بازی پر تیار ہوئے۔ تا آنکہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے ہجرت اور غزوات کے مرحلوں کے بعد آپؐ کے مخالفین کو ملیامیٹ کر دیا اور اسلام کا جھنڈا پورے جزیرہ نمائے عرب اور پھر پوری دنیا میں لہرانے لگا۔

ابراہیم بت شکن

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بت خانے میں گھس کر تمام بتوں کو توڑ دیا اور کلہاڑا سب سے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ قرآن پاک میں دو مقامات پر یعنی سورۂ الانبیاء اور سورۂ الصافات میں تفصیلاً آیا ہے۔ ان دونوں مقامات کی آیات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بت پرستوں کے پاس اپنے بتوں کے دفاع اور اپنے شرک کے جواز کے لیے کوئی دلیل نہ رہی تو انھوں نے اندھی قوت کا استعمال کیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم شاہی کے تحت آگ میں جلا ڈالنے کا حکم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی بنا دیا۔ سورہ الانبیاء میں ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖؗ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ (الانبیاء ۲۱: ۵۱-۵۹)

اس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی ہوش مندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو وہ موقع جبکہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ ''یہ مورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو؟'' انھوں نے جواب دیا ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا۔'' اس نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمھارے باپ دادا بھی صریح گمراہی

Marfat.com

میں پڑے ہوئے تھے۔" انھوں نے کہا" کیا تو ہمارے سامنے اپنے اصلی خیالات پیش کر رہا ہے یا مذاق کرتا ہے؟" اس نے جواب دیا" نہیں بلکہ فی الواقع تمھارا رب وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کا رب اور ان کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس پر میں تمھارے سامنے گواہی دیتا ہوں اور خدا کی قسم میں تمھاری غیر موجودگی میں ضرور تمھارے بتوں کی خبر لوں گا۔" چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (انھوں نے آکر بتوں کا یہ حال دیکھا تو) کہنے لگے "ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بڑا ہی کوئی ظالم تھا وہ۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوت استدلال

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قوم میں واحد نوجوان تھے جو بتوں کی مذمت کھلے عام کیا کرتے تھے۔ اس لیے سبھی لوگ پکار اٹھے کہ یہ اسی نوجوان کا کیا دھرا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے نام سے موسوم ہے:

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُؕ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُؕ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَۙ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا یَضُرُّكُمْؕ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ (الانبیاء ۲۱: ۶۰-۶۷)

(بعض لوگ) بولے" ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیمؑ ہے۔" انھوں نے کہا" تو پکڑ لاؤ اسے سب کے سامنے تاکہ لوگ دیکھ لیں (اس کی کیسی خبر لی جاتی ہے)۔" (ابراہیمؑ کے آنے پر) انھوں نے پوچھا" کیوں ابراہیم تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟" اس نے جواب دیا" بلکہ یہ سب کچھ ان

Marfat.com

کے اس سردار نے کیا ہے، ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔'' یہ سن کر وہ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے'' واقعی تم خود ہی ظالم ہو۔'' مگر پھر ان کی مت پلٹ گئی اور بولے'' تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔'' ابراہیمؑ نے کہا'' پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمھیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تُف ہے تم پر اور تمھارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟''

نارِ نمرود اور ابراہیمؑ حنیف

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مقدمے میں پیشی کے موقع پر بھی بلاخوف وخطر اپنی بات پوری دلیل اور اطمینان کے ساتھ بت پرست قوم کے سامنے رکھ دی۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ اس پر سنجیدگی وشعور سے غور کرتے، انھوں نے بعجلت تمام ایک احمقانہ فیصلہ سنا دیا:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ (الانبیاء ۲۱:۶۸-۷۰)

انھوں نے کہا'' جلا ڈالو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمھیں کچھ کرنا ہے۔'' ہم نے کہا'' اے آگ، ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔'' وہ چاہتے تھے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کریں۔ مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کر دیا۔

عشق اور عقل

ان آیات پر علامہ اقبال کے بعض اشعار خوب روشنی ڈالتے ہیں۔ اس سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے عشقِ حقیقی اور عقل کے پیمانوں سے ہر چیز کو ماپنے والوں کی دوں ہمتی کا بھی پتا چلتا ہے:

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

Marfat.com

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اور

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی اندازِ گلستاں پیدا

نوح علیہ السلام کا جانشین

سورۃ الصافات میں اس مضمون کو آیت نمبر ۸۳ تا ۹۹ میں بیان کیا گیا ہے:

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ
مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ
نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ
فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا
اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا
ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ
قَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ (الصافات ۳۷: ۸۳-۹۹)

اور نوحؑ ہی کے طریقے پر چلنے والا ابراہیمؑ تھا۔ جب وہ اپنے رب کے حضور قلب سلیم لے کر آیا۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا ”یہ کیا چیزیں ہیں جن کی تم عبادت کر رہے ہو؟ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟ آخر رب العالمین کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے؟“

پھر اس نے تاروں پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا میری طبیعت خراب ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے پیچھے وہ چپکے سے ان کے معبودوں کے مندر میں گھس گیا اور بولا ”آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں ہیں؟ کیا ہو گیا، آپ لوگ بولتے بھی نہیں؟“ اس کے

Marfat.com

بعد وہ ان پر پل پڑا اور سیدھے ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں۔ (واپس آ کر) وہ لوگ بھاگے بھاگے اس کے پاس آئے۔ اس نے کہا ''کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنھیں تم بناتے ہو۔'' انھوں نے آپس میں کہا کہ ''اس کے لیے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔'' انھوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی، مگر ہم نے انھی کو نیچا دکھا دیا۔ (بتوں کی مذمت تو حضرت ابراہیمؑ نے بار بار کی، مگر یہ واقعہ قرآن پاک میں دو مقامات پر تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ اسی طرح سورۃ الشعراء میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی زبانی علی الاعلان بتوں سے برأت کا اظہار کیا گیا ہے۔)

ایوان اقتدار میں بیٹھے بت کا مقابلہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مٹی اور پتھر کے بتوں کو توڑا تو ان کا سامنا اس بت سے ہوا جو انسانوں کی گردنوں پر مسلط ایوان اقتدار میں بیٹھا خود کو رب کہلاتا تھا۔ آج کل بہت سے مواحدین مٹی اور پتھر کے بتوں پر تو کلہاڑے چلاتے ہیں، مگر اس بت کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں جو ایوانِ اقتدار میں بیٹھا لوگوں کی قسمت کے فیصلے کرتا ہے۔ چاہے تو کسی کو وزارت وسفارت سے نواز دے، چاہے تو کسی کو جیل میں ڈال دے اور موت کے گھاٹ اتار دے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب اس بت کے سامنے گئے تو اس نے ابراہیم علیہ السلام سے بحث وتکرار کی۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ نے نمرودی دربار میں ابراہیم حنیف کی پیشی اور سوال وجواب کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾ (البقرۃ ۲:۲۵۸)

Marfat.com

کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیمؑ کا رب کون ہے، اور اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ ''میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے'' تو اس نے جواب دیا: ''زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے''۔ ابراہیمؑ نے کہا: ''اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا سے مغرب سے نکال لا''۔ یہ سن کر وہ منکرِ حق ششدر رہ گیا، مگر اللہ ظالموں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں تذکرہ گزر چکا ہے، ظالم جب لاجواب ہو گیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا الاؤ تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر ظلم کی تمام حدیں پھلانگتے ہوئے فرمانِ شاہی جاری ہوا کہ ابراہیمؑ کو اس آگ میں پھینک دیا جائے۔ آگ اللہ کے حکم سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی بن گئی اور ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام حقیقی معنوں میں بت شکن تھے۔ آپؑ کے بعد آپؑ کے عظیم سپوت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی دھرتی پر موجود ہر بت کو پاش پاش کیا، خواہ وہ خاندانی نخوت وتکبر کا بت تھا یا قومی عصبیت وتفاخر کا۔ نام نہاد سپر طاقتوں کی صورت میں قیصر وکسریٰ کی خدائی کے دعوے تھے یا عرب کی دھرتی پر فرعون صفت سرداران قبائل، سبھی کی خدائی مٹی اور پتھر کے بتوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے زمین بوس ہو گئی اور حق کا غلبہ اور باطل کی پسپائی پوری دنیا نے دیکھ لی۔ قرآن کے الفاظ میں: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۱)۔ اور اعلان کر دو کہ ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔''

--❀--❀--❀--

Marfat.com

دعوت ابراہیمؑ و محمدؐ میں مماثلت

سورۂ انعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات پر سید مودودیؒ نے جو تفسیری حاشیے لکھے ہیں وہ ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں: ''یہاں حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کا ذکر اس امر کی تائید اور شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت سے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے شرک کا انکار کیا ہے اور سب مصنوعی خداؤں سے منہ موڑ کر صرف ایک مالکِ کائنات کے آگے سر اطاعت خم کر دیا ہے اسی طرح کل یہی کچھ ابراہیم علیہ السلام بھی کر چکے ہیں۔ اور جس طرح آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں سے ان کی جاہل قوم جھگڑ رہی ہے اسی طرح کل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ان کی قوم یہی جھگڑا کر چکی ہے۔ اور کل جو جواب حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو دیا تھا آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیرووں کی طرف سے بھی ان کی قوم کو وہی جواب ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس راستے پر ہیں جو نوحؑ اور ابراہیمؑ اور نسلِ ابراہیمؑ کے تمام انبیا کا راستہ رہا ہے۔ اب جو لوگ ان کی پیروی سے انکار کر رہے ہیں انھیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ وہ انبیا کے طریقے سے ہٹ کر ضلالت کی راہ پر جا رہے ہیں۔

راہِ حق کے راہی اور باطل پرست

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ عرب کے لوگ بالعموم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے تھے۔ خصوصاً قریش کے تو فخر و ناز کی ساری بنیاد ہی یہ تھی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے تعمیر کردہ خانۂ خدا کے خادم ہیں۔ اس لیے ان کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدۂ توحید کا اور شرک سے ان کے انکار اور مشرک قوم سے ان کی نزاع کا ذکر کرنے کے معنی یہ تھے کہ

Marfat.com

قریش کا سارا سرمایہ فخر وناز اور کفارِ عرب کا اپنے مشرکانہ دین پر سارا اطمینان ان سے چھین لیا جائے، اور ان پر ثابت کر دیا جائے کہ آج مسلمان اس مقام پر ہیں جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور تمھاری حیثیت وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لڑنے والی جاہل قوم کی تھی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدوں اور قادری النسب پیرزادوں کے سامنے حضرت شیخ کی اصل تعلیمات اور ان کی زندگی کے واقعات پیش کر کے یہ ثابت کر دے کہ جن بزرگ کے تم نام لیوا ہو، تمھارا اپنا طریقہ بالکل ان کے خلاف ہے اور تم نے آج انھی گمراہ لوگوں کی حیثیت اختیار کر لی ہے جن کے خلاف تمھارے مقتدا تمام عمر جہاد کرتے رہے۔''

(تفہیم القرآن، ج اول، سورۃ الانعام، حاشیہ ۵۰، ص ۵۵۲-۵۵۳)

تمدنی حالات

مولانا مودودیؒ سورۃ الانعام کی ان آیات کی مزید تشریح کرتے ہوئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اس معاشرے کا جامع تجزیہ پیش کرتے ہیں جس سے کئی رموز واسرار آشکار ہوتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں: ''اس مقام کو اور قرآن کے ان دوسرے مقامات کو جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم کی نزاع کا ذکر آیا ہے، اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے مذہبی وتمدنی حالات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ جدید اثری تحقیقات کے سلسلہ میں نہ صرف وہ شہر دریافت ہو گیا ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، بلکہ دورِ ابراہیمی میں اس علاقے کے لوگوں کی جو حالت تھی اس پر بھی بہت کچھ روشنی پڑی ہے۔ سر لیونارڈ وولی (Sir Leonard Woolley) نے اپنی کتاب (*Abraham*, London, 1935) میں اس تحقیقات کے جو نتائج شائع کیے ہیں ان کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

طبقاتی تقسیم

اندازہ کیا گیا ہے کہ ۲۱۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں، جسے اب عام طور پر محققین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں، شہر اُر کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی اور

Marfat.com

بعید نہیں کہ پانچ لاکھ ہو۔ بڑا صنعتی و تجارتی مرکز تھا۔ ایک طرف پامیر اور نیلگری تک سے وہاں مال آتا تھا اور دوسری طرف اناطولیہ تک سے اس کے تجارتی تعلقات تھے۔ جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اس کے حدود موجودہ حکومتِ عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھے۔ ملک کی آبادی بیشتر صنعت و تجارت پیشہ تھی۔ اس عہد کی جو تحریرات آثارِ قدیمہ کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطۂ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا۔ دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسایش فراہم کرنا ان کا سب سے بڑا مقصدِ حیات تھا۔ سُودخواری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ سخت کاروباری قسم کے لوگ تھے۔ ہر ایک دُوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور آپس میں بہت مقدمہ بازیاں ہوتی تھیں۔ اپنے خداؤں سے ان کی دعائیں زیادہ تر درازیِ عمر، خوش حالی اور کاروبار کی ترقی سے متعلق ہوا کرتی تھیں۔ آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی:

(۱) عَمیلو: یہ اونچے طبقے کے لوگ تھے جن میں پُجاری، حکومت کے عہدے دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔

(۲) مِشکینو: یہ تجار، اہلِ صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔

(۳) اَردو۔ یعنی غلام۔

ان میں سے پہلے طبقے، یعنی عَمیلو کو خاص امتیازات حاصل تھے۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے، اور ان کی جان و مال کی قیمت دُوسروں سے بڑھ کر تھی۔

یہ شہر اور یہ معاشرہ تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں۔ ان کا اور ان کے خاندان کا جو حال ہمیں تلمُود میں ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عَمیلو طبقے کے ایک فرد تھے اور ان کا باپ ریاست کا سب سے بڑا عہدے دار تھا۔ (دیکھو سورۂ البقرہ، حاشیہ نمبر ۲۹۰)

جھوٹے خداؤں کی بھرمار

اُر کے کتبات میں تقریباً ۵ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جو رَبُّ البلد، یا رئیس الآلہہ سمجھا جاتا تھا اور اس کا

Marfat.com

احترام دُوسرے معبودوں سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُر کا ربّ البلد ''نَنار'' (چاند دیوتا) تھا اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام ''قمرینہ'' بھی لکھا ہے۔ دُوسرا بڑا شہر لرسہ تھا جو بعد میں اُر کے بجائے مرکزِ سلطنت ہوا۔ اس کا رب البلد ''شماش'' (سُورج دیوتا) تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے اور کم تر زمین سے منتخب کیے گئے تھے اور لوگ اپنی مختلف فروعی ضروریات ان سے متعلق سمجھتے تھے۔ ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنالی گئی تھیں اور تمام مراسمِ عبادت انھی کے آگے بجالائے جاتے تھے۔

''ننار'' کا بُت اُر میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت میں نصب تھا۔ اسی کے قریب ''ننار'' کی بیوی ''نن گل'' کا معبد تھا۔ ننار کے مَعبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پوجارن جا کر اس کی دُلہن بنتی تھی۔ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیت دیوداسیوں (Religious Prostitutes) کی سی تھی۔ وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو ''خدا'' کے نام پر اپنی بکارت قربان کردے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو ''راہِ خدا'' میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کے لیے ذریعۂ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ اب یہ بیان کرنا کچھ ضروری نہیں کہ اس مذہبی قحبہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پوجاری حضرات ہی ہوتے تھے۔

ننار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار، سب سے بڑا تاجر، سب سے بڑا کارخانے دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ، مکانات اور زمینیں اس مندر کے لیے وقف تھیں۔ اس جائیداد کی آمدنی کے علاوہ کسان، زمیندار، تجار سب ہر قسم کے غلے، دُودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لاکر مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنھیں وصول کرنے کے لیے مندر میں ایک بہت بڑا اسٹاف موجود تھا۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔ تجارتی کاروبار بھی بہت بڑے پیمانے پر مندر کی طرف سے ہوتا تھا۔ یہ سب کام دیوتا

Marfat.com

کی نیابت میں پوجاری ہی انجام دیتے تھے۔ پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی۔ پوجاری اس کے جج تھے اور ان کے فیصلے "خدا" کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی ننار ہی سے ماخوذ تھی۔ اصل بادشاہ ننار تھا اور فرماں روائے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔ اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداؤں کی مانند اس کی پرستش کی جاتی تھی۔

نمرود کی وجہ تسمیہ

اُر کا شاہی خاندان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں حکمران تھا، اس کے بانی اول کا نام اُرنمو تھا جس نے ۲۳۰۰ برس قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی۔ اس کے حدودِ مملکت مشرق میں سوسہ سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُسی سے اس خاندان کو "نمو" کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرود ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد اس خاندان اور اس قوم پر مسلسل تباہی نازل ہونی شروع ہوئی۔ پہلے عیلامیوں نے اُر کو تباہ کیا اور نمرود کو ننار کے بُت سمیت پکڑ لے گئے۔ پھر لرسہ میں ایک عیلامی حکومت قائم ہوئی جس کے ماتحت اُر کا علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا۔ آخر کار ایک عربی النسل خاندان کے ماتحت بابل نے زور پکڑا اور لرسہ اور اُر دونوں اس کے زیرِ حکم ہو گئے۔ ان تباہیوں نے ننار کے ساتھ اُر کے لوگوں کا عقیدہ متزلزل کر دیا کیونکہ وہ ان کی حفاظت نہ کر سکا۔

موسوی شریعت کے آثار

تعین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ بعد کے ادوار میں حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کا اثر اس ملک کے لوگوں نے کہاں تک قبول کیا۔ لیکن ۱۹۱۰ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ حمورابی (بائیبل کے اُمرافیل) نے جو قوانین مرتب کیے تھے وہ شہادت دیتے ہیں کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی تدوین میں مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کی ہوئی روشنی کسی حد تک ضرور کارفرما تھی۔ ان قوانین کا مفصل کتبہ ۱۹۰۲ بعد مسیح میں ایک فرانسیسی منقش آثارِ قدیمہ کو ملا اور اس کا انگریزی ترجمہ G.H.W.

Marfat.com

John نے ۱۹۰۳ بعد مسیح میں (The Oldest Code of Law) کے نام سے شائع کیا۔ اس ضابطۂ قوانین کے بہت سے اُصول اور فروع موسوی شریعت سے مشابہت رکھتے ہیں۔

نمرود کی نخوت

اب تک کی اثری تحقیقات کے نتائج اگر صحیح ہیں تو ان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بُت پرستانہ عبادات کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ درحقیقت اس قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام اسی عقیدے پر مبنی تھا۔ اس کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی جو دعوت لے کر اٹھے تھے اس کا اثر صرف بتوں کی پرستش ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی معبودیت اور حاکمیت، پوجاریوں اور اونچے طبقوں کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی حیثیت، اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اُس کی زد میں آجاتی تھی۔ اُن کی دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اُوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیڑ ڈالی جائے اور اسے ازسرنو توحیدِ الٰہ کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کی آواز بلند ہوتے ہی عوام اور خواص، پوجاری اور نمرود سب کے سب بیک وقت اس کو دبانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔" (ایضاً، حاشیہ ۵۲، ص ۵۵۳-۵۵۶)

بت پرستی سے اللہ کی پناہ

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے والد سے اپنی تبلیغ و دعوت کے کام کا آغاز کیا۔ باپ سے خطاب کا تذکرہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بعد میں آنے والے انبیائے کرام کے ادوار میں بھی بت پرستی اور شرک نے کئی رنگ اختیار کیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ انسان کو شیطان کس طرح ورغلاتا ہے اور کیسے راہِ ہدایت سے ہٹا کر شرک اور بت پرستی کا رسیا بنا دیتا ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور اپنی آل کو وہاں آباد کرنے کے موقع پر آپؑ نے اللہ سے جو دعا مانگی وہ بھی اس جانب پوری طرح اشارہ کرتی ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ

Marfat.com

الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ (ابراہیم ۱۴: ۳۵-۳۶)

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ "پروردگار، اس شہر (یعنی مکہ) کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار، ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے (ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کردیں، لہٰذا ان میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

عاد وثمود اور مدین

قوموں کی بدبختی

قرآن پاک میں جن مشرک اور باغی قوموں کا بتکرار تذکرہ ہوا ہے، ان میں عاد وثمود اور مدین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ، اصحاب الاخدود (گڑھے والے، جنھوں نے اہلِ ایمان کو آگ کے گڑھوں میں جلا ڈالا تھا)، اصحاب الرس (ان کا تذکرہ سورۃ الفرقان اور سورۂ قٓ میں آیا ہے۔ رس عربی زبان میں اندھے کنوئیں کو کہتے ہیں۔ اس بدبخت قوم نے اپنے وقت کے پیغمبر کو اندھے کنوئیں میں لٹکا کر مار ڈالا تھا۔)، اصحاب الایکہ (یہ حضرت شعیب کی قوم کا حصہ تھا۔ مدین کے مرکزی شہر کے بعد یہ دوسرا بڑا شہر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تبوک کا پرانا نام ایکہ تھا، جس کے لغوی معنی گھنے جنگل کے ہیں)، اصحاب الحجر (الحجر قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا۔ گویا یہ حضرت صالح علیہ السلام کی مخاطب قوم تھی)، قوم تبع (یمنی قبیلہ حمیر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔)، قوم لوط اور فراعنۂ مصر کا تذکرہ بھی کئی مقامات پر آیا ہے۔

ان قوموں کی طرف اللہ کے نبی مبعوث ہوئے اور انھوں نے دعوت کا حق ادا کیا، مگر ان بدبخت قوموں کے سرداران اور عوام نے دعوتِ حق کو ٹھکرا دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام پر بھی بہت کم لوگ ایمان لائے تھے اور ان انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کی تعداد بھی قلیل تھی۔ اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم کے سامنے ایک ہی دعوت پیش کی اور وہ اللہ کی توحید، آخرت پر ایمان اور معاملات کی درستگی تھی۔ ان بدبخت قوموں نے کامیابی کا راستہ چھوڑ کر ناکامی وتباہی کی روش اپنائی اور اپنے برے انجام سے دوچار ہوئیں۔

Marfat.com

دعوتِ حق کی یکسانیت

ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام میں سے چند ایک کا قرآن کریم میں بھرپور تعارف کرایا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نبی نے اپنی دعوت کا خلاصہ جو پیش کیا وہ یہی تھا: یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ۔ (الاعراف ۷: ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵) یعنی اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام سبھی نے قرآن کے الفاظ میں یہی دعوت اپنی قوموں کے سامنے پیش کی۔ جن انبیا کا قرآن پاک میں نام لے کر تذکرہ نہیں کیا گیا، ان سب کی بھی یہی تعلیم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ۔ (النساء ۴: ۶۴) یعنی ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

تذکیر اور یاددہانی

یہ مضمون قرآن پاک میں جگہ جگہ موقع محل کی مناسبت سے تذکیر و یاددہانی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ الانبیاء میں ارشاد فرمایا:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ (الانبیاء ۲۱: ۲۵)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

سورۂ الشعراء میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام، سبھی کی قوموں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے باطل مذہب کو چھوڑ کر حق قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان تمام انبیا کی دعوت یہ تھی: اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ۚ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی

Marfat.com

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الشعراء ۲۶: ۱۰۷ تا ۱۰۹/ ۱۲۵ تا ۱۲۷/ ۱۴۳ تا ۱۴۵/ ۱۶۲ تا ۱۶۴/ ۱۷۸ تا ۱۸۰) میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمے ہے۔

قوم عاد کا جواب

ان تمام اقوام نے کسی نہ کسی صورت میں بت پرستی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے دھمکیاں دیں اور کہا کہ ہمارے بتوں کی تم پر مار پڑ گئی ہے۔ ہم اپنے بتوں کو کسی صورت نہیں چھوڑیں گے۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ (ہود ۱۱: ۵۳-۵۴)

انھوں نے جواب دیا: ''اے ہودؑ، تو ہمارے پاس کوئی صریح شہادت لے کر نہیں آیا ہے اور تیرے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے، اور تجھ پر ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔'' ہود علیہ السلام نے جواب میں کہا: ''میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھیرا رکھا ہے ان سے میں بیزار ہوں۔''

قوم ثمود کا رویہ

صالح علیہ السلام کی قوم نے انھیں ان کی دعوت پر یوں جواب دیا:

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ (ہود ۱۱: ۶۲)

انھوں نے کہا ''اے صالحؑ، اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی

Marfat.com

توقعات وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ تو جس طریقے کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال رکھا ہے۔''

قوم شعیب کی بغاوت

شعیب علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں ان کی قوم نے رعونت اور سرکشی اختیار کرتے ہوئے دینِ حق قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا جواب یہ تھا:

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿٨٧﴾ (ہود ۱۱: ۸۷)

انھوں نے جواب دیا ''اے شعیبؑ، کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گیا ہے!''

اہلِ حق و باطل کا موازنہ

سابقہ انبیا اور ان کی قوموں کے یہ واقعات قرآن و حدیث اور سیرت و تاریخ میں اس وجہ سے بیان ہوئے ہیں کہ ان کے اندر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے لیے ایک ڈھارس اور امید کا پیغام ہے اور معاندینِ حق کے لیے سرزنش، انذار اور عبرت کا سامان ہے۔ مکہ معظمہ کے جس بت پرست معاشرے میں اللہ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اس میں بت پرستی جوبن پر تھی۔ اللہ کے نام پر بننے والے مقدس گھر بیت اللہ شریف کے اندر بھی ۳۶۰ بت سجائے گئے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سابقہ قوموں کا عبرت ناک انجام بیان کرنے کے بعد عرب کے اس بت پرست معاشرے کو بھی انذار و تذکیر کے ذریعے آنکھیں کھولنے اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر حق کے سامنے سرنگوں ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین

Marfat.com

اور سابقہ انبیائے کرام کا انکار کرنے والے معاشرے اپنی ذہنیت کے لحاظ سے کم وبیش ایک ہی جیسی کیفیت میں مبتلا تھے۔ حق پرستوں کی سوچ و ذہنیت بھی ہمیشہ ایک جیسی رہی ہے اور باطل پرست بھی ہر دور میں مختلف خیالات رکھنے کے باوجود ایک ہی ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں۔

مشرکینِ عرب

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر مشرکینِ عرب کی ہٹ دھرمی اور اپنی بت پرستی پر قائم رہنے کی ضد کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم صرف ایک آیت یہاں نقل کر رہے ہیں۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴ (المائدہ ۵:۱۰۴)

”اور جب ان (مشرکینِ عرب) سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس قانون کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ اللہ کے رسولؐ کی طرف تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کیے چلے جائیں گے، خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستے کی انھیں خبر ہی نہ ہو؟“

شرک جلی وخفی

پس سیرت کے ابواب میں اہلِ علم نے ان واقعات کو اسی نقطۂ نظر سے جگہ دی ہے۔ ہم نے بھی اختصار کے ساتھ ان واقعات کا احاطہ کیا ہے اور پیشِ نظر تذکیر ہی ہے، کیونکہ آج کا نام نہاد مسلمان معاشرہ بھی بہت سی ایسی صورتوں کا شکار ہے جنھیں شرکِ جلی اور شرکِ خفی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ قبر پرستی اور پیر پرستی کے ساتھ ساتھ اہلِ اقتدار اور طاغوتی قوتوں کی معصیت الٰہی میں غیر مشروط اطاعت سبھی شرک کی صورتیں ہیں۔ ان سب سے خطرناک خواہشات نفس کے بت کی پوجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ سورۃ الفرقان میں فرمایا:

Marfat.com

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (الفرقان ۲۵:۴۳)

کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنالیا ہو؟ تم ایسے شخص کو راہِ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟

سورہ الجاثیہ میں فرمایا:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (الجاثیہ ۴۵:۲۳)

پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خدا بنالیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعداب اور کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟

اللہ تعالیٰ ہم کو خالص توحید اپنانے اور قرآن وسنت کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور شرک کی ہر جلی وخفی برائی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھے۔ آمین!

--❀--❀--❀--

Marfat.com

بنی اسرائیل میں بت پرستی

حکمرانی سے غلامی تک

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جد الانبیا ہیں۔ آپ کے بعد آنے والے اکثر و بیشتر انبیا ورسلؑ آپ ہی کی ذریت میں سے ہیں۔ آپ کے بیٹے سیدنا اسحاق کی اولاد میں سب سے زیادہ انبیا مبعوث ہوئے۔ انھی انبیا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سب سے نمایاں مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ایک غلام قوم میں پیدا ہوئے جو مصر کے قبطی حکمرانوں کے زیر تسلط تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دور میں مصر پر بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی سیدنا یوسف علیہ السلام کے ذریعے حکمرانی بخشی جو کئی نسلوں تک چلتی رہی۔ پھر اخلاقی زوال نے ان لوگوں سے دنیا کی امامت وسیادت چھین لی۔ یوں یہ قوم حکمرانی کے مقام سے گر کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑی گئی۔ اسی غلام قوم میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

بچھڑے کی پرستش

موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بچھڑے کی پرستش کا جرم کر کے خود کو مشرکین میں شامل کر لیا۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی نصرت سے اس فتنے کا سدّ باب تو کر لیا، مگر بچھڑے کی محبت اکثر لوگوں کے دلوں میں ایسی بسی کہ قرآن کے الفاظ میں وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ یعنی باطل پرستی کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑا بسا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

Marfat.com

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا ٭ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾ (البقرۃ ۲: ۹۲-۹۳)

تمھارے پاس موسیٰؑ کیسی کیسی روشن نشانیوں کے ساتھ آیا۔ پھر بھی تم ایسے ظالم تھے کہ اس کے پیٹھ موڑتے ہی بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے۔ پھر ذرا اس میثاق کو یاد کرو، جو طور کو تمھارے اوپر اٹھا کر ہم نے تم سے لیا تھا۔ ہم نے تاکید کی تھی کہ جو ہدایات ہم دے رہے ہیں، ان کی سختی کے ساتھ پابندی کرو اور کان لگا کر سنو۔ تمھارے اسلاف نے کہا کہ ہم نے سن لیا، مگر مانیں گے نہیں۔ اور ان کی باطل پرستی کا یہ حال تھا کہ دلوں میں ان کے بچھڑا بسا ہوا تھا۔ کہو: اگر تم مومن ہو تو یہ عجیب ایمان ہے، جو ایسی بری حرکات کا تمھیں حکم دیتا ہے۔

ہنود و یہود کی مشابہت

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہنود و یہود میں کئی چیزیں مشترک ہیں سب سے پہلی بات تو اسلام دشمنی ہے، جس کا منظر آج بھی پوری دنیا دیکھ رہی ہے۔ دوسری بات سود کی لعنت ہے، جس میں عالمی ساہوکار یہودی وصیہونی اور بھارتی ساہوکار بنیا سرفہرست ہیں۔ اس کے علاوہ بچھڑے کی پرستش کا جرم بنی اسرائیل نے اللہ کے سچے پیغمبروں کی موجودگی میں کیا تو ہندوؤں میں بھی صدیوں سے جاری گائے کی پوجا و پرستش اور تقدس آج تک قائم ہے۔ گاندھی اور مرارجی ڈیسائی جیسے بظاہر بڑے سیاست دان گائے کا پیشاب پینے تک کو سعادت سمجھتے تھے۔ اس وقت بھی گائے کے تقدس کا دعویٰ کرنے والے ہندو مسلمانوں کو بھارت کی دھرتی پر ہر روز اس بنیاد پر قتل کر دیتے ہیں کہ انھوں نے گائے کا گوشت بیچا ہے، اگرچہ وہ گوشت بھینس یا بکرے ہی کا کیوں نہ ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اسرائیلی بچھڑے یعنی نر کے پجاری تھے اور ہندو گائے یعنی مادہ کی پرستش کرتے ہیں۔ ذہنیت دونوں کی ایک جیسی ہے۔

مصر میں فرعون کی غلامی کا بدترین دور اللہ نے معجزاتی طور پر ختم فرمایا اور بنی اسرائیل کو نہ

Marfat.com

صرف آزادی ملی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زمین کا مالک بنا دیا۔ اس کے باوجود اس قوم کی بدبختی اور ذلت اس انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر سے اپنی قوم کے ساتھ بخیریت نکل گئے اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا دشمن فرعون اپنی فوجوں سمیت غرق ہو گیا تو اللہ کا شکر بجا لانے اور اپنے محسن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرنے کی بجائے انھوں نے الٹا ایسا مطالبہ پیش کیا جس کے رد کے لیے اللہ نے ہر نبی بھیجا۔ ان کا مطالبہ اتنا احمقانہ ہے کہ تعجب ہوتا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں اس واقعہ کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

خالقِ حقیقی کی بجائے بتوں سے لگاؤ

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ (الاعراف ۷: ۱۳۸-۱۴۰)

بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے گزار دیا، پھر وہ چلے اور راستے میں ایک ایسی قوم پر ان کا گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی۔ کہنے لگے: اے موسیٰؑ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ یہ لوگ جس طریقے کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو برباد ہونے والا ہے اور جو عمل وہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل۔ پھر موسیٰؑ نے کہا: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود تمھارے لیے تلاش کروں؟ حالانکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں دنیا کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے۔

صنم کدے

اس آیت کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جو تفسیری حاشیہ لکھا ہے وہ لائقِ مطالعہ ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں: ''بنی اسرائیل نے جس مقام سے بحرِ احمر کو عبور کیا وہ غالباً

Marfat.com

موجودہ سویز اور اسماعیلیہ کے درمیان کوئی مقام تھا۔ یہاں سے گزر کر یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوئے۔ اس زمانے میں جزیرہ نمائے سینا کا مغربی اور شمالی حصہ مصر کی سلطنت میں شامل تھا۔ جنوب کے علاقے میں موجودہ شہر طور اور ابوزنیمہ کے درمیان تانبے اور فیروزے کی کانیں تھیں جن سے اہلِ مصر بہت فائدہ اٹھاتے تھے اور ان کانوں کی حفاظت کے لیے مصریوں نے چند مقامات پر چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ انھی چھاؤنیوں میں سے ایک چھاؤنی مَفْقَہ کے مقام پر تھی جہاں مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جس کے آثار اب بھی جزیرہ نما کے جنوبی مغربی علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانے سے سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت خانہ تھا۔ غالباً انھی مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو، جن پر مصریوں کی غلامی نے مصریّت زدگی کا اچھا خاصا ٹھپا لگا رکھا تھا، ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔

غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

بنی اسرائیل کی ذہنیت کو اہلِ مصر کی غلامی نے جیسا کچھ بگاڑ دیا تھا اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ مصر سے نکل آنے کے ۷۰ برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون اپنی آخری تقریر میں بنی اسرائیل کے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''تم خداوند کا خوف اور نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ اس کی پرستش کرو اور ان دیوتاؤں کو دور کر دو جن کی پرستش تمھارے باپ دادا بڑے دریا کے پار اور مصر میں کرتے تھے اور خداوند کی پرستش کرو۔ اور اگر خداوند کی پرستش تم کو بری معلوم ہوتی ہو تو آج ہی تم اسے جس کی پرستش کرو گے چن لو۔۔۔ اب رہی میری اور میرے گھرانے کی بات سو ہم تو خداوند ہی کی پرستش کریں گے۔'' (یشوع ۲۴: ۱۴-۱۵)

اس سے انداز ہوتا ہے کہ ۴۰ سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور ۲۸ سال تک حضرت

Marfat.com

یوشع کی تربیت ورہنمائی میں زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی یہ قوم اپنے اندر سے ان اثرات کو نہ نکال سکی جو فراعنہ مصر کی بندگی کے دور میں اس کی رگ رگ کے اندر اتر گئے تھے۔ پھر بھلا کیونکر ممکن تھا کہ مصر سے نکلنے کے بعد فوراً جو بت کدہ سامنے آ گیا تھا اس کو دیکھ کر ان بگڑے ہوئے مسلمانوں میں سے بہتوں کی پیشانیاں اس آستانے پر سجدہ کرنے کے لیے بیتاب نہ ہو جاتیں جس پر وہ اپنے سابق آقاؤں کو ماتھا رگڑتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔" (تفہیم القرآن، ج ۲، سورۃ الاعراف، حاشیہ ۹۸، ص ۷۴-۷۵)

ناشکرے اور باغی

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چالیس راتوں کے لیے کوہِ طور پر طلب فرمایا۔ اس عرصے میں آپ کو تورات اور شریعتِ موسوی کا تحفہ عطا کیا گیا۔ اتنے عظیم اور بے مثال انعام پر پوری قوم کو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا چاہیے تھا، مگر تشکر کی بجائے ان لوگوں نے توحید کو چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کیا اور اپنا معبود بھی ایک جانور یعنی بچھڑے کو بنا لیا۔ یہاں بھی اس قوم کی پستی قرآن کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ (الاعراف ۷: ۱۴۸-۱۴۹)

موسیٰؑ کے پیچھے اس کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کا پتلا بنا لیا جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انھیں نظر نہ آتا تھا کہ وہ نہ ان سے بولتا ہے نہ کسی معاملے میں ان کی رہنمائی کرتا ہے؟ مگر پھر بھی انھوں نے اسے معبود بنا لیا اور وہ سخت ظالم تھے۔ پھر جب ان کی فریب خوردگی کا طلسم ٹوٹ گیا اور انھوں نے دیکھ لیا کہ درحقیقت وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہم سے درگزر نہ

Marfat.com

کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ (الاعراف ۷:۱۵۰)

اُدھر موسیٰؑ غصے اور رنج میں بھرا ہوا اپنی قوم کی طرف پلٹا۔ آتے ہی اس نے کہا: ''بہت بری جانشینی کی تم لوگوں نے میرے بعد! کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر لیتے؟'' اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی (ہارونؑ) کے سر کے بال پکڑ کر کھینچا۔ ہارون نے کہا: ''اے میری ماں کے بیٹے، ان لوگوں نے مجھے دبا لیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے۔ پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے نہ شامل کر۔

یہ سارا واقعہ ان چالیس دنوں کے دوران میں پیش آیا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طلب پر کوہِ سینا پر گئے ہوئے تھے اور یہ قوم پہاڑ کے نیچے میدانُ الرَّاحہ میں ٹھہری ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل کی اس ذہنیت کا تجزیہ صاحبِ تفہیم القرآن نے ذیل کی سطور میں نہایت خوب صورت اور جامع انداز میں فرمایا ہے:

''یہ اُس مصریت زدگی کا دوسرا ظہور تھا جسے لیے ہوئے بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے۔ مصر میں گائے کی پرستش اور تقدیس کا جو رواج تھا اس سے یہ قوم اتنی شدت کے ساتھ متاثر ہو چکی تھی کہ قرآن کہتا ہے: وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ۔ یعنی ان کے دلوں میں بچھڑا بس کر رہ گیا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت کا مقام یہ ہے کہ ابھی مصر سے نکلے ہوئے ان کو صرف تین مہینے ہی گزرے تھے۔ سمندر کا پھٹنا، فرعون کا غرق ہونا، ان لوگوں کا بخیریت اس بند غلامی سے نکل آنا جس کے ٹوٹنے کی کوئی امید نہ تھی اور اس سلسلے کے دوسرے واقعات ابھی بالکل تازہ تھے اور انھیں خوب

Marfat.com

معلوم تھا کہ جو کچھ ہوا محض اللہ کی قدرت سے ہوا ہے، کسی دوسرے کی طاقت وتصرف کا اس میں کچھ دخل نہ تھا۔ مگر اس پر بھی انھوں نے پہلے تو پیغمبر سے ایک مصنوعی خدا طلب کیا اور پھر پیغمبر کے پیٹھ موڑتے ہی خود ایک مصنوعی خدا بنا ڈالا۔ یہی وہ حرکت ہے جس پر بعض انبیائے بنی اسرائیل نے اپنی قوم کو اس بدکار عورت سے تشبیہہ دی ہے جو اپنے شوہر کے سوا ہر دوسرے مرد سے دل لگاتی ہو اور جو شب اول میں بھی بے وفائی سے نہ چوکی ہو۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی برأت

یہاں قرآن مجید نے ایک بہت بڑے الزام سے حضرت ہارون علیہ السلام کی برأت ثابت کی ہے جو یہودیوں نے زبردستی ان پر چسپاں کر رکھا تھا۔ بائبل میں بچھڑے کی پرستش کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ سے اترنے میں دیر لگی تو بنی اسرائیل نے بے صبر ہو کر حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لیے ایک معبود بنا اور حضرت ہارون نے ان کی فرمایش کے مطابق سونے کا ایک بچھڑا بنا دیا جسے دیکھتے ہی بنی اسرائیل پکار اٹھے کہ اے اسرائیل، یہی تیرا وہ خدا ہے جو تجھے ملک مصر سے نکال لایا ہے۔ پھر حضرت ہارون نے اس کے لیے ایک قربان گاہ بنائی اور اعلان کر کے دوسرے روز تمام بنی اسرائیل کو جمع کیا اور اس کے آگے قربانیاں چڑھائیں۔ (خروج۔باب ۳۲۔آیت ۱-۶)۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بصراحت اس غلط بیانی کی تردید کی گئی ہے اور حقیقت واقعہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس جرمِ عظیم کا مرتکب خدا کا نبی ہارون نہیں بلکہ خدا کا باغی سامری تھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ طٰہٰ، آیات ۹۰-۹۴)

بے ضمیر قوم

بظاہر یہ بات بڑی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل جن لوگوں کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں ان میں سے کسی کی سیرت کو بھی انھوں نے داغدار کیے بغیر نہیں چھوڑا ہے اور داغ بھی ایسے سخت لگائے ہیں جو اخلاق وشریعت کی نگاہ میں بدترین جرائم شمار ہوتے ہیں، مثلاً شرک، جادوگری، زنا، جھوٹ، دغابازی اور ایسے ہی دوسرے شدید معاصی جن سے آلودہ ہونا پیغمبر تو درکنار

Marfat.com

ایک معمولی مومن اور شریف انسان کے لیے بھی سخت شرمناک ہے۔ یہ بات بجائے خود نہایت عجیب ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کی اخلاقی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فی الحقیقت اس قوم کے معاملے میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہ قوم جب اخلاقی و مذہبی انحطاط میں مبتلا ہوئی اور عوم سے گزر کر ان کے خواص تک کو حتی کہ علما و مشائخ اور دینی منصب داروں کو بھی گمراہیوں اور بد اخلاقیوں کا سیلاب بہا لے گیا تو ان کے مجرم ضمیر نے اپنی اس حالت کے لیے عذرات تراشنے شروع کیے اور اسی سلسلے میں انھوں نے وہ تمام جرائم جو یہ خود کرتے تھے، انبیا علیہم السلام کی طرف منسوب کر ڈالے تا کہ یہ کہا جا سکے کہ جب نبی تک ان چیزوں سے نہ بچ سکے تو بھلا اور کون بچ سکتا ہے۔ اس معاملے میں یہودیوں کا حال ہندوؤں سے ملتا جلتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی جب اخلاقی انحطاط انتہا کو پہنچ گیا تو وہ لٹریچر تیار ہوا جس میں دیوتاؤں کی، رشیوں، منیوں اور اوتاروں کی، غرض جو بلند ترین آئیڈیل قوم کے سامنے ہو سکتے تھے ان سب کی زندگیاں بد اخلاقی کے تارکول سے سیاہ کر ڈالی گئیں تا کہ یہ کہا جا سکے کہ جب ایسی ایسی عظیم الشان ہستیاں ان قبائح میں مبتلا ہو سکتی ہیں تو بھلا ہم معمولی فانی انسان ان میں مبتلا ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں، اور پھر جب یہ افعال اتنے اونچے مرتبے والوں کے لیے بھی شرمناک نہیں ہیں تو ہمارے لیے کیوں ہوں۔'' (ایضاً، حاشیہ ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ص ۸۰-۸۲)

حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کی الوہیت

یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہی لوگ پڑھے لکھے سمجھے جاتے تھے۔ اپنے علاوہ دیگر لوگوں کو یہ امّی (ناخواندہ) قرار دیتے تھے۔ امّی لوگ بت پرستی کے جرم میں مبتلا ہو گئے تو یہود و نصاریٰ بھی ان سے پیچھے نہ رہے۔ سابقہ ادوار میں انھوں نے اصنام پرستی کے لیے جس شوق کا اظہار کیا تھا، وہ اوپر کے صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ قرآن پاک میں ان لوگوں کے ایک اور شرک کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیت میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا۔ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبہ ۹: ۳۰-۳۱)

یہودی کہتے ہیں کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے۔ خدا کی مار ان پر، یہ کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

سید مودودیؒ نے اس مضمون کو اپنی تفسیر میں یوں بیان فرمایا ہے:

حضرت عزیرؑ کی عظیم شخصیت

''عزیر سے مراد عزرا (Ezra) ہیں جن کو یہودی اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں۔ ان کا زمانہ ۴۵۰ قبل مسیح کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دورِ ابتلا بنی اسرائیل پر آیا اس میں نہ صرف یہ کہ تورات دنیا سے گم ہوگئی تھی بلکہ بابل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان، عبرانی تک سے نا آشنا کر دیا تھا۔ آخر کار انھی عزیر یا عزرا نے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا، اور شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے ارشاد کا مقصود یہ نہیں

Marfat.com

ہے کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کاہن کو خدا کا بیٹا بنایا ہے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کے متعلق یہودیوں کے اعتقادات میں جو خرابی رونما ہوئی وہ اس حد تک ترقی کر گئی کہ عزرا کو خدا کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے۔

خدائی کا مقام

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم جو پہلے عیسائی تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو انھوں نے منجملہ اور سوالات کے ایک یہ سوال بھی کیا تھا کہ اس آیت میں ہم پر اپنے علما اور درویشوں کو خدا بنا لینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ یہ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور ہم کرتے رہے ہیں۔ فرمایا: بس یہی ان کو خدا بنا لینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لیے جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرتے ہیں وہ دراصل خدائی کے مقام پر بزعمِ خود متمکن ہوتے ہیں اور جو ان کے اس حقِ شریعت سازی کو تسلیم کرتے ہیں وہ انھیں خدا بناتے ہیں۔

یہ دونوں الزام یعنی کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا، اور کسی کو شریعت سازی کا حق دینا، اس بات کے ثبوت میں پیش کیے گئے ہیں کہ یہ لوگ ایمان باللہ کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ خدا کی ہستی کو چاہے یہ مانتے ہوں، مگر ان کا تصورِ خدائی اس قدر غلط ہے کہ اس کی وجہ سے ان کا خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہو گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن، جلد ۲، سورۃ التوبہ، حاشیہ ۲۹ اور ۳۱، ص ۱۸۹-۱۹۰)

Marfat.com

سیدنا الیاسؑ کی بت شکنی

حضرت الیاسؑ اور بعل کا بت

قرآن پاک میں بت پرستی کے باب میں جگہ جگہ سابقہ قوموں کے تذکرے ملتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک میں دو مقامات پر آیا ہے، ایک جگہ سورۃ الانعام میں دیگر انبیا کے ساتھ صرف ان کا اسم گرامی بیان ہوا ہے۔ دوسری جگہ سورۃ الصافات میں ان کا تذکرہ قدرے تفصیلاً ملتا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے۔ انھوں نے پتھر کے بتوں کے علاوہ اپنے جدامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرح ایوان اقتدار میں بیٹھے بتوں یعنی سلاطینِ وقت کو بھی جرأت مومنانہ کے ساتھ للکارا اور ان کے تکبر کے بت کو زمین بوس کر دیا۔ سورۃ الصافات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتایا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم بعل بت کی پرستش کرتی تھی۔ انھوں نے قوم کو اس بت پرستی سے توبہ کرنے کی دعوت دی اور بھرپوری زندگی اس تبلیغ میں صرف کر دی۔ تاہم اس قوم نے دیگر بت پرستوں کی طرح اللہ کے نبی کو جھٹلایا اور اس کے نتیجے میں اس قوم کو تباہ وبرباد کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سلامٌ علیٰ الیاسین

وَاِنَّ اِلۡيَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا
وَّتَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمۡ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾
فَكَذَّبُوۡهُ فَاِنَّهُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى
الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلۡ يَاسِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنۡ

Marfat.com

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ (الصافات ۳۷: ۱۲۳-۱۳۲)

اور الیاسؑ بھی یقیناً مرسلین میں سے تھا۔ یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو، اس اللہ کو جو تمھارا اور تمھارے اگلے پچھلے آباواجداد کا رب ہے؟ مگر انھوں نے اسے جھٹلا دیا، سو اب یقیناً وہ سزا کے لیے پیش کیے جانے والے ہیں، بجز ان بندگانِ خدا کے جن کو خالص کر لیا گیا تھا۔ اور الیاس کا ذکرِ خیر ہم نے بعد کی نسلوں میں باقی رکھا۔ سلام ہے الیاس پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ واقعی وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے حالات صرف سورۂ الصافات میں بیان ہوئے ہیں۔ ان آیات کی تفسیر میں کم وبیش تمام مفسرین نے اس موضوع کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ہم تفہیم القرآن سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے تحریر کردہ تفسیری حاشیے یہاں نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔ ان سے حضرت الیاس علیہ السلام کی شخصیت اور بت پرست قوم کی ذہنیت وتاریخ کا خوب پتا چلتا ہے۔ مولانا مرحوم رقم طراز ہیں:

حضرت الیاس علیہ السلام

"حضرت الیاس علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں صرف دو ہی مقامات پر آیا ہے۔ ایک یہ مقام اور دوسرا الانعام آیت ۸۵۔ موجودہ زمانے کے محقق ان کا زمانہ ۸۷۵ اور ۸۵۰ ق م کے درمیان متعین کرتے ہیں۔ وہ جِلعاد کے رہنے والے تھے (قدیم زمانے میں جِلعاد اس علاقے کو کہتے تھے جو آج کل موجودہ ریاست اردن کے شمالی اضلاع پر مشتمل ہے اور دریائے یرموک کے جنوب میں واقع ہے)۔ بائبل میں ان کا ذکر ایلیاہ تشبی (Elijah the Tishbite) کے نام سے کیا گیا ہے۔ ان کے مختصر حالات حسبِ ذیل ہیں:

سیاسی اور اخلاقی زوال

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے رَحبعام (Rehoboam) کی نااہلی

Marfat.com

کے باعث بنی اسرائیل کی سلطنت کے دوٹکڑے ہوگئے تھے۔ایک حصہ جو بیت المقدس اور جنوبی فلسطین پر مشتمل تھا، آلِ داؤد کے قبضے میں رہا اور دوسرا حصہ جو شمالی فلسطین پر مشتمل تھا اس میں ایک مستقل ریاست اسرائیل کے نام سے قائم ہوگئی اور بعد میں سامریہ اس کا صدر مقام قرار پایا۔ اگر چہ حالات دونوں ہی ریاستوں کے دگرگوں تھے۔لیکن اسرائیل کی ریاست شروع ہی سے ایسے سخت بگاڑ کی راہ پر چل پڑی تھی جس کی بدولت اس میں شرک وبت پرستی، ظلم وستم اور فسق وفجور کا زور بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جب اسرائیل کے بادشاہ اخی اب (Ahab) نے صیدا (موجودہ لبنان) کے بادشاہ کی لڑکی ایزبل (Jezebel) سے شادی کرلی تو یہ فساد اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔اس مشرک شہزادی کے اثر میں آکر اخی اب خود بھی مشرک ہوگیا، اس نے سامریہ میں بعل کا مندر اور مذبح تعمیر کیا، خدائے واحد کی پرستش کے بجائے بعل کی پرستش رائج کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اسرائیل کے شہروں میں علانیہ بعل کے نام پر قربانیاں کی جانے لگیں۔

رسولِ حق کی وارننگ

یہی زمانہ تھا جب حضرت الیاس علیہ السلام یکایک منظر عام پر نمودار ہوئے اور انھوں نے جلعاد سے آکر اخی اب کو نوٹس دیا کہ تیرے گناہوں کی پاداش میں اب اسرائیل کے ملک پر بارش کا ایک قطرہ بھی نہ برسے گا، حتیٰ کہ اوس تک نہ پڑے گی۔ خدا کے نبی کا یہ قول حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور ساڑھے تین سال تک بارش بالکل بند رہی۔آخر کار اخی اب کے ہوش کچھ ٹھکانے آئے اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کو تلاش کرا کے بلوایا۔انھوں نے بارش کے لیے دعا کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ اسرائیل کے باشندوں کو اللہ رب العالمین اور بعل کا فرق اچھی طرح بتادیں۔ اس غرض کے لیے انھوں نے حکم دیا کہ ایک مجمع عام میں بعل کے پوجاری بھی آکر اپنے معبود کے نام پر قربانی کریں اور میں بھی اللہ رب العالمین کے نام پر قربانی کروں گا۔دونوں میں سے جس کی قربانی بھی انسان کے ہاتھوں سے آگ لگائے بغیر غیبی آگ سے بھسم ہوجائے اس کے معبود کی سچائی ثابت ہوجائے گی۔اخی اب نے یہ بات قبول کرلی۔ چنانچہ کوہِ کرمل (Carmel) پر بعل

Marfat.com

کے ساڑھے آٹھ سو پوجاری جمع ہوئے اور حضرت الیاس نے سب کے سامنے یہ ثابت کردیا کہ بعل ایک جھوٹا خدا ہے، اصل خدا وہی ایک اکیلا خدا ہے جس کے نبی کی حیثیت سے وہ مامور ہو کر آئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت الیاس نے اسی مجمع عام میں بعل کے پوجاریوں کو قتل کرادیا اور پھر بارش کے لیے دعا کی جو فوراً قبول ہوئی یہاں تک کہ پورا ملک اسرائیل سیراب ہو گیا۔

اللہ کے نبی کی فریاد

لیکن ان معجزات کو دیکھ کر بھی زن مرید اخی اب اپنی بت پرست بیوی کے شکنجے سے نہ نکلا۔ اس کی بیوی ایزبل حضرت الیاس علیہ السلام کی دشمن ہو گئی اور اس نے قسم کھالی کہ جس طرح بعل کے پوجاری قتل کیے گئے ہیں اسی طرح الیاس علیہ السلام بھی قتل کیے جائیں گے۔ ان حالات میں حضرت الیاس علیہ السلام کو ملک چھوڑنا پڑا اور چند سال تک وہ کوہِ سینا کے دامن میں پناہ گزیں رہے۔ اس موقع پر انھوں نے جو اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تھی اسے بائبل ان الفاظ میں نقل کرتی ہے:

"بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبحوں کو ڈھا دیا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں۔"

اسی زمانے میں بیت المقدس کی یہودی ریاست کے فرمانروا یہورام (Jehoran) نے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب کی بیٹی سے شادی کرلی اور اس مشرک شہزادی کے اثر سے وہی تمام خرابیاں جو اسرائیل میں پھیلی ہوئی تھیں، یہودیہ کی ریاست میں بھی پھیلنے لگیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے یہاں بھی فریضہ نبوت ادا کیا اور یہورام کو ایک خط لکھا جس کے یہ الفاظ بائبل میں نقل ہوئے ہیں:

مکتوبِ حق بیان

"خداوند تیرے باپ دادا، کا خدا یوں فرماتا ہے: اس لیے کہ تو نہ اپنے باپ یہوسفط کی راہوں پر اور نہ یہوداہ کے بادشاہ آسا کی راہوں پر چلا بلکہ اسرائیل کے بادشاہوں کی راہ پر چلا ہے اور یہوداہ اور یروشلم کے باشندوں کو زناکار بنایا جیسا اخی اب کے خاندان نے

Marfat.com

کیا تھا اور اپنے باپ کے گھرانے میں سے اپنے بھائیوں کو جو تجھ سے اچھے تھے قتل بھی کیا، سو دیکھ خداوند تیرے لوگوں کو اور تیرے سارے مال کو بڑی آفتوں سے مارے گا اور تو انتڑیوں کے مرض سے سخت بیمار ہو جائے گا یہاں تک کہ تیری انتڑیاں اس مرض کے سبب سے روز بروز نکلتی چلی جائیں گی۔'' (۲۔تواریخ ۲۱: ۱۲-۱۵)

اس خط میں حضرت الیاس علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ پہلے یہورام کی ریاست بیرونی حملہ آوروں کی تاخت سے تباہ ہوئی اور اس کی بیویوں کو دشمن پکڑ کر لے گئے، پھر وہ خود انتڑیوں کے مرض سے ہلاک ہوا۔

دوبارہ اسرائیل میں تشریف آوری

چند سال بعد حضرت الیاس علیہ السلام پھر اسرائیل تشریف لے گئے اور انھوں نے اخی اب کو اور اس کے بعد اس کے بیٹے آخزیاہ کو راہِ راست پر لانے کی مسلسل کوشش کی، مگر جو بدی سامریہ کے شاہی خاندان میں گھر کر چکی تھی وہ کسی طرح نہ نکلی۔ آخر کار حضرت کی بددعا سے اخی اب کا گھرانا ختم ہو گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دنیا سے اٹھا لیا۔ ان واقعات کی تفصیل کے لیے بائبل کے حسب ذیل ابواب ملاحظہ ہوں: ۱۔سلاطین، باب ۱۷۔۱۸۔۱۹۔۲۱۔ ۲۔سلاطین باب ۱۔۲۔ ۲۔تواریخ باب ۲۱۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، سورۃ الصافات، حاشیہ ۷۰، ص ۳۰۲-۳۰۴)

بعل کا مکمل تعارف

بعل ایک بت تھا۔ اس کا مکمل تعارف مولانا مودودیؒ نے تاریخی اور لسانی حوالوں کے ساتھ جس انداز میں پیش کیا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''بعل کے لغوی معنی آقا کے ہیں۔ شوہر کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور متعدد مقامات پر خود قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، مثلاً سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸، سورۃ النساء آیت ۱۲۷، سورۃ ہود آیت ۷۲ اور سورۃ نور آیت ۳۱ میں۔ لیکن قدیم زمانے کی سامی اقوام اس لفظ کو الٰہ یا خداوند کے معنی میں استعمال کرتی تھیں اور انھوں نے ایک خاص دیوتا کو بعل کے نام سے موسوم کر رکھا

Marfat.com

تھا۔ خصوصیت کے ساتھ لبنان کی فنیقی قوم (Phoenicians) کا سب سے بڑا دیوتا بعل تھا اور اس کی بیوی عشارات (Ashtoreth) ان کی سب سے بڑی دیوی تھی۔ محققین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا بعل سے مراد سورج ہے یا مشتری اور عشارات سے مراد چاند ہے یا زہرہ۔ بہر حال یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ بابل سے لے کر مصر تک پورے مشرق وسط میں بعل پرستی پھیلی ہوئی تھی، اور خصوصاً لبنان اور شام وفلسطین کی مشرک اقوام بری طرح اس میں مبتلا تھیں۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلنے کے بعد فلسطین اور شرق اردن میں آ کر آباد ہوئے، اور تورات کے سخت امتناعی احکام کی خلاف ورزی کر کے انھوں نے ان مشرک قوموں کے ساتھ شادی بیاہ اور معاشرت کے تعلقات قائم کرنے شروع کر دیے تو ان کے اندر بھی یہ مرض پھیلنے لگا۔ بائبل کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفۂ اول، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی بنی اسرائیل میں یہ اخلاقی و دینی زوال رونما ہونا شروع ہو گیا تھا۔

''اور بنی اسرائیل نے خدا کے آگے بدی کی اور بعلیم کی پرستش کرنے لگے ---- اور وہ خداوند کو چھوڑ کر بعل اور عشارات کی پرستش کرنے لگے۔'' (قضاۃ ۲: ۱۱-۱۲)

''سو بنی اسرائیل کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور حِویوں اور یبوسیوں کے درمیان بس گئے اور ان کی بیٹیوں سے آپ نکاح کرنے اور اپنی بیٹیاں ان کے بیٹوں کو دینے اور ان کے دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگے۔'' (قضاۃ ۲: ۵-۶)

انبیائے کرام کا اصلاحی کارنامہ

اس زمانے میں بعل پرستی اسرائیلیوں میں اس قدر گھس چکی تھی کہ بائبل کے بیان کے مطابق ان کی ایک بستی میں علانیہ بعل کا مذبح بنا ہوا تھا جس پر قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ایک خدا پرست اسرائیلی اس حالت کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے رات کے وقت چپکے سے مذبح توڑ دیا۔ دوسرے روز ایک مجمع کثیر اکٹھا ہو گیا اور وہ اس شخص کے قتل کا مطالبہ کرنے لگا جس نے شرک کے اس اڈے کو توڑا تھا۔ (قضاۃ ۲: ۵-۶)۔ اس صورت حال کو آخر کار حضرت سموایل، طالوت،

Marfat.com

داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے ختم کیا اور نہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کی بلکہ اپنی مملکت میں بالعموم شرک و بت پرستی کو دبا دیا۔لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ فتنہ پھر ابھرا اور خاص طور پر شمالی فلسطین کی اسرائیلی ریاست بعل پرستی کے سیلاب میں بہہ گئی۔ (ایضاً،حاشیہ ۱۷،ص ۳۰۴-۳۰۵)

بعد از مرگ قدر دانی

انسانی تاریخ المیوں سے بھری پڑی ہے۔اکثر و بیشتر قومیں اپنے درمیان خیر خواہی اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے والے ناصحین کو اذیتیں ہی پہنچاتی رہی ہیں۔سیدنا الیاس علیہ السلام کی زندگی بھی آزمایشوں سے بھری،مگر استقامت سے مالا مال داستان پیش کرتی ہے۔جس نبی برحق کو ان کی زندگی میں کسی علاقے میں بدبخت لوگوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا،ان کے معجزات آنکھوں سے دیکھے،مگر جیتے جی ان کی قدر نہ پہچانی اس نے ان کی رحلت کے بعد انھیں تقدس کا وہ مقام دیا جس کا تذکرہ ان کی تاریخ میں ملتا ہے۔ایسے ہی موقع پر شاعر نے کہا تھا:

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

اسی طرح ایک اور شاعر نے ان حالات کی ترجمانی یوں کی ہے:

جیتے جی تو بہرِ عیادت آ نہ سکے
اب آ رہے ہیں خاک اڑانے لحد کی مری

یہ شعر بھی ایسے واقعات و سانحات پر منطبق ہوتا ہے۔

اس کو ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

ان دردناک اور عبرت انگیز واقعات کی صحیح عکاسی کرتے ہوئے سید مودودیؒ حضرت الیاس علیہ السلام کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

''حضرت الیاس علیہ السلام کو ان کی زندگی میں تو بنی اسرائیل نے جیسا کچھ ستایا اس کی داستان گزر چکی ہے، مگر بعد میں وہ ان کے ایسے گرویدہ وشیفتہ ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کم ہی لوگوں کو انھوں نے ان سے بڑھ کر جلیل القدر مانا ہوگا۔ ان کے ہاں مشہور ہو گیا کہ الیاس علیہ السلام ایک بگولے میں آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے ہیں۔ (۲۔سلاطین، باب دوم) اور یہ کہ وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں گے۔ چنانچہ بائبل کی کتاب ملاکی میں لکھا ہے:

''دیکھو، خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پہلے میں ایلیاہ نبی کو تمھارے پاس بھیجوں گا۔ (۴:۵)

حضرت الیاسؑ کا انتظار

حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں یہودی بالعموم تین آنے والوں کے منتظر تھے۔ ایک حضرت الیاس علیہ السلام، دوسرے مسیح، تیسرے ''وہ نبی'' (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت شروع ہوئی اور انھوں نے لوگوں کو اصطباغ دینا شروع کیا تو یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں نے ان کے پاس جا کر پوچھا کیا تم مسیح ہو؟ انھوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تم ایلیا ہو؟ انھوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تم ''وہ نبی'' ہو؟ انھوں نے کہا میں وہ بھی نہیں ہوں۔ تب انھوں نے کہا اگر تم نہ مسیح ہو، نہ ایلیا، نہ وہ نبی، تو پھر تم بپتسمہ کیوں دیتے ہو؟ (یوحنا ۱:۱۹-۲۶)۔ پھر کچھ مدت بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلغلہ بلند ہوا تو یہودیوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ شاید ایلیا نبی آگئے ہیں۔ (مرقس ۶:۱۴-۱۵) خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں بھی یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ ایلیاہ نبی آنے والے ہیں۔ مگر حضرت نے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی کو رفع فرمایا کہ ایلیا تو آچکا ہے، اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اس سے حواری خود جان گئے کہ دراصل آنے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے نہ کہ آٹھ سو برس پہلے گزرے ہوئے حضرت الیاسؑ۔ [متی ۱۱:۱۴ اور متی ۱۷:۱۰-۱۳]۔''

(ایضاً، حاشیہ ۷۳، ص ۳۰۵-۳۰۶)

Marfat.com

الیاس اور الیاسین

حضرت الیاس علیہ السلام کا نام اس سلسلۂ آیات میں الیاسین بھی آیا ہے۔ اس کی تشریح میں مولانا مودودیؒ تحریر فرماتے ہیں:

اصل میں الفاظ ہیں سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ﴿۱۳۰﴾ اس کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت الیاس علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا نام ابراہام تھا۔ اور بعض دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ اہلِ عرب میں عبرانی اسما کے مختلف تلفظ رائج تھے، مثلاً میکال اور میکائیل اور میکائین ایک ہی فرشتے کو کہا جاتا تھا۔ ایسا ہی معاملہ حضرت الیاس کے نام کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ خود قرآن مجید میں ایک ہی پہاڑ کا نام طورِ سینا بھی آیا اور طور سینین بھی۔ (ایضاً، حاشیہ ۷۴، ص ۳۰۶)

گویا حضرت الیاس ہی کو عربی میں الیاسین کہا گیا ہے اور یہ عربی میں متداول تھا، کوئی نئی بات نہ تھی۔ بعل کا بت جسے اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام نے بے شمار آزمائشوں سے گزرتے ہوئے پاش پاش کر دیا تھا، بعد میں بھی مختلف قوموں اور علاقوں میں پوجا جاتا رہا۔ خود عربوں کے ہاں بھی یہ بت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھا جسے آپؐ نے منہدم اور ملیا میٹ کر دیا۔

Marfat.com

جاہلیت کی دیگر رسومات

جانوروں کا تقدس

جب انسان راہِ راست سے بھٹکتا ہے تو پھر کسی ایک مقام پر رکتا نہیں بلکہ پستیوں میں لڑھکتا ہی چلا جاتا ہے۔ بت پرستی کو شعار بنانے کے بعد مشرکین کی کیفیت عجیب وغریب نظر آتی ہے۔ انھوں نے جانوروں کے بارے میں ایسے توہمات اور لغویات کو اپنے عقائد کا حصہ بنالیا جنھیں دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ اشرف المخلوقات کیسے اسفل السافلین کے مقام پر گرتی ہے۔ عربوں کے ہاں معروف جانور اونٹ اور بکری تھے۔ بھیڑ اور گائے بھی اگرچہ پائی جاتی تھیں، مگر نسبتاً کم۔ ان جانوروں میں سے کفار نے اونٹ اور بکری کے متعلق جو فاسد عقائد اختیار کیے ان کے مطابق بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی اصطلاحات مروّج ہوئیں۔ اس کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرمایا:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾ (المائدۃ ۵:۱۰۳)

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔ مگر یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں (کہ ایسے اوہام کو مان رہے ہیں)۔

ان چاروں اصطلاحات کے معنی اپنی تفاسیر میں مفسرینِ قرآن نے بیان کیے ہیں۔ سید مودودیؒ تفہیم القرآن جلد اول میں لکھتے ہیں: ''جس طرح ہمارے ملک میں گائے، بیل اور بکرے خدا کے نام پر یا کسی بت یا قبر یا دیوتا یا پیر کے نام پر چھوڑ دیے جاتے ہیں اور ان سے کوئی

Marfat.com

خدمت لینا یا انھیں ذبح کرنا یا کسی طور پر ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا ہے، اسی طرح زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب بھی مختلف طریقوں سے جانوروں کو پُن کر کے چھوڑ دیا کرتے تھے اور ان طریقوں سے چھوڑے ہوئے جانوروں کے الگ الگ نام رکھتے تھے۔

بحیرہ

اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پانچ دفعہ بچے جن چکی ہو اور آخری بار اس کے ہاں نر بچہ پیدا ہوا ہو۔ اس کا کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ پھر نہ کوئی اس پر سوار ہوتا، نہ اس کا دودھ پیا جاتا، نہ اسے ذبح کیا جاتا، نہ اس کا اون اتارا جاتا۔ اسے حق تھا کہ جس کھیت اور جس چراگاہ میں چاہے چرے اور جس گھاٹ سے چاہے پانی پیے۔

سائبہ

اس اونٹ یا اونٹنی کو کہتے تھے جسے کسی منت کے پورا ہونے یا کسی بیماری سے شفا پانے یا کسی خطرے سے بچ جانے پر بطور شکرانہ کے پُن کر دیا گیا ہو۔ نیز جس اونٹنی نے دس مرتبہ بچے دیے ہوں اور ہر بار مادہ ہی جنی ہو اسے بھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔

وصیلہ

اگر بکری کا پہلا بچہ نر ہوتا تو وہ خداؤں کے نام پر ذبح کیا جاتا، اور اگر وہ پہلی بار مادہ جنتی تو اسے اپنے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ لیکن اگر نر اور مادہ ایک ساتھ پیدا ہوتے تو نر کو ذبح کرنے کے بجائے یونہی خداؤں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس کا نام وصیلہ تھا۔

حام

اگر کسی اونٹ کا پوتا سواری دینے کے قابل ہو جاتا تو اس بوڑھے اونٹ کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ نیز اگر کسی اونٹ کے نطفے سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو اسے بھی آزادی مل جاتی۔" (تفہیم القرآن، ج ۱، سورۃ المائدہ، حاشیہ ۱۱۸، ص ۵۰۸-۵۰۹)

Marfat.com

تفسیر ابن کثیر

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس پر نہ تو کوئی سوار ہو سکتا تھا، نہ اس کا دودھ دوہ سکتا تھا جبکہ سائبہ اس اونٹ یا اونٹنی کو کہتے تھے جسے منت پوری ہونے کے بعد بطور تقدس اپنے بتوں کے نام منسوب کر دیتے تھے۔ پھر اس سے کوئی خدمت لینا یا اس پر سواری کرنا ممنوع ہوتا تھا۔ وہ جدھر چاہے چرے چگے، کوئی اسے منع نہ کر سکتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے سائبہ اور وصیلہ وغیرہ کا تصور عربوں میں متعارف کرایا وہ عمرو بن لحی[1] تھا۔ آپ نے فرمایا: میں نے اسے دیکھا کہ وہ دوزخ کے اندر اپنی انتڑیاں گھسیٹتا ہوا درد کے مارے چیخ پکار کر رہا تھا۔ اسی طرح حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت بیان کی ہے جس میں عمرو کے جہنم میں رسوا کن عذاب کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ روایت بھی صحیح بخاری میں ہے۔

صحابی کا خدشہ اور رسول رحمتؐ کا جواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی امام ابن کثیر نے بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ آپؐ نے اپنے صحابی حضرت اکثم بن جون سے کہا کہ اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی کو دوزخ میں انتڑیاں گھسیٹتے ہوئے دیکھا۔ اس کی شکل وصورت بالکل تمھاری شکل وصورت جیسی تھی۔ یہ سن کر حضرت اکثم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس دوزخی سے میری مشابہت کیا میرے لیے ضرر رساں ہوگی؟ آپ نے فرمایا: لَا، انک مومن وھو کافر، انه اول من غیّر دین ابراھیم، وبحر البَحِیْرة، وسَیَّبَ السائبة، وحمی الحامی۔ یعنی نہیں تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بلاشبہ مومن ہو اور وہ کافر ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمؑ کو تبدیل کیا اور بحیرہ اور سائبہ اور حام کی جاہلی رسوم کو متعارف کرایا۔ (تفسیر ابن کثیر، المجلد الثانی، دار الاندلس، بیروت، ص ۶۶۳-۶۶۴)

۱- ابن کثیر نے عمرو بن عامر الخزاعی بھی لکھا ہے، مگر حقیقت میں یہ شخص عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف ہے۔

Marfat.com

امام قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی روایات نقل کی ہیں، مگر انھوں نے دین ابراہیم کی جگہ دینِ اسماعیل لکھا ہے: وھو کافر انه اول من غیر دین اسماعیل۔ (الجامع لاحکام القرآن، الجزء السادس، طبع دار الکتب العربی، قاہرہ، ص ۳۳۶-۳۳۷)

کفار کی ہٹ دھرمی

کفار جن غلط رسومات پر اڑے ہوئے تھے، ان کی لیے اندھی تقلید کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ انھیں جب بھی یہ کہا جائے کہ آؤ اس کائنات کے خالق و مالک سے اس کے بھیجے ہوئے رسول کی وساطت سے فیصلہ کرا لیتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے آباؤ اجداد کا طریقہ ہی حجت ہے۔ قرآن مجید نے اس ضمن میں کئی مقامات پر ان کی اس ہٹ دھرمی کا تذکرہ کیا ہے۔ بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حام کی رسم کا تذکرہ کرنے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۴ (المائدہ ۵: ۱۰۴)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس قانون کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ پیغمبر کی طرف۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کیے چلے جائیں گے خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستے کی انھیں خبر ہی نہ ہو؟

--❀--❀--❀--

Marfat.com

آنحضور ﷺ کا نسب

ساٹھ پشتیں

سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے بنو جرہم میں شادی کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بارہ بیٹے عطا فرمائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ان کے بیٹوں کے جو نام دیے گئے ہیں ان میں قیدار کی اولاد سرزمین حجاز میں آباد ہوئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کئی نامور شخصیات نے تاریخ میں اپنا سکہ منوایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ جو بیان کیا جاتا ہے اس میں مورخین بعض پشتوں کو چھوڑ جاتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی اور دیگر محققین کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک ساٹھ پشتیں بنتی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نسب نامہ آپ کے جد امجد عدنان تک بیان ہوا ہے وہ یہ ہے: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک بعض پشتوں کو نظر انداز کر کے عمومی طور پر نو یا دس نام لکھے گئے ہیں۔

عدنان کے بعد کا نسب نامہ

ابن سعد نے طبقات میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نسب بیان کرتے ہوئے معدّ بن عدنان بن اُدد کے بعد سکوت فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول اس کے بعد کا نسب ماہرینِ انساب نے اپنے خیال کے مطابق گڑھ لیا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ

Marfat.com

نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللّٰهُ ۭ-[ابراہیم ۱۴: ۹]۔(طبقات ابن سعد، ج۱،ص۵۶)

ابن سعد نے ہشام بن محمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ معدؔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور ان کا نسب یوں ہے: معد بن عدنان بن اُدد بن زید بن یقدُد بن یقدُم بن امین بن منحر بن صابوح بن الھمیسع بن یشجب بن یعرب بن العوّام بن نبت بن سلمان بن حمل بن قیذر یا نابت بن اسماعیل بن ابراہیم۔ ابن سعد نے ہشام بن محمد بن السائب عن ابیہ وغیرہ کے حوالے سے حضرت آدم علیہ السلام تک جو شجرہ لکھا ہے وہ یوں ہے: ابراہیم بن آزر (یہ نام قرآن مجید کی سورۃ الانعام میں مذکور ہے) بن تارح بن ناحور بن ساروغ (شروغ) بن ارغوا بن فالغ (فالخ) بن عابر بن شالخ (سالخ) بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام بن لمک بن متوشلخ (متوسلخ) بن اخنوخ (حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے) بن یرذ (یارذ یا یاذر) بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث (شث ان کا لقب ہبۃ اللہ ہے) بن آدم علیہ السلام۔ (طبقات ابن سعد، ج۱، ص۵۸-۵۹)

یہ تو مورخین کا بیان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

قائدینِ قوم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤاجداد میں ہر شخصیت اپنے اپنے دور میں بہت نمایاں اور ممتاز مقام کی حامل رہی ہے۔ سیادت وقیادت اور سخاوت ووجاہت، غرض ہر خوبی سے اللہ نے ان کو نوازا۔ آپ کے والد جناب عبداللہ آپ کی پیدائش سے بھی قبل بالکل تھوڑی ہی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ البتہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے لمبی عمر پائی۔ وہ بہت رعب دار شخصیت کے حامل تھے۔ انھوں نے بھی اپنے پوتے درّ یتیم کی طرح بچپن میں والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے یتیمی کا زخم کھایا تھا۔ ان کے چچا جناب مطلب بن عبدمناف نے ان کی بہت توجہ اور محبت کے ساتھ پرورش کی۔ طبقات میں ابن سعد نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا نام شیبۃ الحمد تھا (اپنے چچا مطلب کی کفالت، پرورش اور بے پناہ شفقت ومحبت کی

Marfat.com

وجہ سے ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا جسے وہ خود بھی پسند کرتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نام کی طرف اپنی نسبت فرمائی)۔

بنو قریش

عبدالمطلب کے والد ہاشم تھے، جن کا ایک نام عمرو بھی بیان ہوا ہے۔ ان کے والد عبدمناف کا نام مغیرہ تھا۔ مغیرہ کے والد مشہور عرب سردار قصیٰ تھے، جن کا اصلی نام ابن سعد کے مطابق زید تھا۔ وہ کلاب بن مرّہ بن کعب بن غالب بن فہر کے بیٹے تھے۔ فہر وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو قریش کے لقب سے موسوم کیا۔ زرقانی میں ایک شعر ہے:

اما قریش فالاصح فہر
جماعھا والاکثرون النضر

صحیح بات تو یہ ہے کہ فہر ہی کا نام قریش ہے [جس نے قبیلے کو یک جان و یک جا کیا]۔ البتہ اکثر لوگوں نے نضر کو یہ لقب دیا ہے۔ (سیرۃ النبیؐ، از شبلی نعمانی، جلد ۱، ص ۱۱۵)

اس شعر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فہر اور ان کے دادا نضر بن کنانہ دونوں میں سے کسی ایک نے قریش کا لفظ اپنے اور اپنے خاندان کے لیے استعمال کیا۔ معروف اور مستند یہی ہے کہ یہ فہر بن مالک تھے جن سے قرشیّت کا آغاز ہوا۔ نضر بھی بہت بارعب شخصیت کے مالک تھے اور ان کے پوتے فہر کو بھی اللہ نے عزت و احترام سے نوازا تھا۔

تولیتِ کعبہ

خانہ کعبہ کی تولیت اصلاً تو بنو اسماعیلؑ ہی کا استحقاق تھا، جنھوں نے اس کی تعمیر کی، لیکن مرور زمانہ سے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ایک دور ایسا بھی آیا کہ بنو خزاعہ حرم کے متولی بن گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے دادا جناب قصیٰ کو اللہ نے بڑی صلاحیتیں بخشی تھیں۔ ان کا

Marfat.com

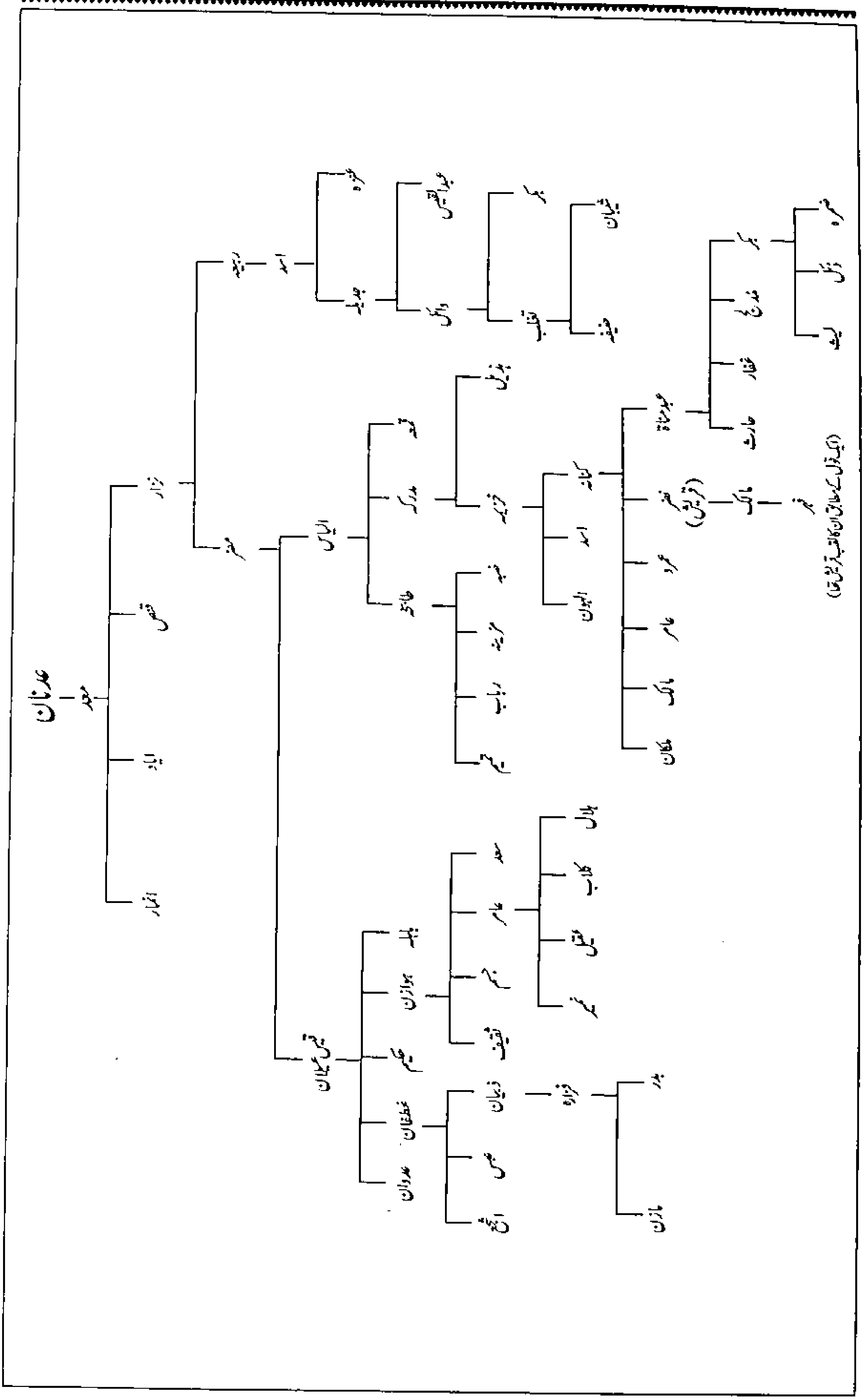

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۵۴)

Marfat.com

نسب قریش

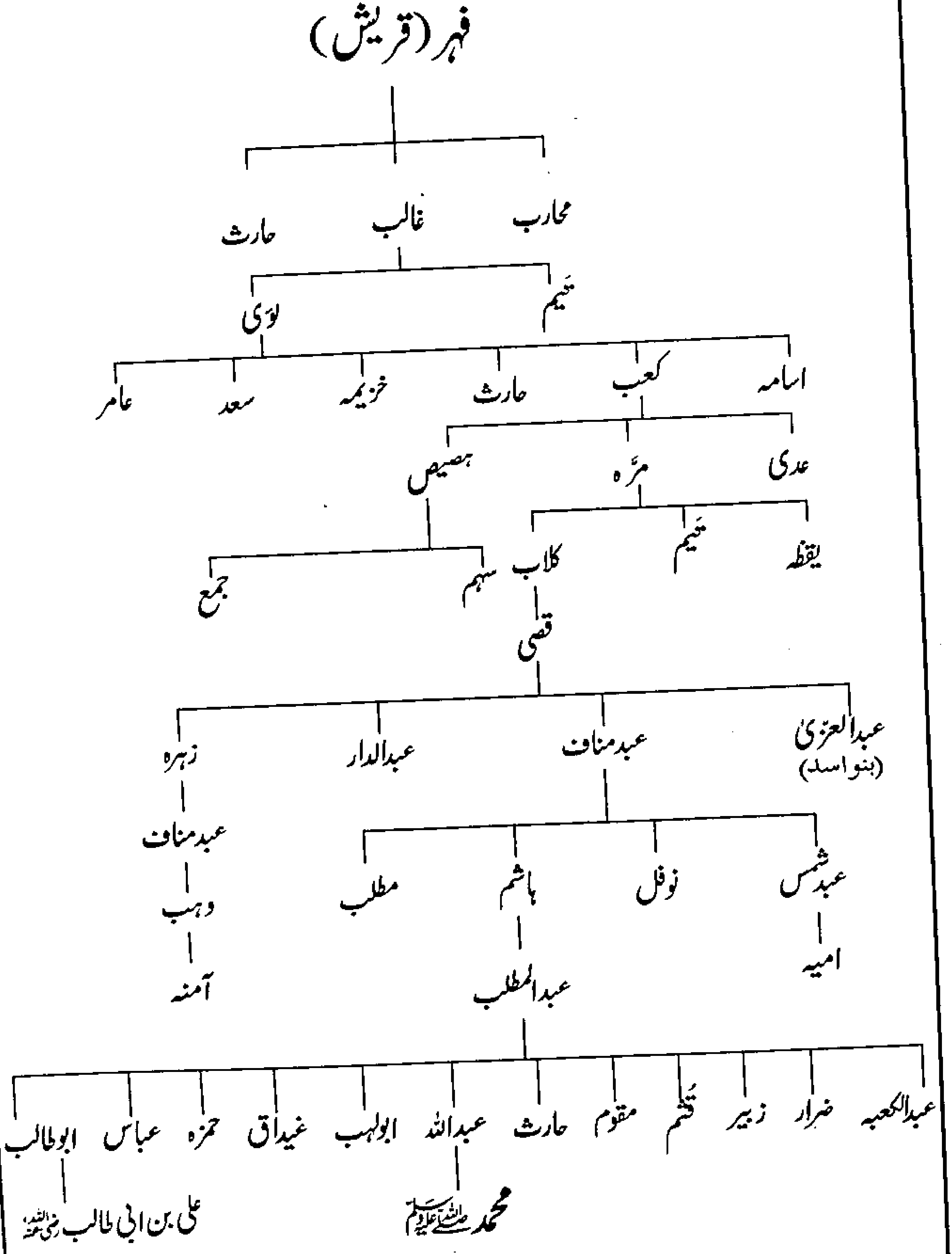

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابوخلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۵۶)

Marfat.com

ذہن بہت زرخیز اور سوچ نہایت سلیم اور دور رس تھی۔ ان کے دور میں خانہ کعبہ کے متولی حلیل خزاعی تھے۔ جناب قصی نے ان سے ان کی بیٹی حُبّی کا رشتہ اپنے لیے مانگا تو انھوں نے بخوشی اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا۔ حلیل اپنے داماد قصی کی قابلیت و ذہانت اور اخلاق کریمانہ کے بہت معترف تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ قصی کے اندر ان کے اپنے بیٹوں سے کہیں زیادہ صلاحیتیں ہیں۔ اپنی وفات کے وقت حلیل نے وصیت کی کہ ان کے مرنے کے بعد حرم کی خدمت و تولیت قصی کے سپرد کر دی جائے۔ اس کے نتیجے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ قصی بن کلاب کو خانہ کعبہ کا متولی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ قصی نے اپنا خاندانی شرف نہایت حکمت و دانائی سے دوبارہ حاصل کر لیا۔ عرب میں کسی کو کوئی مقام حاصل کرنے کے لیے ضرب و حرب کا راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔ جناب قصی نے بہت سوچ سمجھ کر یہ حکیمانہ حکمت عملی اختیار کی کہ اپنے لیے رشتہ طلب کیا اور جب یہ رشتہ ہو گیا تو اپنے اخلاق و کردار سے اپنے سسر کا دل جیت لیا۔ یوں انھیں وہ شرف ضرب و حرب کے بغیر حاصل ہو گیا جس کے لیے عربوں کی تاریخ میں خون ریزی کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔

قصی بن کلاب اور دار الندوہ

بیت اللہ شریف کے اندر، مشہور عمارت دار الندوہ کا تاریخ میں بڑا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ عمارت تعمیر کرنے کا سہرا بھی جناب قصی کے سر ہے۔ قریش جب بھی کوئی بڑا فیصلہ کرنا چاہتے تو یہیں پر تمام خاندانوں کے اصحاب الرائے بزرگ اور سردار جمع ہوتے اور موضوع متعلقہ پر بحث و مباحثے کے بعد فیصلہ کرتے، گویا یہ ان کی پارلیمان تھی۔ باہر سے آنے والے مہمانوں کو بھی یہاں ٹھہرایا جاتا۔ شادی نکاح کی تقریبات بھی یہاں منعقد ہوتیں۔ جنگی مہمات یا بیرونی ممالک کو بھیجے جانے والے تجارتی قافلوں کے بارے میں بھی یہیں فیصلے ہوتے۔ غرض اس عمارت کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ قصی کی شخصیت کے حوالے سے ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ

Marfat.com

انھوں نے اپنے دور میں تمام قریش کو دارالندوہ میں جمع کیا اور ایک جامع اور تاریخی خطاب فرمایا۔ اس خطاب کا تقریباً تمام مورخین نے تذکرہ کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۶۶-۶۹، سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۱۲۳-۱۲۶، البدایۃ والنھایۃ، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۳۵۹-۳۶۲)

تاریخی اور یادگار خطاب

اس تاریخی خطاب کے متعلق علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ انھوں نے تمام قریش کو کہا: "سیکڑوں، ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے، چنانچہ قریش نے [قصّی کی ترغیب پر] ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو مفت کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایامِ حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے، مشعرِ حرام بھی انھی کی ایجاد ہے، جس پر ایامِ حج میں چراغ جلائے جاتے تھے، چنانچہ العقد الفرید میں تصریح کی گئی ہے، قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انھی کو ملا۔ علامہ ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں یہ بھی لکھا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ قصّی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا، اس لیے ان کو قریش کہتے ہیں، کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اسی بنا پر ان کو مُجَمِّع [جمع کرنے والا] بھی کہتے تھے، چنانچہ شاعر کہتا ہے:

قصی ابوکم من یُسَمّٰی مُجَمِّعًا
به جَمَعَ اللّٰهُ الْقَبَائِلَ مِنْ فَهْرِ

تمھارے جدامجد قصّی کو مُجَمِّعُ کہا جاتا ہے۔ آلِ فہر سے تعلق رکھنے والے تمام قبائل کو اللہ نے اسی کے ذریعے مجتمع کیا۔ (سیرۃ النبیؐ، از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۱۶)

وجہ تسمیہ

قریش کے متعلق اور بھی عجیب اور دل چسپ مباحث تاریخ کی کتب میں لکھے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

مثلاً طبقات ابن سعد نے یہ عبارت لکھی ہے:

قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، قصی نے لوگوں کو ایک رشتے میں منسلک کیا، اس لیے قریش کہلائے، بعض کہتے ہیں کہ ایک مچھلی کا نام ہے، جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے، چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے، اس لیے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی گئی، عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے، لیکن سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلے کا نام ہے (ج ۱،ص ۷۰ و ۷۱ مطبع جمالیہ مصر، ۱۳۳۲ھ، ۱۹۱۴ء، ''ض'') جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر بچوں کے نام رکھتے تھے، مثلاً اسد، نمر وغیرہ اسی طرح مچھلی کے نام پر یہ نام معروف ہوا۔ مورخین یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جانوروں کی پرستش کرتے تھے اور ان جانوروں کے نام سے مشہور ہو جاتے تھے، لیکن عربی تاریخوں میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہ محض ایک گمان ہے۔

(طبقات ابن سعد، ج ۱،ص ۵۴-۵۹)

جنگ نہیں جرگہ!

جناب قصی کی اولاد کے بارے میں تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ان کے چھ بچے تھے، جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں: عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ، عبد بن قصی، تخمر اور برّہ۔ قصی بہت سمجھ دار آدمی تھے، مگر معلوم نہیں کس حکمت و مصلحت کے تحت انھوں نے مرتے وقت حرم کی خدمت کے تمام مناصب اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو سونپ دیے، حالانکہ اس کے اندر وہ صلاحیتیں نہیں تھیں جو اس منصب کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ قصی کے دوسرے بیٹے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدمناف کو قریش کی عمومی قیادت سونپی گئی۔ عبدمناف کے بھی چھ بیٹے تھے۔ جن میں سب سے نمایاں نام ہاشم بن عبدمناف کا ہے۔ جب ہاشم قیادت کے مقام پر سرفراز ہوئے تو انھوں نے اپنے بھائیوں سے مشورہ کیا کہ عبدالدار اور ان کی اولاد نے اپنے فرائض منصبی ٹھیک طرح ادا نہیں کیے جس کی وجہ سے حجاج وزائرین کو قسم قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

اس سے اللہ کے گھر کی شان میں بھی فرق آتا ہے اور قریش کے نام کو بھی بٹہ لگتا ہے۔ تمام حجاج وزائرین واپس جا کر تحسین کی بجائے تنقید و اعتراضات کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ہم لوگوں کی عزت پر حرف آتا ہے۔ اس لیے ان سے یہ مناصب واپس لے لینے چاہییں۔ جب عبدالدار کی اولاد کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے مناصب سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ آخر مشاورت سے طے ہوا کہ باہمی گفت وشنید کے ذریعے مسئلے کا پر امن حل نکالا جائے۔ اس کے مطابق خاندانوں کے درمیان طے پایا کہ سقایہ اور رفادہ (حاجیوں کو پانی پلانا اور کھانا کھلانا) ہاشم کو دے دیا جائے۔ چنانچہ بخیر وخوبی جنگ وجدل کے بغیر یہ فیصلہ روبہ عمل لایا گیا۔

ہاشم ایک عظیم شخصیت

ہاشم کے بارے میں مورخین نے ان کی جو خوبیاں بیان کی ہیں ان کا خلاصہ جناب شبلی نعمانی نے بہترین انداز میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زم زم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے، تجارت کو نہایت ترقی دی، قیصرِ روم سے خط وکتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسبابِ تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہلِ عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایہ تخت تھا۔ تجارتی قافلے انگوریہ میں جاتے تو قیصر نہایت عزت اور احترام سے خیر مقدم کرتا تھا۔

قریش کے مامون ہونے کی اصل وجہ

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے مختلف قبائل میں دورے کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے، جس کے صلے میں کاروانِ

Marfat.com

قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائے گا اور ان سے خرید وفروخت کرے گا۔ یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔

یہ علامہ شبلی کا تجزیہ ہے اور اس میں یقیناً وزن ہے تاہم ہمارے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ قریش کے حرم بیت اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے اللہ نے ان کو تمام قبائل، اقوام اور علاقوں میں ایک خاص عزت واحترام عطا فرمادیا تھا۔ قرآن پاک میں اللہ کا ارشاد ہے:

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ (قریش ۱۰۶:۱-۴)

چوں کہ قریش مانوس ہوئے، (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس، لہٰذا ان کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (القصص ۲۸:۵۷)

وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمھارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے ایک پرامن حرم کو ان کے لیے جائے قیام بنادیا جس کی طرف ہر طرح کے ثمرات کھچے چلے آتے ہیں، ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝ (العنکبوت ۲۹:۶۷)

کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ایک پرامن حرم بنادیا ہے، حالانکہ ان کے گردو پیش لوگ

Marfat.com

اچک لیے جاتے ہیں۔ کیا پھر بھی یہ لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہیں؟

قرآن مجید کی مندرجہ بالا اور کئی دیگر آیات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے گھر کی حرمت و برکت کی بدولت قریش کو ایک خاص عزت عطا فرمائی تھی۔ علاقہ بھر کے قبائل اور قریبی ممالک کی آبادیاں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ یہ بنیادی عامل تھا جس نے ان کو بلد الحرام ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں امن وامان سے نواز دیا تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ مختلف تاریخی ادوار میں آلِ اسماعیلؑ کے زیرک اور جہاندیدہ سپوت اپنی مہارت وقابلیت سے بادشاہوں اور گردونواح کے رئیسان سے معاہدے بھی کرتے رہے جن سے اہلِ مکہ مستفید ہوئے۔

قرآن مجید کی مندرجہ بالا اور کئی دیگر آیات کی روشنی میں قریش کے قافلوں کی عزت اور ہر علاقے میں امن وامان کی حالت اللہ کا خاص انعام اور بیت اللہ شریف کی برکت تھی۔ البتہ اس بات سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ قریش کے مختلف سرداروں نے اپنے اپنے ادوار میں گردونواح کے حکمرانوں اور روسا کے ساتھ معاہدے بھی کیے ہوں گے۔

ہاشم منبعِ خیر

جناب ہاشم کی شخصیت سراپا خیر تھی۔ ایسے لوگ انسانیت کے لیے عظیم نعمت ہوتے ہیں۔ ان کے صلب سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں آنا تھا، آخر کیوں نہ ایسا ہوتا۔ ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا۔ ہاشم نے اس قحط میں شوربہ اور روٹیاں چورا کر کے لوگوں کو کھلائیں۔ اس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوگیا، عربی میں چورا کرنے کو ہشم کہتے ہیں، جس کا اسم فاعل ہاشم ہے۔ ہاشم بن عبدمناف بہت بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ جسم مضبوط، چہرہ خوب صورت اور گفتگو میں شائستگی اور قائدانہ رعب۔ پیشے کے لحاظ سے تاجر تھے۔ تجارت میں اللہ خوب نفع دیتا تھا اور اس نفع میں سے صلہ رحمی، غریب پروری اور مہمان نوازی کا خوب حق ادا کرتے تھے۔ بسلسلہ تجارت

Marfat.com

شام کا سفر درپیش تھا۔ اس سفر میں ہمیشہ جاتے اور آتے یثرب میں رکا کرتے تھے۔ یہاں بنوخزرج کے ساتھ دوستیاں بھی تھیں اور رشتہ داری بھی۔

مبارک شادی

ہاشم ایک مرتبہ شام جاتے ہوئے جب مدینہ میں رکے تو اتفاق سے مدینہ کا سالانہ میلہ لگا ہوا تھا۔ میلہ دیکھنے کے لیے گئے تو وہاں ایک نہایت مہذب خاتون کو دیکھا۔ اس کے اندازِ گفت وشنید سے سمجھ گئے کہ وہ حسین وجمیل ہونے کے ساتھ انتہائی سمجھدار اور حیادار بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس خاتون کا تعلق یثرب کے مشہور قبیلے بنی خزرج کے نامور خاندان بنی نجار سے ہے۔ ہاشم کے ل میں خیال پیدا ہوا کہ اس خاتون سے شادی کرلیں۔ حقیقت میں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے طے شدہ ہوتا ہے۔ معلوم کیا تو پتا چلا کہ خاتون کا نام سلمٰی ہے۔ اس کے خاندان سے رابطہ کیا، رشتہ مانگا تو بنونجار نے بخوشی رشتہ دے دیا۔ وہ ہاشم اور اس کے خاندان کی قدر ومنزلت سے اچھی طرح واقف تھے۔ شادی ہوگئی، انھوں نے کچھ دن یثرب میں قیام کیا، پھر اپنے تجارتی سفر پر شام کی طرف چلے گئے۔

ہاشم کا مدفن غزّہ

اسی سفر کے دوران میں اجل مسمّٰی آگئی اور غزّہ کے تاریخی مقام پر قریش کے اس عظیم سردار کا انتقال ہوگیا۔ اس دوران میں ان کی اہلیہ سلمٰی حاملہ ہوچکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام شیبۃ الحمد رکھا گیا۔ یہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا محترم جناب عبدالمطلب ہیں۔ کیا خوب مماثلت ہے، دادا اور پوتے میں! دادا بھی رحم مادر میں تھا کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور پوتا بھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ ان کے والد گرامی عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ہاشم مدینہ سے شام کی طرف جاتے ہوئے غزہ میں فوت ہوئے اور ان کے پوتے عبداللہ بھی شام سے مکہ آتے ہوئے مدینہ میں رکے اور وہاں موت کا پیغام آگیا۔ (سیرۃ ابن هشام، القسم الاول، ص۱۳۶-۱۳۸، طبقات ابن سعد، ج۱، ص۷۵-۷۹، البدایۃ

Marfat.com

والنہایۃ، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۶۳)

چچا بھتیجے کی ملاقات

عبدالمطلب (شیبہ) نے اپنے ننھیال میں بچپن کے ابتدائی سال گزارے۔ ان کے ننھیالی خاندان کا ہر فرد بڑے، چھوٹے مرد وخواتین ان سے محبت کرتے تھے۔ ہاشم کے بھائی مطّلب کو اس واقعہ کا علم کئی سال بعد ہوا۔ حقیقت معلوم ہونے پر وہ مدینہ پہنچے۔ اپنے بھتیجے کے بارے میں معلومات لیں اور اس تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اپنے بھائی کے سسرالی خاندان سے مل کر انھیں بے انتہا خوشی ہوئی کہ وہ بہت اعلیٰ پائے کا خاندان ہے، جس میں شرافت ونجابت اور تمام خوبیاں موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے نواسے کے چچا کی اتنی خاطر مدارت کی کہ انھیں اپنے بھائی ہاشم کے اس فیصلے پر شرح صدر حاصل ہوا۔ اپنے بھتیجے کو ملتے ہی گلے لگالیا، اس کا ماتھا چوما اور یوں محسوس ہوا جیسے بھتیجا بھی ان سے پوری طرح مانوس ہے۔ اس وقت شیبہ کی عمر تقریباً آٹھ برس تھی۔ چار دن قیام کرنے کے بعد مطلب نے اپنے میزبانوں سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے بھتیجے کو اپنے ساتھ مکہ لے جائیں۔ انھوں نے بخوشی اجازت دی۔

شیبۃ الحمد سے عبدالمطلب

مطلب نے اپنے بھتیجے کی پرورش یوں کی کہ قریش کے تمام لوگ حیران تھے کہ وہ اپنے بچوں سے کہیں زیادہ اپنے یتیم بھتیجے کا خیال رکھتے تھے۔ شیبہ میں بھی اللہ نے قیادت وسیادت کی صلاحیت بدرجہ اتم پیدا کی تھی۔ چچا کا حسن سلوک ضرب المثل بن گیا اور شیبہ بن ہاشم اپنے اصلی نام سے زیادہ عبدالمطلب کے نام سے معروف ہوگئے۔ لفظی معنی ہے مطلب کا غلام۔ انھوں نے بخوشی یہ نام اختیار کیا تھا اور اس پر وہ فخر کرتے تھے۔ بہت سے عرب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عموماً ابن عبدالمطلب کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اسی نام کو اختیار کیا۔ آپؐ نے کئی بار کہا: انا ابن

Marfat.com

عبدالمطلب یعنی میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ غزوۂ حنین کا مشہور واقعہ ہے جس میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہے اور مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ اس موقع پر آپ کی زبان اقدس پر یہ الفاظ تھے:

انا النبی لَا کذب
انا ابن عبدالمطلب

(صحیح بخاری، باب یوم حنین، عن براء ابن عازبؓ)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

چاہِ زم زم اور آلِ عبدالمطلب

چاہِ زم زم کی بندش

عبدالمطلب اہلِ قریش کے درمیان بہت معزز اور محترم شخصیت تھے۔ اللہ نے ان کو بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ اپنے چچا مطلب کے احسانات کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے۔ انھوں نے مطلب کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا۔ تاریخی لحاظ سے بھی ان دونوں خاندانوں کے درمیان اتنا قریبی اور گہرا تعلق تھا کہ کوئی چچیرے بھائی آپس میں ایسا تعلق نہ رکھتے ہوں گے۔ عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص رعب عطا فرمایا تھا کہ ان کی مجلس میں ان کی گفتگو کے دوران خاموشی چھا جاتی تھی۔ سقایہ اور رفادہ بنو ہاشم کے پاس تھا۔ کافی عرصہ قبل چاہِ زم زم مرورِ ایام سے بند ہو گیا تھا۔ اس کا محل وقوع بھی صحیح طرح سے معلوم نہ ہو پا رہا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبدالمطلب کے دل میں یہ بات ڈالی کہ چاہِ زم زم کو دوبارہ کھودا جائے۔ کئی دن رات وہ سرگرداں رہے، آخر اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ مقام دکھا دیا جہاں سے یہ چشمۂ صافی پھوٹتا ہے۔ یہ ان کا بڑا تاریخی کارنامہ ہے کہ انھوں نے چاہِ زم زم دوبارہ کھودا اور وہ آج تک جاری وساری ہے۔

قریش کی رکاوٹ اور عبدالمطلب کی منّت

چاہِ زم زم کی کھدائی کے حوالے سے تمام سیرت نگاروں نے بہت دل چسپ واقعات بیان کیے ہیں۔ ایک واقعہ یوں بیان ہوا ہے کہ جب عبدالمطلب نے چاہِ زم زم کی کھدائی کا کام شروع کیا تو قریش کے دیگر قبائل اس میں آڑے آ گئے۔ اس پر انھوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ انھیں دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ جائیں تو وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر چاہِ زم زم

Marfat.com

کو کھودیں گے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انھوں نے یہ منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے دس بیٹے عطا فرمائے تو وہ ایک بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کر دیں گے۔ اللہ نے ان کی یہ آرزو پوری کی اور دس بیٹے جوانی کی عمر کو پہنچے۔ اب انھوں نے قرعۂ فال ڈالا تو اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ کی بہنیں رونے لگیں اور انھوں نے اپنے والد سے کہا کہ ہمارے بھائی کے بدلے میں دس اونٹ ذبح کر دیں۔

ذبیح ابن ذبیح

عبدالمطلب خود بھی اپنے پیارے بیٹے کو قربان کرنے کی بجائے کوئی متبادل صورت سوچ رہے تھے، پھر ان کی بہنوں کا اصرار اور تجویز بھی معقول تھی۔ چنانچہ اس تجویز پر عمل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے عبداللہ کو اسی طرح محفوظ رکھا جس طرح ان کے جدامجد اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کو چھری سے بچا کر مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا۔ وہ مینڈھا جنت سے آیا تھا اور جبریلؑ لے کر آئے تھے۔ عبداللہ کے بدلے میں اسی زمین پر چلنے پھرنے والے جانوروں یعنی اونٹوں کی قربانی کا فیصلہ ہوا۔ یوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذبیح ابن ذبیح ہیں۔

عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا تو بھی عبداللہ ہی کا نام نکلا۔ دس دس اونٹ بڑھا کر کئی مرتبہ قرعہ ڈالا تو ہر مرتبہ عبداللہ ہی کا نام نکلا۔ یہاں تک کہ اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔ اب قرعہ ڈالا تو سو اونٹوں پر نکل آیا۔ یوں عبدالمطلب نے عبداللہ کے بدلے میں سو اونٹ ذبح کیے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کا مرتبہ بلند کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ آپؐ نے حقیر لوگوں کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچانا تھا۔ آپ کے والد کی قربانی کا واقعہ یہ بتا رہا ہے کہ انسان کا مقام کس طرح بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔ دس اونٹوں کی جگہ اب انسان کے خون بہا کی مقدار دس گنا بڑھ گئی۔ اسماعیلؑ کی قربانی کا واقعہ قرآن وحدیث میں تفصیلاً آیا ہے اور پچھلے صفحات میں اس کا خلاصہ گزر چکا ہے۔ جناب عبداللہ کی قربانی کا واقعہ مستند حوالوں سے تاریخ میں محفوظ ہے۔

Marfat.com

اولادِ عبدالمطلب

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبداللہ کو بھی آپ کے جد اعلیٰ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی طرح ذبیح اللہ کہا گیا ہے۔ اس طرح آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ ابن ذبیحین ہیں یعنی اللہ کے راستے میں قربان کیے جانے والے دو باپ اپنے نسب میں رکھتے ہیں۔ عبدالمطلب نے اونٹوں کی قربانی کرنے کے بعد اپنے ارادے پر یک سوئی کے ساتھ عمل درآمد کا فیصلہ کیا۔ اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر کھدائی شروع کی تو قریش کے دیگر قبائل نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی، مگر ان کی دال نہ گلی اور چاہِ زم زم کو دوبارہ بحال کرنے کا اعزاز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد کو حاصل ہو گیا۔ انھوں نے چاہِ زم زم کو کھدوایا اور نئے سرے سے اس کا انتظام وانصرام درست کیا تو سب لوگوں کے لیے یہ ایک صدقۂ جاریہ بن گیا۔ عبدالمطلب نے دس بیٹوں کی منت مانی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بارہ بیٹے عطا فرمائے اور چھ بیٹیوں کی رحمت سے بھی نوازا۔ دو بیٹے اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے۔ گویا وہ مقدس منت مزید انعامات کا سبب بنی۔ عربوں کے ہاں ہی نہیں پوری دنیا میں مال ودولت کی فراوانی اور بیٹوں کی کثرت شان وشوکت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ جناب عبدالمطلب کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱- حارث بن عبدالمطلب: انھی کے نام سے عبدالمطلب ابوالحارث کی کنیت سے معروف تھے۔ یہ اپنے والد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ مشہور صحابی سفیان بن حارث انھی کے بیٹے تھے۔

۲- زبیر بن عبدالمطلب: زبیر کو عبدالمطلب نے اپنا جانشین بنایا۔

۳- ابوطالب بن عبدالمطلب: ان کا نام عبدالکعبہ اور عبدمناف بھی بیان ہوا ہے۔ اپنے بیٹے طالب کی نسبت سے ابوطالب کہلائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور ابوطالب ایک والدہ سے تھے۔

۴- عبداللہ بن عبدالمطلب: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی قدر۔ یہ بھی اپنے والد کی

Marfat.com

زندگی ہی میں عنفوان شباب میں انتقال کر گئے تھے۔

۵۔ ابولہب بن عبدالمطلب: اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور کنیت ابوعتبہ تھی۔ سرخ وسفید چہرے کی وجہ سے والد نے اس کو ابولہب کہا اور یہی نام مشہور ہو گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ قرآن پاک میں سورۂ لہب میں اس کا نام لے کر اللہ نے اس پر لعنت بھیجی ہے۔

۶۔ قثم بن عبدالمطلب: ابن سعد کے مطابق یہ لاولد فوت ہو گئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے قثم کا نام اپنے اسی بھائی کے نام پر رکھا تھا۔

۷۔ ضرار بن عبدالمطلب: یہ اپنی خوب صورتی اور حسن و جمال کے ساتھ سخاوت و فیاضی کی وجہ سے بھی تمام قریش میں ممتاز اور معروف تھے۔

۸۔ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب: اسد اللہ واسد رسولہ، بدر کے معرکے میں بہترین کارنامے سرانجام دیے اور احد کے میدان میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ شہادت کے بعد کفار نے ان کے جسد اطہر کا مثلہ کیا، جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی رنجیدہ ہوئے اور آپؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے ان کفار پر فتح عطا فرمائی تو میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔ بعد میں اللہ نے آیت نازل فرمائی: وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۝۱۲۶ (النحل ۱۶:۱۲۶)۔ اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لو، جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے ارادے سے رجوع فرما لیا اور زندگی بھر کبھی کسی کا مثلہ نہیں کیا، بلکہ سخت الفاظ میں اس سے منع فرمایا۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۳۶-۲۳۷)

۹۔ المقوم بن عبدالمطلب

۱۰۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب: صحابی رسولؐ جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے باپ

Marfat.com

کے برابر قرار دیا۔

۱۱- حجل بن عبدالمطلب: ان کا نام مغیرہ بھی مورخین نے بیان کیا ہے۔

۱۲- الغیداق بن عبدالمطلب: ان کا نام مصعب بھی بیان ہوا ہے۔ ان کی ماں کا نام ممنعہ بنت عمرو تھا۔ ان کے ماں جائے بھائی عوف بن عبدعوف تھے، جو مشہور صحابی [یکے از عشرہ مبشرہ] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے والد تھے۔

بنات عبدالمطلب

جناب عبدالمطلب کے بارہ بیٹوں کے علاوہ اللہ نے انھیں چھ بیٹیاں بھی عطا فرمائیں۔ ان کی بیٹیوں کے نام بھی تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس ریکارڈ کے مطابق چھ بیٹیوں کے نام ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

۱- ام حکیم بنت عبدالمطلب: جن کا اصلی نام البیضاء تھا۔

۲- عاتکہ بنت عبدالمطلب

۳- برّہ بنت عبدالمطلب

۴- امیمہ بنت عبدالمطلب

۵- اروٰی بنت عبدالمطلب

۶- حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب: مشہور صحابیہ اور حواریٔ رسولؐ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ [یکے از عشرہ مبشرہ] کی والدہ محترمہ تھیں۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھابی بھی لگتی تھیں۔ عوّام بن خویلد حضرت خدیجہؓ کے سگے بھائی تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امہات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ آمنہ بنت وہب بن عبدالمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ہیں۔ ان کی والدہ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نانی کا نام برّہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصیٰ بن کلاب ہے۔ نانی محترمہ کی والدہ ام حبیب بنت اسد بن عبدالعزی

Marfat.com

بن قصیٰ بن کلاب ہیں۔ ان کی والدہ کا نام بھی آپ کی نانی اماں کی طرح برّہ ہے، برّہ بنت عوف بن عویج بن عدی بن کعب بن لوی۔ ان کی والدہ کا نام قلابہ بنت الحارث بن مالک بن حباشہ بن غنم، بن لحیان بن عادیہ بن صعصعہ بن کعب بن ہند بن طابخہ بن لحیان بن ہذیل بن مدرکہ ابن الیاس بن مضر ہے۔ ابن سعد نے اس سلسلے کو کئی پشتوں تک لکھا ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ سو ماؤں کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سب کی سب پاک دامن اور عفیفہ خواتین تھیں۔ جو شائقین پوری فہرست دیکھنا چاہیں، وہ طبقات ابن سعد میں دیکھ سکتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ج۱، ص۵۹-۶۰)

امام ابن کثیرؒ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب کے حوالے سے صفحہ ۳۴۵ پر ذکر باب بنی اسماعیل اور صفحہ ۳۵۶ پر الکلام علی قریش، صفحہ ۳۵۹ خبر قصی بن کلاب کے تحت تفصیلات لکھی ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں صفحہ ۵۵ سے ۵۹ تک اس موضوع پر اپنی تحقیق کا خلاصہ دیا ہے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ، جلد اول اور طبقات ابن سعد، جلد اول، کے متعلقہ صفحات)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

واقعہ ابرہہ

ابرہہ کا عروج

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اپنے ایک سپہ سالار ابوصحم ارباط کو چار ہزار فوج دے کر یمن بھیجا تھا۔ ارباط نے یمنی سرداروں پر غلبہ حاصل کر کے ملک کو مسخر کر لیا اور اہل عزت کو ذلیل کر ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یمن کا قدیم بادشاہی قبیلہ بھی محتاج بنا دیا گیا اور غربا و فقرا کو تو حد سے زیادہ ذلیل کر دیا گیا۔ اس شکست و ریخت سے جو حالات مرتب ہوئے ان کی بنا پر اہل یمن میں ایک شدید ردِّعمل پیدا ہوا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر یمن میں مقیم حبشہ کا ایک شخص جس کا نام ابرہہ الاشرم تھا اٹھ کھڑا ہوا اور اہلِ یمن کو اپنی اطاعت کی دعوت دی۔ لوگوں نے اس کی دعوت قبول کی اور ارباط کے خلاف بغاوت کر دی۔ اہل یمن کے ساتھ مل کر ابرہہ نے ارباط کو مار ڈالا اور یمن اس کے قبضے میں آ گیا۔ اب ابرہہ یمن کا حکمران اور نجاشی کا اطاعت گزار تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۳۵-۳۳۶)

حبشی حکمران کے برے ارادے

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد ابرہہ نے دیکھا کہ حج کے موسم میں لوگ حج بیت اللہ کی تیاری کا سامان کر رہے ہیں تو اس نے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ جا رہے ہیں۔ اس نے دریافت کیا کہ بیت اللہ کس چیز سے بنایا گیا ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ پتھر سے، پھر پوچھا کہ اس کی پوشش کیا ہے؟ کہا گیا کہ یہاں سے جو دھاری دار کپڑے جاتے ہیں وہی اس کی پوشش کے کام آتے ہیں۔ یہ سن کر ابرہہ نے کہا مسیح کی قسم! میں

Marfat.com

تمھارے لیے اس سے اچھا گھر تعمیر کروں گا۔ بالآخر اس نے ایک عمارت تعمیر کرلی جسے وہ خانہ کعبہ یعنی بیت اللہ الحرام کا متبادل بنانا چاہتا تھا۔ اپنے شیطانی ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے پوری منصوبہ بندی کرلی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کائنات کا مالک ربّ ہے۔ نشۂ اقتدار میں بدمست دنیادار حکمران بھول جاتے ہیں کہ ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں وہ اپنی چالیں چلتے ہیں، مگر اللہ کا اپنا منصوبہ ہوتا ہے: وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (آلِ عمران ۳:۵۴)

جعلی کعبہ

ابرہہ نے اہلِ یمن کے لیے یہ گھر سفید، سرخ، زرد و سیاہ پتھروں سے بنایا جو سونے چاندی سے مزیّن اور جواہرات سے مرصّع کیا گیا تھا۔ اس میں کئی دروازے رکھے گئے تھے جن میں سونے کی تختیاں اور زریں گل میخیں جڑی گئی تھیں اور بیچ بیچ میں ہیرے جواہر بھی لگائے گئے تھے۔ اس مکان میں ایک سرخ رنگ کا بڑا سا بیش قیمت یاقوت لگا ہوا تھا۔ ریشم کے قیمتی کپڑے کا غلاف اس عمارت پر ڈالا گیا تھا۔ مقام مندل کا عود جو خوشبویات کے لیے مشہور تھا، اسے لوبان کے ساتھ ملاکر سلگایا جاتا تھا کہ عمارت کا ماحول معطر رہے۔

جہلا کا عملِ باطل

لوگوں کو اس نوتعمیر شدہ معبد کا حج کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔ کئی قبائل چند سالوں تک اس جعلی کعبے کا حج کرتے رہے۔ عبادت، رہبانیت، زہد اور نام نہاد پارسائی کے لیے متعدد اشخاص اس شیطانی عمارت میں معتکف بھی رہتے تھے اور مختلف مناسک یہیں ادا کرتے تھے۔ جہلا اور سفہا کا یہ اقدام شیطان کی سوچوں کا غماز تھا اور شیطان اس صورت حال پر خوش تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود کچھ لوگ چھپ چھپا کر خانہ کعبہ کی طرف حج و عمرہ کے لیے چلے جاتے تھے۔ جو قبائل یمن کی سرحدوں پر آباد تھے، وہ اس نوتعمیر شدہ عمارت کی طرف آنے سے گریزاں اور بیت اللہ کی طرف سفر کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ خود دارالحکومت میں رہنے والے عرب بھی اس عمارت سے

Marfat.com

نفرت کرتے تھے کیوں کہ انھوں نے کبھی دل سے اس کا تقدس تسلیم نہ کیا تھا۔

عربی حمیت

بنو خثعم کے ایک غیرت مند عرب کے دل میں بیت اللہ شریف کی محبت اور اس نئے عبادت خانے سے شدید نفرت تھی۔ اس نے نیت کر رکھی تھی کہ اس عبادت خانے کے متعلق کوئی مکروہ حرکت کرے گا تاکہ اس کے تقدس کا بھید کھل جائے۔ اس دوران کچھ عرصہ گزر گیا۔ آخر ایک تاریک اور خاموش رات میں جب اس عرب نے کسی متنفس کو جنبش کرتے نہ دیکھا تو اٹھا اور نجاست وغلاظت اٹھا لایا۔ پھر اس نے صومعہ کی عمارت کو اس سے آلودہ کر دیا اور بہت سی گندگی جمع کر کے اس کے اندر بھی ڈال دی۔ یہ کام اگرچہ اس عرب نے قومی حمیت کے تحت کیا تھا، مگر خانہ کعبہ کی محبت اس کی بنیاد بنی تھی۔ ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا: ''کسی عرب نے فقط اپنے آباؤ اجداد کے گھر (کعبۃ اللہ) کے لیے غضب میں آکر یہ حرکت کی ہے، میں اس کی عقیدت کے مرکز کو ڈھا دوں گا اور اس کے ایک ایک پتھر کو توڑ ڈالوں گا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری!(سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۴۶-۴۷)

لشکرِ جرار اور ہاتھی

حبشہ کے بادشاہِ وقت نجاشی کو ابرہہ نے ایک ایلچی کے ذریعے اس واقعہ کی اطلاع دی اور اس سے درخواست کی کہ اپنا ہاتھی جس کا نام محمود تھا بھیج دے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ہاتھی ایسا تھا کہ عظمت وجسامت اور قوت کے لحاظ سے روئے زمین پر کسی نے اس کی نظیر نہ دیکھی تھی۔ نجاشی نے ابرہہ کی درخواست قبول کر کے یہ ہاتھی اس کے پاس یمن بھیج دیا۔ یہ ہاتھی جب ابرہہ کے پاس آیا تو ابرہہ مکہ پر چڑھائی کرنے کے لیے فوج لے کر نکلا۔ اس کی فوج میں ہزاروں کا لشکر اور اس کے ساتھ تیرہ ہاتھی بھی تھے۔ کئی عرب مجبوری یا مصلحت کے تحت اس کے ساتھ ہو لیے۔ انھی میں حمیر کے بادشاہ اور بنو خثعم کے رئیس نفیل بن حبیب الخثعمی بھی تھے۔ ان دونوں نے ابرہہ کا مقابلہ کیا تھا، مگر اس سے شکست کھائی اور گرفتار ہو گئے۔ ابرہہ نے انھیں قتل کرنے کی بجائے اپنے ساتھ اس

Marfat.com

مہم جوئی میں شمولیت کی دعوت دی۔ اس لیے یہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً اس فوج میں شامل ہوئے۔ حرم کے قریب پہنچے تو ابرہہ نے فوج کو حکم دیا کہ لوگوں کی بھیڑ بکریاں، مال مویشی اور اونٹ لوٹ لیں۔ اس حکم کے مطابق سپاہیوں نے چھاپا مارا اور دیگر لوگوں کے مویشیوں کے علاوہ سردارِ قریش جناب عبدالمطلب کے کچھ اونٹ بھی پکڑ لیے۔ (البدایة و النهایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۳۶، سیرة ابن هشام، القسم الاول، ص ۴۳-۴۵)

عبدالمطلب کی ابرہہ سے ملاقات

نفیل عبدالمطلب کا دوست تھا۔ اونٹوں کے متعلق عبدالمطلب نے اس سے بات چیت کی تو وہ انھیں اپنے ساتھ لے کر ابرہہ کے پاس گیا اور اس سے کہا: اے شہنشاہ! تیرے حضور میں ایسا شخص آیا ہے جو تمام عرب کا سردار ہے، فضل و عظمت اور شرف و عزت میں سب پر فائق ہے۔ لوگوں کو اچھے اچھے گھوڑوں پر سوار کراتا ہے، انتہائی سخی ہے کہ عطیات دیتا ہے، مہمان نواز ہے کہ لوگوں کو کھلے دل سے کھانا کھلاتا ہے اور جب تک ہوا چلتی ہے (یعنی جب تک دنیا قائم ہے) یہی اس کا وتیرہ و شیوہ ہے۔ نفیل نے اس تقریر کے بعد اکرام و اعزاز کے ساتھ عبدالمطلب کو ابرہہ کے سامنے پیش کیا۔ ابرہہ نے عبدالمطلب سے ان کے آنے کی وجہ پوچھی تو عبدالمطلب نے کہا: رُدَّ عَلَیَّ اِبِلِیْ۔ یعنی مجھے میرے اونٹ واپس دے دو۔ ابرہہ نے کہا: انی اریٰ مابلغنی عنک الا الغرور وقد ظننتُ انک تکلمنی فی بیتکم هذا الذی سبب شرفکم۔ یعنی میری رائے ہے کہ تیرے متعلق جو اطلاع مجھے ملی وہ محض دھوکے پر مبنی تھی، میں تو اس گمان میں تھا کہ تو مجھ سے اپنے اس گھر کے متعلق گفتگو کرے گا، جس کے ساتھ تم سب کی عزت و شرف وابستہ ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا: رُدَّ عَلَی اِبِلِیْ، وَدُوْنَکَ وَالْبَیْتَ، فَاِنّ لَهٗ رَبًّا سَیَمْنَعُهٗ۔ یعنی مجھے میرے اونٹ واپس دے دے، بیت اللہ کے ساتھ جو چاہے کر کیونکہ اس گھر کا ایک پروردگار ہے، عن قریب وہ خود ہی اس کی حفاظت فرمائے گا۔

Marfat.com

دعائے خالص

ابرہہ نے حکم دیا کہ عبدالمطلب کے اونٹ واپس دے دیے جائیں۔ جب اونٹ مل گئے تو عبدالمطلب نے ان کے سموں پر چمڑے چڑھا دیے، ان پر نشان لگا دیے اور ان کو قربانی کے لیے مخصوص کر کے حدودِ حرم میں چھوڑ دیا کہ انھیں دشمن پکڑیں گے تو پروردگارِ حرم غضب ناک ہوگا اور ان سے انتقام لے لے گا۔ ابرہہ سے ملاقات کر کے واپس آئے تو عبدالمطلب حرا پر چڑھ گئے، ساتھ میں عمرو بن عاید بن عمران بن مخزوم، مطعم بن عدی اور ابومسعود ثقفی تھے۔ واقعہ ابرہہ کی اہمیت اپنی جگہ پر یوں بھی تاریخ میں مسلّم ہے، لیکن اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا پر واضح کر دیا کہ بیت اللہ کا نگہبان و محافظ خود خالقِ کائنات ہے۔ عبدالمطلب اور دیگر سرداروں نے خانہ کعبہ کے غلاف سے لپٹ کر ایک اللہ سے اپنے اور خانہ کعبہ کی حفاظت کے لیے گڑگڑا کر دعائیں بھی کیں، جن کا تذکرہ کتب سیرت میں تفصیلاً آیا ہے۔ مفسرین نے بھی سورہ الفیل کی تفسیر میں مکمل تفصیلات لکھی ہیں۔

دوسرے اس واقعہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس سال اندھیری دنیا میں وہ نورِ مبین اور سراجِ منیر تشریف لائے جن کے وجودِ مسعود سے دنیا منور ہوئی اور اندھیرے پسپا ہوگئے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ قریش جو شرک میں مبتلا ہو چکے تھے اس واقعہ کے بعد سات یا بعض روایات کے مطابق دس سال تک توحید پر قائم رہے اور شرک سے مکمل طور پر اجتناب کیا۔ چوتھی اہم بات یہ ہے کہ اسی عرصے میں بہت سی شخصیات دنیا سے رخصت ہوئیں جن میں بالخصوص نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور آپؐ کے دادا محترم قابلِ ذکر ہیں۔

اس پورے واقعہ کو جس موثر انداز میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتا۔ ہم قارئین کے لیے قندِ مکرر کے طور پر ان کی زندۂ جاوید عبارت پیش کر رہے ہیں جو اگرچہ طویل ہے، مگر اس موضوع کا حق ادا نہ ہوگا اگر ہم اس میں زیادہ کانٹ چھانٹ کریں گے۔ آپ لکھتے ہیں:

Marfat.com

سیاسی، معاشی اور مذہبی مقاصد

یمن میں پوری طرح اپنا اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے اس مقصد کے لیے کام شروع کر دیا جو اس مہم کی ابتدا سے رومی سلطنت اور اس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا، یعنی ایک طرف عرب میں عیسائیت پھیلانا اور دوسری طرف اس تجارت پر قبضہ کرنا جو بلادِ مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان عربوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ یہ ضرورت اس بنا پر اور بڑھ گئی تھی کہ ایران کی ساسانی سلطنت کے ساتھ روم کی کشمکشِ اقتدار نے بلادِ مشرق سے رومی تجارت کے دوسرے تمام راستے بند کر دیے تھے۔

کلیسا میں غلاظت اور آتش زنی

ابرہہ نے اس مقصد کے لیے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا جس کا ذکر عرب مورخین نے اَلْقَلِیس یا اَلْقُلَیس یا اَلْقُلَّیس کے نام سے کیا ہے۔ (یہ یونانی لفظ Ekklesia کا معرب ہے اور اردو کا لفظ کلیسا بھی اسی یونانی لفظ سے ماخوذ ہے)۔ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس کام کی تکمیل کے بعد اس نے شاہِ حبش کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس نے یمن میں علی الاعلان اپنے اس ارادے کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرادی۔ اس کی اس حرکت کا مقصد ہمارے نزدیک یہ تھا کہ عربوں کو غصہ دلائے تاکہ وہ کوئی ایسی کارروائی کریں جس سے اس کو مکہ پر حملہ کرنے اور کعبے کو منہدم کر دینے کا بہانہ مل جائے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے اس اعلان پر غضبناک ہو کر ایک عرب نے کسی نہ کسی طرح کلیسا میں گھس کر رفع حاجت کر ڈالی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ فعل ایک قریشی نے کیا تھا اور مقاتل بن سلیمان کی روایت ہے کہ قریش کے بعض نوجوانوں نے جا کر اس کلیسا میں آگ لگادی تھی۔

ان میں سے کوئی واقعہ بھی اگر پیش آیا ہو تو کوئی قابل تعجب امر نہیں ہے، کیونکہ ابرہہ کا یہ اعلان یقیناً سخت اشتعال انگیز تھا اور قدیم جاہلیت کے دور میں اس پر کسی عرب، یا قریشی نوجوان کا

Marfat.com

مشتعل ہو کر کلیسا کو گندا کر دینا یا اس میں آگ لگا دینا کوئی نا قابل فہم بات نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ابرہہ نے خود اپنے کسی آدمی سے خفیہ طور پر ایسی حرکت کرائی ہو تا کہ اسے مکہ پر چڑھائی کرنے کا بہانہ مل جائے اور اس طرح وہ قریش کو تباہ اور تمام اہلِ عرب کو مرعوب کر کے اپنے دونوں مقصد حاصل کر لے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، جب ابرہہ کے پاس یہ رپورٹ پہنچی کہ کعبے کے معتقدین نے اس کے کلیسا کی توہین کی ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک کعبے کو ڈھا نہ دوں۔

لات کے پجاری کی حماقت

اس کے بعد وہ ۵۷۰ء میں ۶۰ ہزار فوج اور ۱۳ ہاتھی (اور بروایت بعض ۹ ہاتھی) لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں پہلے یمن کے ایک سردار ذُونفر نے عربوں کا ایک لشکر جمع کر کے اس کی مزاحمت کی، مگر وہ شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ پھر خَثعم کے علاقے میں ایک عرب سردار نفیل بن حبیب خَثعمی اپنے قبیلے کو لے کر مقابلے پر آیا، مگر وہ بھی شکست کھا کر گرفتار ہو گیا اور اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بَدرَقے کی خدمت انجام دینا قبول کر لیا۔ طائف کے قریب پہنچا تو بنی ثقیف نے محسوس کیا کہ اتنی بڑی طاقت کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے، اور ان کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ ان کے معبود لات کا مندر تباہ نہ کر دے۔ چنانچہ ان کا سردار مسعود ایک وفد لے کر ابرہہ سے ملا اور اس نے کہا کہ ہمارا بت کدہ وہ معبد نہیں ہے جسے آپ ڈھانے آئے ہیں، وہ تو مکہ میں ہے، اس لیے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں، ہم مکہ کا راستہ بتانے کے لیے آپ کو بَدرَقہ فراہم کیے دیتے ہیں۔ ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنو ثقیف نے ابو رغال نامی ایک آدمی کو اس کے ساتھ کر دیا۔ جب مکہ تین کوس رہ گیا تو المُغَمَّس (یا المُغَمِّس) نامی مقام پر پہنچ کر ابو رغال مر گیا، اور عرب مدتوں اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے۔ بنی ثقیف کو بھی وہ سالہا سال تک طعنے دیتے رہے کہ انھوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لیے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں سے تعاون کیا۔

Marfat.com

سردارِ قریش کی بارعب شخصیت

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہلِ تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لے گیا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے بھی دوسو اونٹ تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعے سے اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم نہ لڑو تو میں تمھاری جان ومال سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔ نیز اس نے اپنے ایلچی کو ہدایت کی کہ اہلِ مکہ اگر بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔ مکہ کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے۔ ایلچی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ انھوں نے کہا کہ ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے، وہ چاہے گا تو اپنے گھر کو بچالے گا۔ ایلچی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔ وہ اس پر راضی ہوگئے اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ وہ اس قدر وجیہہ اور شان دار شخص تھے کہ ان کو دیکھ کر ابرہہ بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اتر کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لیے گئے ہیں وہ مجھے واپس دے دیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا، مگر آپ کی اس بات نے آپ کو میری نظر سے گرادیا ہے کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کررہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے دینِ آبائی کا مرجع ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ انھوں نے کہا: میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انھی کے بارے میں آپ سے درخواست کررہا ہوں۔ رہا یہ گھر تو اس کا ایک رب ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرلے گا۔ ابرہہ نے جواب دیا: وہ اس کو مجھ سے نہ بچاسکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا: آپ جانیں اور وہ جانے۔ یہ کہہ کر ابرہہ کے پاس سے اٹھ آئے اور اس نے ان کے اونٹ واپس کردیے۔

توحید پر مبنی موقف اور اشعار

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابرہہ کی لشکرگاہ سے واپس آ کر عبدالمطلب نے قریش

Marfat.com

والوں سے کہا کہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں تا کہ ان کا قتل عام نہ ہو جائے۔ پھر وہ اور قریش کے چند سردار حرم میں حاضر ہوئے اور کعبے کے دروازے کا کُنڈا پکڑ کر انھوں نے اللہ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت موجود تھے، مگر یہ لوگ اس نازک گھڑی میں ان سب کو بھول گئے اور انھوں نے صرف اللہ کے آگے دستِ سوال پھیلایا۔ ان کی جو دعائیں تاریخوں میں منقول ہوئی ہیں ان میں اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ ابن ہشام نے سیرت میں عبدالمطلب کے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:

لاهُمَّ ان العبد یمنع
رحله فامنع حِلالِکَ

خدایا بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

لا یغلبنّ صلیبهم
ومحالهم غدوًا مِحالکَ

کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائیں۔

ان کنت تارکهم
وقبلتنا فامر ما بدالک

اگر تو ان کو اور ہمارے قبلے کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تو چاہے کر۔

سُہیلی نے روض الانف میں اس سلسلے کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

وانصرنا علی آل الصلیب
وعابدیه الیوم آلک

صلیب کی آل اور اس کے پرستاروں کے مقابلے میں آج اپنی آل کی مدد فرما۔

ابن جریر نے عبدالمطلب کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو اس موقع پر دعا مانگتے ہوئے

Marfat.com

انھوں نے پڑھے تھے:

یارب لا ارجو لھم سواکا
یارب فامنع منھم رحماکا

اے میرے ربّ! تیرے سوا میں ان کے مقابلے میں کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اے میرے رب ان سے اپنے حرم کی حفاظت کر۔

ان عدو البیت من عاداکا
امنعھم ان یخربوا اقراکا

اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی کو تباہ کرنے سے ان کو روک دے۔

(تفہیم القرآن، ج۶، دیباچہ سورۃ الفیل، ص ۴۶۳-۴۶۶)

ابرہہ کا انجام

یہ تاریخی واقعہ سیرت و تاریخ کی جملہ کتب کے علاوہ تمام تفاسیر میں بھی پوری جزئیات کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں۔ ابرہہ کی فوج مکہ کی طرف بڑھ رہی تھی اور کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس لشکر جرار اور ہاتھیوں کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس واقعہ کو سورۃ الفیل میں یوں بیان فرمایا ہے کہ سمندر کوزے میں بند نظر آتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵ (الفیل ۱۰۵:۱-۵)

تم نے دیکھا نہیں کہ تمھارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے جو ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے (جانوروں کا) کھایا ہوا

Marfat.com

بھوسا۔

ابرہہ جب مختلف قبائلی سرداروں کو شکست دیتا ہوا حجاز مقدس میں پہنچا تو سردارِ قریش عبدالمطلب اللہ تعالیٰ سے اپنے گھر کی حفاظت اور دشمن کی تباہی کی دعائیں مانگ کر اپنے قبیلے کے ساتھ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ ابرہہ جب مکہ کے قریب پہنچا تو اس کا خاص ہاتھی جسے محمود کا نام دیا گیا تھا اور جو پورے لشکر کی قیادت کر رہا تھا، یکا یک رکا اور پھر بیٹھ گیا۔ بار بار کوڑے کھانے کے باوجود نہ اٹھا تو اسے تیز نیزوں سے کچوکے لگائے گئے۔ زخمی تو ہو گیا، مگر آگے بڑھنے سے مکمل طور پر انکاری رہا۔

اسی دوران اللہ تبارک وتعالیٰ نے وادی محسّب میں اس طاغوتی لشکر پر اپنے قدسی لشکر بھیج دیے۔ ان کے پاس نہ تیر وتفنگ تھا، نہ کوئی اور ہتھیار۔ یہ چڑیا کے حجم کے برابر چھوٹے چھوٹے اور معمولی پرندے تھے جو جھنڈ کے جھنڈ اچانک فضا میں نمودار ہوئے۔ ہر پرندے کے پاس مٹر کے دانے کے برابر تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ وہ جس پر کنکری گراتے اسے سخت کھجلی محسوس ہوتی، پھر اس کی جلد پھٹنے اور گوشت جھڑنے کا عمل شروع ہو جاتا۔ اس طرح گوشت گرنے کے بعد صرف ہڈیاں باقی رہ جاتیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی جنگ نہ کبھی پہلے ہوئی تھی اور نہ آج تک کسی کو اس کا تجربہ ہوا ہے۔ یہ لوگ واپس بھاگنے لگے، مگر نفیل بن حبیب خثعمی جو مجبوراً ان کے ساتھ آیا تھا اور جسے انھوں نے اپنا بدرقہ بنایا تھا، اس منظر کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ انھوں نے اس سے رہنمائی کی درخواست کی تو اس نے کورا جواب دیا کہ اب اپنی خباثت کے نتائج بھگتو۔ اس کے کئی اشعار بھی مورخین نے سیرت کی کتابوں میں نقل کیے ہیں۔

این المفرّ والالٰہ الطالب
والاشرم المغلوب لیس الغالب

اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جبکہ خدا تعاقب کر رہا ہے اور نکٹا (ابرہہ) مغلوب ہے، غالب نہیں ہے۔

Marfat.com

نفیل نے مزید کہا:

الَا حییت عنا یا رُدَینا
نَعِمْناکم مع الاِصباح عَیْنا
رُدَیْنَۃُ لو رأیتِ ولَا ترَیْہ
لدی جَنْب المُحصَّب ما رأینا
اِذًا لعذرُتِنِی وحمِدتِ أمری
ولم تأسَیُ علی ما فات بَیْنا
حَمِدتُ اللّٰہ اِذ اَبصرتُ طیرًا
وَخِفتُ حجارۃً تُلْقی عَلینا
وکلّ القوم یسأل عن نفیل
کأنَّ علَّی للحُبْشانِ دَیْنا

شاعر نے اپنی بیوی رودینہ کے نام سے تشبیب کرتے ہوئے اس عظیم واقعہ کا تذکرہ ان اشعار میں کیا ہے۔ان کا ترجمہ ذیل میں دیا جارہا ہے۔

اے ردینہ! کیا تو ہمیں مبارک باد اور سلام نہ پیش کرے گی، ہم نے تم سب لوگوں کے لیے نعمتوں کے حصول کا اہتمام کردیا ہے۔

اے ردینہ! کاش تو دیکھ سکتی، مگر نہیں دیکھ سکی، ہم نے جو منظر وادی محصب میں دیکھا۔

پھر تو میری یہ داستان سن کر اللہ کا شکر ادا کر اور جو ہمارے درمیان جدائی کے ایام گزرے ان پر کوئی افسوس نہ کر۔

جب میں نے پرندوں کے جھنڈ فضا میں دیکھے تو اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد بیان کی، صورت حال یہ تھی کہ ہمیں بھی خوف تھا کہ کہیں کوئی کنکر ہمارے اوپر بھی نہ آ گرے۔

اس وقت سب [حملہ آور] لشکری پوچھ رہے تھے کہ نفیل کہاں ہے؟ جیسے ان (ذلیل)

Marfat.com

حبشیوں کا میرے ذمے کوئی قرض ہو۔(سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۵۳، البدایۃ و النہایۃ، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۳۳۸)

عذاب زدہ وادی

یہ واقعہ وادی محصّب کے قریب جس مقام پر پیش آیا اسے محسّر کہا جاتا ہے یہ مقام مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان پڑتے ہیں اور تمام حجاج یوم عرفہ کے دن یہاں سے عرفات کی طرف جاتے اور واپس آتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے دوران وادی محسّر میں اپنی اونٹنی کو تیز تیز چلایا اور صحابہؓ کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ اس وادی سے تیزی کے ساتھ نکل جائیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ اس وادی میں کڑوی بیلیں اور پودے اگتے تھے۔ اس سال بھی وہ پودے تو موجود تھے لیکن ان کے اندر کڑواہٹ نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ مثلاً حرمل، حنظل اور عشر۔ حرمل کو اردو میں بھی حرمل ہی کہا جاتا ہے، حنظل تُمبہ اور عَشر کڑوا اور دودھ والا آک۔(سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۵۴)

حضور ﷺ کی تشریف آوری

اسی سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی۔ اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے۔ لشکر ابرہہ کی تباہی کے پچاس دن بعد یا دو ماہ بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ قریش دس سال تک اپنے اس عہد پر قائم رہے جو ابرہہ کے لشکر کی آمد پر خانہ کعبہ کے غلاف سے لپٹ کر انھوں نے باندھا تھا۔ یہ مدت بعض روایات کے مطابق سات سال ہے۔ اس عرصے میں بت پرستی سے اجتناب اور توحید پر قائم رہنا ایک یادگار واقعہ ہے۔ اسی عرصے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ اور دادا جان کا انتقال ہوا۔(تفہیم القرآن، ج ۶، دیباچہ سورۃ الفیل، ص ۴۶۸)۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۴۳-۶۱، البدایۃ والنہایۃ، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۳۳۵-۳۴۰۔

ماہر القادری نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور اس سے قبل کے حالات اپنی ایک

Marfat.com

نعت میں بہت خوب صورت انداز میں بیان کیے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ظلم وستم کے خاتمے کا اعلان تھا۔ آپؐ کے دنیا میں آنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے ایک جانب متکبر نکٹے حبشی حکمران کو اس کی فوجوں سمیت عبرت کا نشان بنایا اور دوسری طرف قریش کو بت پرستی سے تائب ہونے کی توفیق دی۔ اگرچہ یہ دس سال تک ہی اس پر قائم رہے، مگر یہ بھی اپنی جگہ ایک معجزہ ہے۔ بقول ماہر القادریؒ:

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے، کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی انساں سے انساں ٹکرائے
پامال کیا ، برباد کیا ، کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم وستم حد سے گزرے ، تشریف محمدؐ لے آئے
رحمت کی گھٹائیں لہرائیں ، دنیا کی امیدیں بر آئیں
اکرام و عطا کی بارش کی ، اخلاق کے موتی برسائے
تہذیب کی شمعیں روشن کیں، اونٹوں کے چرانے والوں نے
کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی ، ذروں کے مقدر چمکائے
کچھ کیف دیا ، کچھ ہوشیاری ، کچھ سوز دیا ، کچھ ساز دیا
میخانۂ علم و عرفاں میں توحید کے ساغر چھلکائے
ہر چیز کو رعنائی دے کر ، دنیا کو حیاتِ نو بخشی
صبحوں کے بھی چہروں کو دھویا، راتوں کے بھی گیسو سلجھائے
اللہ سے رشتے کو جوڑا ، باطل کے طلسموں کو توڑا
خود وقت کے دھارے کو موڑا، طوفاں میں سفینے تیرائے
تلوار بھی دی ، قرآن بھی ، دنیا بھی عطا کی عقبیٰ بھی
مرنے کو شہادت فرمایا ، جینے کے طریقے سمجھائے

Marfat.com

مکہ کی زمیں اور عرش کہاں، دم بھر میں یہاں، پل بھر میں وہاں
پتھر کو عطا گویائی کی ، اور چاند کے ٹکڑے فرمائے
مظلوموں کی فریاد سنی ، مجبوروں کی غم خواری کی
زخموں پر خلق مرہم رکھا ، بے چین دلوں کے کام آئے
عورت کو حیا کی چادر دی ، غیرت کا غازہ بھی بخشا
شیشوں میں نزاکت پیدا کی ، کردار کے جوہر چمکائے
توحید کا دھارا رک نہ سکا ، اسلام کا پرچم جھک نہ سکا
کفار بہت کچھ جھنجلائے ، شیطاں نے ہزاروں بل کھائے
اے نام محمد صَلِّ علیٰ ، ماہرؔ کے لیے تو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے

--❀--❀--❀--

Marfat.com

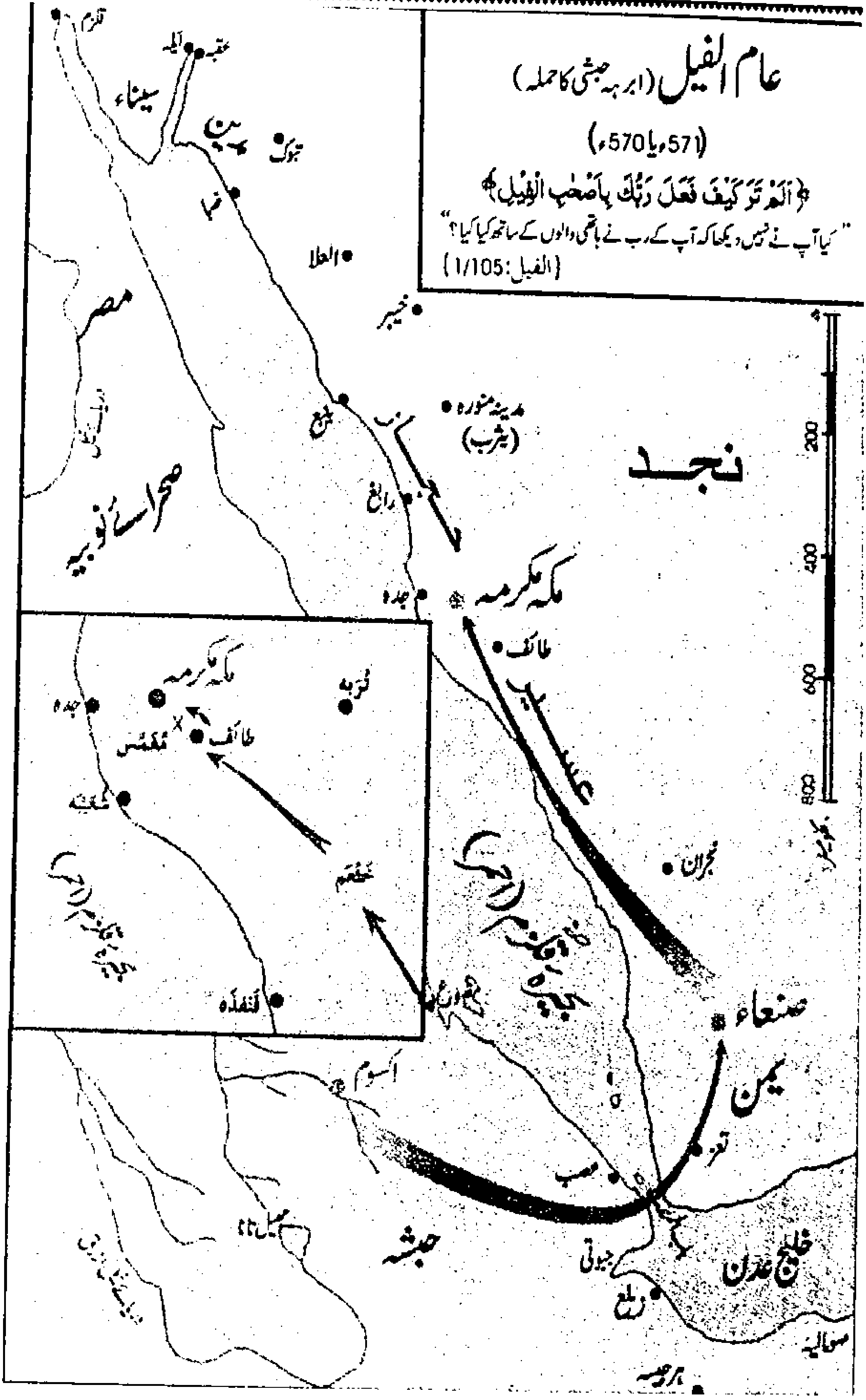

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۷۴)

Marfat.com

شَجَرَةٌ طَيِّبَةٌ

عبداللہ بن عبدالمطلب

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤاجداد کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔ آپؐ کے اجداد میں ہر شخصیت اپنے اپنے دور میں مجسمۂ کمال تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ انبیائے کرامؑ اعلیٰ وارفع نسب کے حامل ہوتے ہیں۔ مورخین اور سیرت نگاروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا شجرۂ نسب آپ کی ذات سے لے کر سیدنا ابراہیم، پھر سیدنا نوحؑ اور آگے جدِ انسانیت حضرت آدم علیہ السلام تک محفوظ کیا ہے۔ بعض نام آج کل اجنبی محسوس ہوتے ہیں، مگر اپنے اپنے دور میں وہ بامعنی نام تھے۔ اس باب میں ہم آپؐ کے والد گرامی جناب عبداللہ بن عبدالمطلب اور والدہ محترمہ سیدہ آمنہ بنتِ وہب کا تذکرہ اختصار کے ساتھ کر رہے ہیں۔

پرنور پیشانی

عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے والد کو تمام اولاد میں سب سے زیادہ عزیز تھے۔ انھوں نے عبداللہ کی خاطر سو اونٹ بخوشی ذبح کیے تھے۔ ابن سعد نے جناب عبداللہ کے بچپن اور جوانی کے زمانے میں ان کی شرافت ونجابت اور سنجیدگی ومتانت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی تجارت اور اس میں کامیابیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ پاکیزہ نظر وپاکباز نوعمر عبداللہ کے اندر عجیب کشش تھی جسے ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔ ان کی پیشانی پر مستقل طور پر ایک نور جگمگاتا رہتا تھا۔ ہر انسان کی زندگی میں اس کی ازدواجی زندگی بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ مورخ مذکور نے جناب عبداللہ کی شادی کا واقعہ یوں بیان کیا ہے:

Marfat.com

مثالی رشتہ

جب عبداللہ بالغ ہوئے تو ان کے والد کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ عبدالمطلب چاہتے تھے کہ جس طرح ان کا بیٹا تمام خوبیوں میں بے مثال ہے، اسی طرح اس کے رشتے کے لیے بھی ایسی ہی کوئی بے مثال دوشیزہ تلاش کی جائے۔ انھوں نے اپنے خاندان ہی میں ایک رشتہ تلاش کیا۔ یہ تھیں آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب۔ ابن سعد نے یہ تصریح کی ہے کہ اس وقت آمنہ اپنے چچا وہیب بن عبدمناف بن زہرہ کے زیر تربیت و زیر پرورش تھیں۔ وہ انھیں اپنی بیٹیوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ جب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے رشتہ طلب کیا تو آمنہ کے چچا نے بخوشی یہ درخواست قبول کر لی۔ عبداللہ کی عمر سترہ سال یا اس سے کچھ زائد تھی۔ ہماری رائے میں یہ روایت درست نہیں۔ جناب عبداللہ کی عمر چوبیس سال کے لگ بھگ تھی۔ ان کی وفات کے وقت ابن سعد کے مطابق ان کی عمر پچیس سال تھی۔ آمنہ کی عمر بھی بعض مورخین نے کم و بیش سترہ سال کی لکھی ہے۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ ان کی عمر بھی اس سے زیادہ ہوگی۔

ایک مجلس میں باپ اور بیٹے کا نکاح

بڑی دل چسپ بات یہ ہے کہ آمنہ کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگنے کے ساتھ عبدالمطلب نے وہیب سے درخواست کی کہ وہ اپنی بیٹی ہالہ بنت وہیب کا رشتہ خود ان کے لیے قبول کر لیں تو وہ اس سے نکاح کریں گے۔ عربوں کے عرف اور روایات کے مطابق اس میں کوئی حرج کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ وہیب نے جہاں اپنی بھتیجی کا رشتہ عبداللہ کے لیے دیا، وہیں اپنی بیٹی کا رشتہ عبدالمطلب کو دے دیا۔ یہ بھی دل چسپ بات ہے کہ دونوں نکاح ایک ہی مجلس میں منعقد ہوئے۔ ہالہ بنت وہیب نکاح کے بعد عبدالمطلب کے گھر میں چلی گئیں، جبکہ عربوں کے معروف طریقے کے مطابق کنوارے عبداللہ اپنی شادی کے بعد تین دن، رات کے لیے اپنے سسرال میں ٹھہرے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ ہالہ بنت وہیب کے بطن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہؓ بن عبدالمطلب پیدا ہوئے، جبکہ آمنہ بنت وہب نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو جنم دیا۔ یوں

Marfat.com

حضرت حمزہ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں چچا بھتیجا بھی ہیں اور خالہ زاد بھائی بھی۔ پھر عمر کے لحاظ سے بھی کم وبیش برابر ہیں۔ حضرت حمزہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا دودھ پیا اور آپؐ نے حضرت حمزہ کی والدہ ہالہ کا دودھ پیا۔ اس طرح دونوں عظیم شخصیات آپس میں رضاعی بھائی بھی ہیں۔

نور کی منتقلی

ایک خاتون قتیلہ بنت نوفل جو ورقہ بن نوفل کی بہن تھی، اپنے لیے کسی نجیب الطرفین نوجوان کی تلاش میں تھی جو اس کا جیون ساتھی بن جائے۔ عبداللہ کا نکاح ہو جانے کے دوسرے روز اس نے جناب عبداللہ کو دیکھا تو انھیں کہا کہ میں آپ کو اپنے لیے جیون ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ عبداللہ نے کہا کہ ابھی تو میں بہت مصروف ہوں، جب ذرا فراغت ہوگی تو اس موضوع پر سوچ بچار کریں گے۔ آنے والی رات کو جب عبداللہ نے آمنہ بنت وہب کے پاس شبِ عروسی گزاری تو حمل ٹھہر گیا۔ اگلے دن جب قتیلہ سے ملے اور اس سے کہا کہ کیا تو اپنی پیش کش پر برضا ورغبت اب بھی تیار ہے تو اس نے ان کے چہرے پر نظر ڈال کر کہا کہ نہیں۔ کل جب تو یہاں سے گزرا تھا تو تیرے چہرے پر ایک دل رُبا نور چمک رہا تھا۔ آج میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ نور غائب ہے۔ تیری دونوں آنکھوں کے درمیان اور تیری پیشانی کے اوپر کل جو حسن و جمال تھا آج وہ ناپید ہے۔ گویا وہ نور اب منتقل ہو چکا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔

رات گئی بات گئی

ایک اور روایت کے مطابق قبیلہ بنوخثعم کی ایک معروف عورت فاطمہ بنت مُرّ جو خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت پاک دامن اور صاحبِ کردار خاتون تھی۔ اس نے بھی جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کو دیکھ کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ان سے اپنا رشتۂ عقد جوڑنا چاہتی ہے۔ اس خاتون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے تورات وانجیل وغیرہ پڑھی ہوئی تھی

Marfat.com

اوراس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ عربوں کے درمیان آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔اس نے بھی عبداللہ کے چہرے میں ایک خاص نور کی لاٹ دیکھی۔ جب اس نے عبداللہ سے بات کی تو انھوں نے فرمایا کہ حرام راستہ تو میرے لیے بالکل بند ہے، جبکہ حلال طریقے سے، یعنی نکاح کے بعد، تجھ سے تمتع کے لیے ابھی فرصت اور وقت نہیں ہے۔اس خاتون کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب اگلے دن اسے جناب عبداللہ نظر آئے تو اس نے ان کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ انھوں نے پوچھا وہ کیوں ان کو غور سے دیکھ رہی ہے؟ کیا وہ کل والی بات کرنا چاہتی ہے تو اس نے کہا: قد کان ذاک مرة فالیوم لا۔یعنی وہ اس وقت کی بات تھی، اب یہ ممکن نہیں۔ یہ بات تو عربوں میں ضرب المثل کے طور پر مشہور ہوگئی کہ جب موقع ہاتھ سے نکل جائے تو وہ کہا کرتے تھے: قد کان ذاک مرة فالیوم لا۔اس کا ایک بامحاورہ معنی ہے یعنی ''رات گئی بات گئی۔'' اس خاتون نے بھی پوچھا کہ آپ نے کل رات کہاں گزاری؟ تو فرمایا کہ اپنی بیوی آمنہ بنت وہبؓ کے پاس۔اس پر وہ پکار اٹھی: بخدا کل تیرے چہرے میں جو روشنی تھی وہ نورِ نبوت کی مانند چمک رہی تھی۔ میں اسی کی طلب گار تھی، اب وہ تمھارے اندر باقی نہیں رہی۔ مجھے اب تم سے کوئی سروکار نہیں۔

تقدیر کے فیصلے

شادی کے بعد جناب عبداللہ اپنے تجارتی سفر کے لیے شام کی طرف روانہ ہوئے، وہاں اپنا کاروبار کرنے کے بعد سامان تجارت کے ساتھ واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا۔وہ جلد از جلد مکہ پہنچنا چاہتے تھے۔انسان کی سوچ کچھ ہوتی ہے اور تقدیر کے فیصلے کچھ اور ہوتے ہیں۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۲۹﴾ (التکویر ۸۱:۲۹)۔اور تمھارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لم يَشَأْ لم يكن۔یعنی اللہ جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور وہ جو نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔(دلائل النبوۃ للبیھقی، روایت حضرت

Marfat.com

ابوالدرداء)۔

مسافر کی منزل مکہ تھی، مگر راستے میں مدینہ میں معمول کے مطابق رکے تو بیمار پڑ گئے۔ ان کی بیماری کی خبر مکہ میں بھی پہنچی، جس پر عبدالمطلب بہت مضطرب ہوئے۔ اپنے بڑے بیٹے حارث بن عبدالمطلب کو تیز رفتار سواری پر مدینہ بھیجا کہ اپنے بھائی کی خبر لے کر آئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ بھائی کے پہنچنے سے پہلے جناب عبداللہ مدینہ ہی میں وفات پا گئے۔ وہیں ان کی قبر بنی۔ یہاں ان کے اور ان کے والد عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بن نجّار تھے۔ وہ انھی کے ہاں ایک مہینے تک ٹھہرے۔ حارث کے پہنچنے پر ان کی وفات اور تجہیز و تکفین ہو چکی تھی۔ حارث کو یہ خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا۔ جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو پورا خاندان سوگوار ہو گیا۔ عبداللہ تمام خاندان میں سب سے زیادہ محبوب شخصیت تھے۔ جناب عبداللہ نے ترکے میں کیا چھوڑا؟ سیرت نگاروں کے مطابق کچھ نقدی کے علاوہ چند اونٹ، بکریاں اور ایک کنیز ام ایمن چھوڑی، جس کا اصلی نام برکہ تھا۔ یہ سب چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکے میں ملیں۔

قدرت کے کیا کرشمے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا روزِ اول سے یہ فیصلہ تھا کہ اس کے محبوب، آمنہ کے لعل، درِّ یتیم، محمد مصطفےٰؐ کا مستقر یثرب ہو گا۔ وہیں آپؐ کی قبر مبارک ہو گی اور اسی کو یہ شرف حاصل ہو گا کہ اسے مدینۃ النبیؐ کا درجہ ملے گا۔ آپ کے والد کی قبر اس شہر میں ہونا اور پھر اسے آپؐ کا مستقل مسکن بنا دیا جانا کوئی اتفاقی بات نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فیصلہ تھا۔

بیوی کا مرحوم میاں کے لیے مرثیہ

جناب عبداللہ کی وفات پر ان کے عزیز و اقارب میں سے بہت سے لوگوں نے مرثیے لکھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ آمنہ بنت وہب کا جو مرثیہ تاریخوں میں منقول ہے اس کے چند اشعار ہم طبقات ابن سعد سے نقل کر رہے ہیں:

عفَا جانبُ البُطحاء من ابن هاشمٍ

وجاور لحداً خارجًا فی الغماغمِ

Marfat.com

دَعَتْهُ الْمَنَايا دعوة فاجابها

وما تركت فى الناس مثل ابن هاشمِ

عشيَةَ راحوا يحملونَ سريرَهُ

تعاوَرَهُ اَصْحابُه فى التَّزَحُمِ

فاِن يَّكُ غَالتهُ الْمَنايا وَرَيْبُها

فَقد كانَ مِعطاءً كثيرَ التَرحُمِ

فرزند ہاشم کی وفات کے باعث کنارہ بطحا کے اطراف واکناف پر اداسی اور غم چھا گیا ہے۔ یہ نوحہ اور بکاوگریہ وشور اس کے فراق میں ہے جو اپنی لحد میں لمبی تان کر سو گیا ہے۔

موت نے اسے دعوت دی اور اس نے وہ دعوت قبول کر لی، انسانوں میں سے کسی ایک کو بھی موت نے ایسا نہ چھوڑا جو فرزند ہاشم جیسا ہوتا۔

لمحات شب میں [احباب] اس کا تابوت اٹھا کے چلے تو اس کے ساتھیوں کے انبوہ نے تابوت کو باری باری، دست بدست کندھا دیا۔

اگر وہ مر گیا تو کیا ہوا، اس کے آثار خیر تو نہیں مرے، کیونکہ وہ نہایت ہی درجہ فیاض اور بہت ہی رحم دل تھا۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۰۰)

بشارت اور اللہ کی پناہ

حضرت آمنہ فرمایا کرتی تھیں: مجھے یہ محسوس ہی نہ ہوا کہ میں حاملہ ہوں، نہ کسی قسم کے ناقابل برداشت بوجھ اور گرانی کا احساس ہوا جیسا عورتوں کو ہوا کرتا ہے۔ البتہ نئی بات خصوصی ایام کی بندش تھی، وہ بھی کبھی بند ہو جاتے اور پھر کبھی عود کر آتے۔ ایک مرتبہ میں سوتے جاگتے یعنی غنودگی اور نیند کی درمیانی حالت میں تھی کہ ایک آنے والے نے آ کے مجھ سے کہا: ''تو نے محسوس بھی کیا کہ تو حاملہ ہے؟'' میں نے اس کا یوں جواب دیا: ''میں کیا جانوں''۔ اس نے کہا: ''تیرے رحم میں اس امت کا سردار، پیغمبر حق ہے اور یہ واقعہ یعنی استقرار حمل دوشنبہ کو ہوا ہے۔''

Marfat.com

آمنہ کہتی ہیں کہ یہی بات تھی جس نے مجھ کو حمل کا یقین دلایا۔ پھر ایک زمانے تک سکوت رہا، تا آنکہ ولادت کا وقت قریب آیا تو وہی خواب میں آنے والا پھر آیا اور اس نے کہا: "قلی أُعِیذُ بالصَّمد الواحد من شر کل حاسد یعنی کہو کہ میں ہر ایک حاسد کے شر سے اس بچے کے لیے خدائے واحد وصمد کی پناہ طلب کرتی ہوں۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرعون کے خطرے سے ان کی والدہ پریشان تھیں کہ وہ ان کے نورِ نظر کو موت کے گھاٹ اتار دے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات القا کی کہ وہ کوئی فکر نہ کریں، نہ ہی غم وحزن میں مبتلا ہوں۔ اللہ ان کے بچے کو زندہ سلامت ان کے پاس لے کر آئے گا۔ یہ مضمون قرآن پاک میں کئی مقامات پر بیان ہوا ہے۔ اسی کی روشنی میں سیدہ آمنہ کے اس واقعہ کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ آنے والا یقیناً اللہ کا فرستادہ تھا۔

توہم کا خاتمہ

آمنہ فرماتی ہیں: میں (اس تعلیم کے مطابق) یہی کلمات صبح وشام دہرایا کرتی تھی۔ جب قریش کی عورتوں سے اس صورت حال کا تذکرہ کیا تو انھوں نے اپنے رسوم ورواج کے مطابق مجھے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اپنے دونوں بازوؤں اور گلے میں لوہا لٹکا لے، لوہا لٹکا تو لیا مگر یہ چند ہی روز لٹکا رہا۔ پھر میں نے اس کو کٹا ہوا پایا تو اسے اتار پھینکا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی رسم اور توہم پرستی کی علامت کو خود ہی ختم کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ماہِ مبین اور سراجِ منیر کفر وضلالت کے اندھیرے کو دور کرنے اور کفر وشرک کو مٹانے کے لیے دنیا میں تشریف لا رہے تھے، ان کی برکات رحم مادر ہی سے ظاہر ہونے لگیں۔ امام زہری لکھتے ہیں کہ آمنہ اپنے بارے میں فرماتی ہیں: میں حاملہ ہوئی تو اللہ کی قدرت ورحمت سے وضع حمل تک کسی قسم کی مشقت میں مبتلا نہ ہوئی۔ یہ بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات ومعجزات کا ایک حصہ ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج۱، ص۱۰۱-۱۰۲)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

حصہ دوم

آمنہ کا لعلؐ

Marfat.com

ولادت باسعادت

ولادت کے ایمان افروز واقعات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت دوشنبہ (پیر) کے دن ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے یعنی جس سال اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا کہ ابرہہ نے کعبہ شریف (زادھا اللہ شرفا و تعظیماً) پر چڑھائی کی، اسی سال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے روز پیدا ہوئے، جو یوم الفیل تھا۔ یوم الفیل سے مراد عام الفیل ہے۔ زہری محمد بن کعب القرظی المسور، ابو وجزہ، مجاہد، حضرت ابن عباسؓ کی بیان کردہ روایات باہم مخلوط ہوگئی ہیں۔ ثقہ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب نے کہا: مجھے اپنے اس بچے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرار حمل سے لے کر وضع حمل تک کوئی مشقت اور زحمت محسوس نہ ہوئی۔ میرے پیٹ سے زمین پر آئے تو ایک ایسا نور ان کے ساتھ ہی نکلا کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اس کی روشنی پھیل گئی۔ بعد میں میں نے دیکھا کہ میرا لخت جگر اپنے دونوں ہاتھوں کے سہارے زمین پر ٹک گیا اور ایک مشت خاک لے کے آسمان کی جانب سر اٹھا رہا ہے۔

بعض روایات کے مطابق، دُرِّ یتیم بطنِ مادر سے جب زمین پر آئے تو دونوں زانوؤں پر جھکے ہوئے تھے، سر آسمان کی جانب بلند تھا۔ ان کے جلوہ افروز ہونے کے ساتھ ایک ایسا نور برآمد ہوا کہ سیدہ آمنہ کے بقول: ”اس سے ملک شام کے محل و بازار روشن ہوگئے، یہاں تک کہ اللہ کی

Marfat.com

قدرت سے بُصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں مجھے دکھائی دیں۔''

مورخ ابن اسحاق بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے فرمایا کہ آپؐ کے پیدا ہوتے ہی میرے جسم سے ایک ایسا نور برآمد ہوا کہ ملک شام کے قصر وایوان اس سے روشن ہوگئے، جب آپؐ کی ولادت ہوئی تو آپؐ پاک وصاف اور طاہر ومطہر پیدا ہوئے۔ ان کے جسم پر کچھ بھی آلائش کے آثار نہ تھے، زمین پر آئے تو فرش خاک پر اپنے ہاتھ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق ابن القبطیہ نے روایت بیان کی ہے کہ آپؐ کی والدہ کہتی تھیں: میں نے دیکھا کہ گویا ایک ایسا بے مثال شہاب میرے بطن سے نکلا ہے کہ مشرق تا مغرب ساری روئے زمین اس سے روشن ہوگئی ہے۔

بے مثال شان والا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ کا ختنہ ہوچکا تھا اور اور ناف پر پائی جانے والی جھلی غائب تھی۔ آپ کے دادا جناب عبدالمطلب کو یہ جملہ حقائق جاننے پر مسرت آمیز تعجب ہوا۔ ان کی نظروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر اور بھی بڑھ گئی اور انھوں نے کہا کہ میرے اس بیٹے کی ایک خاص شان ہوگی۔ فی الواقع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص شان تھی جس میں کوئی بھی آپ کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ آپؐ اللہ کے نبی تھے، مگر تمام انبیا ورسل علیہم السلام میں صرف آپؐ ہی ہیں جو قیامت کے دن تک تمام عالم کے لیے رہبر ورہنما ہیں۔ آپ پر سلسلۂ نبوت ورسالت کی تکمیل ہوگئی۔ آپؐ کو اللہ نے رحمۃ للعالمین بھی فرمایا اور خاتم النبیین بھی قرار دیا۔

دادا کی مسرت

یزید بن عبداللہ بن زمعہ کی بہن کہتی ہیں: آمنہ بنت وہب کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آمنہ نے اپنے سسر جناب عبدالمطلب کو خوش خبری کا پیغام بھیجا۔ یہ بشارت

Marfat.com

لانے والا بشیر ایسے وقت میں ان کے پاس پہنچا کہ وہ حجر [یہ وہ مقام ہے جس میں حطیم شامل ہے اور جو شمالی جانب سے کعبہ کو محیط ہے۔] میں اپنے بیٹوں اور قریش کے کچھ معززین کے ساتھ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو اطلاع دی گئی کہ آمنہ اور عبداللہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ عبدالمطلب اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور ان کے ساتھ جتنے لوگ تھے سبھی خوشی سے جھوم اٹھے۔ عبدالمطلب فوراً آمنہ کے پاس آئے تو جو کچھ سیدہ آمنہ کو نظر آیا تھا یا جو کچھ ان سے کہا گیا تھا اور جس کا انھیں پردۂ غیب سے حکم ملا تھا، جناب عبدالمطلب کو سب کچھ سنا دیا۔ عبدالمطلب ان باتوں سے خوش ہوئے اور پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بازوؤں میں لیے ہوئے کعبہ میں آئے اور وہاں کھڑے ہو کر ربّ کعبہ سے دعا کی اور اس نے جو نعمتِ بے بہا بخشی اس کا شکر ادا کرتے رہے۔

خانہ کعبہ کے سائے میں اشعار

محمد بن عمر الاسلمی کے مطابق عبدالمطلب نے وہاں یہ شعر پڑھے:

الحمد لله الذی اعطانی
هذا الغلام الطیب الاردان
قد ساد فی المهد علی الغلمان
اعیذه بالله ذی الارکان
حقّٰ اراه بالغ البنیان
أعیذُهُ من شر ذی شنهآن
من . حاسد مضطرب العنان

تمام حمد و ثنا اس ذات باری تعالیٰ کے لیے، جس نے مجھے یہ پاکیزہ صفت، طیب و طاہر لعل عطا فرمایا۔

یہ وہ بچہ ہے جو گہوارے ہی میں تمام بچوں کا سردار ہے۔ میں اس کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا

Marfat.com

ہوں جو ہر چیز پر قادر ہے۔ میری دعا ہے کہ میں اس نومولود کو جوانی و بلوغت میں دیکھوں۔
میں اس کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ وہ ہر دشمن اور کینہ پرور کے شر سے اسے ہمیشہ محفوظ رکھے۔

اے (رب کریم!) پینترے بدل بدل کر شر پھیلانے والے حاسد کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھ۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۰۳، سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۱۶۰)

ان اشعار کے اندر مکمل توحیدی شان پائی جاتی ہے۔ ابرہہ کے حملے اور قریش کی دعاؤں کے بعد یہ لوگ توحید پر قائم تھے۔ پھر عبد المطلب کے بازوؤں میں جو درّ یتیم تھا، اسے تو بھیجا ہی اس لیے گیا تھا کہ کلمۂ توحید پورے عالم میں گونجے اور کفر و شرک کی جڑ کاٹ دی جائے۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

رسولِ رحمتؐ کے اسمائے گرامی

رسولِ مجتبیٰ کہیے ، محمد مصطفیٰ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہیے
[ماہر القادریؒ]

انجیل کی گواہی

مورخ ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں حضرت عثیمہ کے آزاد کردہ غلام سہل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مریس کے علاقے کا ایک نصرانی عرب میں مقیم تھا اور اکثر انجیل پڑھا کرتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں یہ صفت موجود ہے کہ وہ اسماعیلؑ کے خاندان سے ہوں گے اور ان کا نام احمدؐ (اللہ کی بہت زیادہ حمد کرنے والا) ہوگا۔ ابو جعفر محمد بن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی رحم مادر ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ سیدہ آمنہ کو حکم ہوا: ان کا نام احمدؐ رکھنا۔ آپؐ کا یہ نام آپ کی والدہ ہی نے رکھا تھا۔

احمدِ مجتبیٰ قرآن میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن علی، جو محمد ابن الحنفیہ کے نام سے معروف ہیں، نے اپنے والد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: "میرا نام احمدؐ رکھا گیا۔" قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام احمد کا تذکرہ سورۃ الصّف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرمایا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

Marfat.com

وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ (الصف ۶۱:۶)

اور یاد کرو عیسیٰؑ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل، میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ تو صریح دھوکہ ہے۔

جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں محمد ہوں، احمد ہوں، حاشر ہوں، ماحی ہوں، خاتم ہوں، عاقب ہوں۔ آپؐ کے ان سب ناموں کی تشریح خود ان کے اندر واضح ہے، مگر محدثین وشارحین نے بھی ان کی تشریح لکھی ہے۔

منفرد نام محمدؐ

قرآن پاک میں آپ کے نام ''محمد'' کا تذکرہ چار مقامات پر آیا ہے جبکہ احمد صرف ایک مقام پر مذکور ہے۔ محمدؐ سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۱۴۴، سورۂ الاحزاب آیت نمبر ۴۰، سورۂ محمد جسے سورۂ قتال بھی کہا جاتا ہے، میں آیت نمبر ۲ اور سورۂ الفتح میں آیت نمبر ۲۹ میں آیا ہے۔ احمد سورۃ الصف آیت نمبر ۶ میں نازل ہوا ہے۔ آپ کی پیدائش پر آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کا نام محمدؐ رکھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ کے دادا نے آپؐ کی پیدائش کے ساتویں دن آپؐ کا عقیقہ کیا اور مینڈھے ذبح کیے، پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا ہے۔ ان کی قوم نے کہا کہ ابوالحارث آپ نے محمد نام کس بنیاد پر رکھا ہے؟ آپ کے آباؤ اجداد میں تو کہیں یہ نام نہیں پایا جاتا، نہ ہی آپ کی قوم میں اس نام کا کوئی اور شخص ہوا ہے۔

Marfat.com

آسمان وزمین پر قابلِ ستائش

جناب عبدالمطلب نے اس کے جواب میں کہا: اردت ان یحمده الله فی السماء وتحمده الناس فی الارض۔ یعنی میں نے اس نیت سے یہ نام رکھا ہے کہ اللہ رب العزت آسمانوں میں اس کی تعریف فرمائے اور خلقِ خدا زمین پر اس کی تعریف کے گُن گائے۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک شعر میں اس مضمون کو یوں باندھا ہے:

فشق له من اسمه لیجلّه
فذو العرش محمود وهذا محمد

آپؐ کے اسم گرامی سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ آپ سراپا عظمت ہیں۔ عرش کا مالک محمود ہے اور آپ محمد ہیں۔ (آپ کا نام اللہ کے نام سے مشتق ہے، دونوں کا مادہ حمد ہے۔)

اسمائے گرامی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی ایک گلی میں یہ فرماتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: میں محمد ہوں، احمد ہوں، حاشر ہوں مقفّی ہوں، نبی رحمت ہوں۔ مقفّی کا معنی ہے عزت والا اور فصیح وبلیغ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے نام بتائے جن میں سے بعض نام ہم نے یاد کر لیے۔ آپ نے فرمایا تھا: میں محمد ہوں، احمد ہوں، مقفّی ہوں، حاشر ہوں، نبی رحمت ہوں، نبی توبہ ہوں، نبی ملحمہ ہوں۔ (المستدرک، حدیث ۴۱۸۵)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی حضرت نافع بن جبیر بن مطعم نے بیان فرمائے۔ بنوامیہ کے حکمران عبدالملک بن مروان نے اپنے دربار میں حضرت نافع سے پوچھا کہ آپ کے والد جبیر بن مطعم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نام گنوایا کرتے تھے کیا تمھیں وہ یاد ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ پھر انھوں نے چھ نام گنوائے:

Marfat.com

آپ کے چھ پاکیزہ نام

۱-محمد: یہ نام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب نے رکھا تھا۔ اس کا معنی ہے وہ شخصیت جس کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔ واقعی آپ اسم بامسمّٰی تھے۔

۲-احمدؐ: یہ نام آپؐ کی والدہ ماجدہ کے دل پر القا کیا گیا تھا۔ سابقہ کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ خود قرآن پاک میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبانی یہ نقل ہوا ہے کہ میں تمھیں بشارت دیتا ہوں اپنے بعد آنے والے رسول کی جس کا نام احمدؐ ہے۔ (بحوالہ سورۃ الصف، آیت نمبر ۶)۔ احمد کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد بیان کرنے والا اور اس میں ذرا بھر مبالغہ نہیں۔ آپ سے زیادہ اللہ کی حمد نہ کسی نے کی ہے نہ کوئی کر سکتا ہے۔

۳-خاتم: مہر یا مہر لگانے والا۔ آپ پر انبیا کا سلسلہ مکمل ہو گیا ہے۔ آپ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول۔ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ قرآن کی سورۃ الاحزاب میں اللہ نے واضح طور پر یہ حکم ارشاد فرما دیا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۳:۴۰)

(لوگو) محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث میں اپنے خاتم النبیین ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ایک حدیث ملاحظہ کیجیے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ۔ (ترمذی، کتاب الرؤیا، باب ذہاب النبوۃ۔ مسند احمد، مرویات، انس بن مالک)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میرے بعد اب

Marfat.com

نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔

۴-حاشر: آپؐ سب لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے اور میدان حشر کی طرف لے جانے والے ہیں۔ آپؐ اور قیامت کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں۔ آپ نے انگلیوں کو آپس میں ملاتے ہوئے خود ارشاد فرمایا: ''انا والساعة کھاتین۔''

۵-عاقب: سب پیغمبروں کے بعد آنے والے اللہ کے آخری نبی اور رسول۔

۶-ماحی: کفر و شرک کو مٹا دینے والا، نیز ان تمام لوگوں کے گناہ دھوڈالنے والا جو اس پر ایمان لائیں۔ (طبقات ابن سعد، ج۱،ص ۱۰۴-۱۰۵، السیرۃ الحلبیة، ج۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۱۵-۱۲۰)

پوری دنیا میں آج نومولود بچوں کا سب سے زیادہ رکھا جانے والا نام محمد ہے۔ کوئی دوسرا نام اس کے عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ ۲۰۱۶ء کے ایک برطانوی سروے کے مطابق ۶۹۸۸ بچوں میں سے ۵۹۹۱ بچوں کے نام محمد رکھے گئے۔ یہ نومولود بچوں کی تعداد کا ۸۶.۴۷ فیصد بنتا ہے۔ اسلام دشمن جتنی بھی کوشش کر لیں اس نام کی عظمت کو کوئی نہیں مات کر سکتا۔

آنحضور ﷺ کی کنیت

عربوں کے ہاں اصلی نام کے ساتھ باپ یا بیٹے یا کسی خاص صفت کی نسبت سے کنیت کا رواج عرف کی حیثیت رکھتا تھا، مثلاً ابوزید، ابوہریرہ، ابن ہاشم وغیرہ۔ نام سے بلانے کی بجائے کنیت سے بلانا ادب واحترام اور محبت کی علامت تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کنیت اپنے پہلے بیٹے سیدنا قاسم بن محمد کی نسبت سے ابوالقاسم رکھی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نام پر نام تو رکھا کرو، میری کنیت پر کوئی کنیت نہ رکھو۔ میں ابوالقاسم ہوں اور قاسم بھی ہوں۔ یعنی قاسم کا باپ ہوں اور اللہ کے حکم اور عطا سے لوگوں کے درمیان مال ومتاع اور رحمت تقسیم بھی کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى اَمْرِ اللّٰهِ، لَايَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ۔ (متفق

Marfat.com

علیہ، روایت حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ)

اللہ جسے خیر عطا فرمانا چاہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔ یہ امت قیامت تک مخالفین کے ہر ضرر سے محفوظ رہے گی جب تک اللہ کے حکم پر ثابت قدم رہی۔

شعرا نے آپؐ کے اسمائے گرامی کے حوالے سے اپنی عقیدت مندی کا جو اظہار کیا ہے، اس میں ہر شاعر اپنی جگہ منفرد ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنی قلبی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آپؐ کے صفاتی نام مصطفیؐ کے بارے میں ہر مسلمان کا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

در دلِ مسلم مقام مصطفیؐ است
آبروئے ما زِنام مصطفیؐ است

مولانا الطاف حسین حالی بھی سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔ مسدس حالی میں جگہ جگہ اس عشق کی مثالیں ملتی ہیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

Marfat.com

مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں جس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

کنیت کی شہرتِ عام

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے قاسم کی نسبت سے اپنے آپ کو ابوالقاسم کہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی آپ کو ابوالقاسم ہی کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نام پر اپنے نام رکھو، مگر میری کنیت استعمال نہ کیا کرو۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار پڑ گیا تو آنحضورؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپؐ اس کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: کلمہ پڑھ لو۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو اس کے یہودی باپ نے کہا اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ۔ یعنی ابوالقاسم کی بات مان لو۔ چنانچہ اس بچے نے کلمہ پڑھ لیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر سے نکلے تو بہت خوش تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے، جس نے اس بچے کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا ہے۔ اس کے بعد اس بچے کی وفات ہو گئی۔ (صحیح بخاری، روایت انس بن مالکؓ)

Marfat.com

محمد نام رکھو

شروع میں بعض صحابہ کا خیال تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے سے فروتر ہے کہ کوئی دوسرا شخص آپ کا نام اختیار کرے۔ چنانچہ انصار کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تو انھوں نے اس کا نام محمد رکھا۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر یہ نام قبول نہیں کریں گے۔ آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میرا نام رکھو، میری کنیت نہ رکھو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نام اور میری کنیت کو جمع نہ کرو۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۰۶-۱۰۷)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

حلیمہ سعدیہؓ

آنحضور ﷺ کی ابتدائی رضاعت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر پورے مکہ میں بالعموم اور خاندان بنوہاشم میں بالخصوص خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ابولہب جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اسے اس کی لونڈی ثویبہ نے جب یہ اطلاع دی تو وہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے اپنی لونڈی کو اس خوشی میں آزاد کردیا۔ ثویبہ کا بیٹا مسروح اس وقت شیرخوار تھا، ثویبہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا دودھ پلایا۔ یوں انھیں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بعد میں آپ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں اپنا دورِ شیرخواری گزارا۔ آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہالہ کا دودھ بھی پیا تھا۔ وہ بھی آپ کی رضاعی والدہ ہیں۔

مبارک فیصلہ

قریش اپنے شیرخوار بچوں کو فصیح وبلیغ عربی زبان سیکھنے کی خاطر شیرخوارگی کے زمانے میں بادیہ یعنی دیہاتی علاقوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ ان کو دودھ پلانے والی خواتین معاوضے کے عوض ان بچوں کو دودھ پلاتی تھیں۔ وہ ان کی دیکھ بھال اور پرورش کرتی تھیں اور ساتھ ہی انھیں فصیح عربی زبان سیکھنے کا موقع بھی ملتا تھا۔ بچوں کی تلاش میں ہر سال مختلف قبائل سے عورتیں مکہ آتی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے سال قبیلہ بنوسعد بن بکر سے دس عورتیں بچوں کے حصول کے لیے مکہ آئیں۔ ان میں سے نو خواتین کو تو وہ بچے مل گئے جن کے والد موجود تھے، ایک خاتون حلیمہ سعدیہ خالی ہاتھ رہ گئی۔ ان میاں بیوی کو معلوم ہوا کہ ایک یتیم بچہ جو سردار قریش

Marfat.com

عبدالمطلب کا پوتا ہے وہ رہ گیا ہے جس کا حصول ممکن ہے۔ حلیمہ اور اس کے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ نے آپس میں سوچا کہ یتیم بچے کی کفالت سے ہمیں کیا ملے گا۔ بالآخر انھوں نے مجبوراً یہ فیصلہ کرلیا کہ خالی ہاتھ جانے کی بجائے اسی بچے کو لے چلتے ہیں۔ یہ فیصلہ اگرچہ بظاہر مجبوراً کیا گیا مگر یہ انتہائی مبارک فیصلہ تھا۔ اس خوش بخت گھرانے کو دُرّ یتیم کیا ملا، اللہ کی رحمتیں ان پر نازل ہونا شروع ہوگئیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حارث نے شروع میں یتیم بچے کو لینے کی مخالفت کی، مگر پھر یہ سوچ کر کہ خالی ہاتھ جائیں گے تو سُبکی بھی ہوگی اور شاید یتیم کے ساتھ ایسے سلوک کی وجہ سے ہم سے اللہ بھی ناراض ہوجائے گا۔ اب جو ان انعامات ربّانی کو دیکھا تو احساس ہوا کہ واقعی وہ فیصلہ بہت اچھا تھا جب ہم یتیم بچے کو لے کر مکہ سے نکلے۔

مایوسی امید میں بدل گئی

حلیمہ مکہ کی جانب سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان فرماتی ہیں کہ سخت قحط سالی کی وجہ سے ہمارے جانور انتہائی لاغر ہوگئے تھے۔ میں اپنی بھورے رنگ کی گدھی پر سوار تھی اور میرے خاوند حارث بن عبدالعزیٰ ایک اونٹنی پر سوار تھے جو بمشکل چل سکتی تھی اور شیر دار ہونے کے باوجود اس کا دودھ بھی سوکھ گیا تھا۔ ہم بارش کے انتظار میں تھے، مگر بارش کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ مکہ تک کا سفر ہم نے بڑی مشکل سے طے کیا۔ قافلے والوں کو کئی جگہ رک کر ہمیں اپنے ساتھ ملانا پڑا۔ مکہ میں پہنچ کر بھی شروع میں ہمیں قدرے مایوسی ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ کو ہماری قسمت بدلنا مقصود تھا۔ اس لیے مکہ میں موجود دس نومولود بچوں میں سے نو بچے دیگر مرضعات (دودھ پلانے والیوں) نے ہم سے پہلے حاصل کر لیے۔ آخر میں دُرّ یتیم رہ گئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری قسمت میں لکھے گئے تھے۔ ان کا ہمارے ہاتھ آنا تھا کہ اللہ کی رحمتیں ہماری طرف متوجہ ہوگئیں۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۰-۱۳۱)

دل باغ باغ ہوگیا

جب حلیمہ جناب عبدالمطلب کے پاس آئیں تو انھوں نے نام پوچھا۔ انھوں نے بتایا حلیمہ

Marfat.com

سعدیہ۔ جناب عبدالمطلب خوش ہوگئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا: حلم اور سعادت کا امتزاج کیا خوب! پھر فرمایا میرے ساتھ آؤ۔ حضرت حلیمہ خود بیان کرتی ہیں کہ جناب عبدالمطلب نے آمنہ کا دروازہ کھولا اور مجھے بہت پیار و محبت سے اندر آنے کے لیے خوش آمدید کہا۔ پھر فرمایا یہی میرا بیٹا محمدؐ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم اسے دودھ پلانے کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جوں ہی چہرہ مبارک پر حلیمہ سعدیہ کی نظر پڑی تو وہ خوش ہوگئیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے بچے کو اٹھایا تو وہ سو رہا تھا۔ اس کی ماں نے اسے سفید رنگ کے صوف کے کپڑے سے ڈھانکا ہوا تھا اور سبز رنگ کا ریشمی بستر اس کے نیچے تھا۔ اس کے چہرے سے ایسی روشنی مجھے نظر آئی جو آسمان تک بلند ہوگئی۔ اس موقع پر مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ بچہ میرے اٹھانے سے جاگ نہ جائے اور رونے نہ لگ پڑے، مگر میں نے دیکھا کہ وہ یوں پرسکون انداز میں سویا ہوا تھا کہ اس کے چہرے پر مکمل طمانیت تھی۔ پھر اچانک جب میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو وہ مسکرایا اور اپنی دونوں آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ پس میں نے اس کا چہرہ چوما اور اس کو اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۲)

خشک چھاتیوں میں دودھ کا چشمہ

اس وقت تک میاں بیوی کو پوری طرح یہ احساس نہیں تھا کہ انھیں کیا برکات حاصل ہونے والی ہیں۔ آپ کو گود لیتے ہی ان کے سامنے یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ بچہ بڑی شان اور مقام کا حامل ہے۔ انھوں نے فوری طور پر برکات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جب انھوں نے محمدؐ بن عبداللہ کو اپنی گود میں لیا تو حضرت حلیمہ کی دونوں چھاتیاں دودھ سے یوں بھر آئیں کہ انھیں محسوس ہوا دودھ ٹپکنے لگے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جانب سے دودھ پیا تو خوب سیر ہوگئے۔ حلیمہ کے بیٹے عبداللہ نے دوسری جانب سے دودھ پیا تو وہ بھی خوب سیر ہوگیا۔ دُرِّ یتیم کا مستقل معمول رہا کہ جس جانب سے انھوں نے دودھ پیا تھا، اسی جانب سے پیتے تھے۔ دوسری جانب کا پستان ان کے منہ میں ڈالا جاتا تو وہ دودھ پینے سے انکار کر دیتے۔ (بحوالہ: ایضاً)

Marfat.com

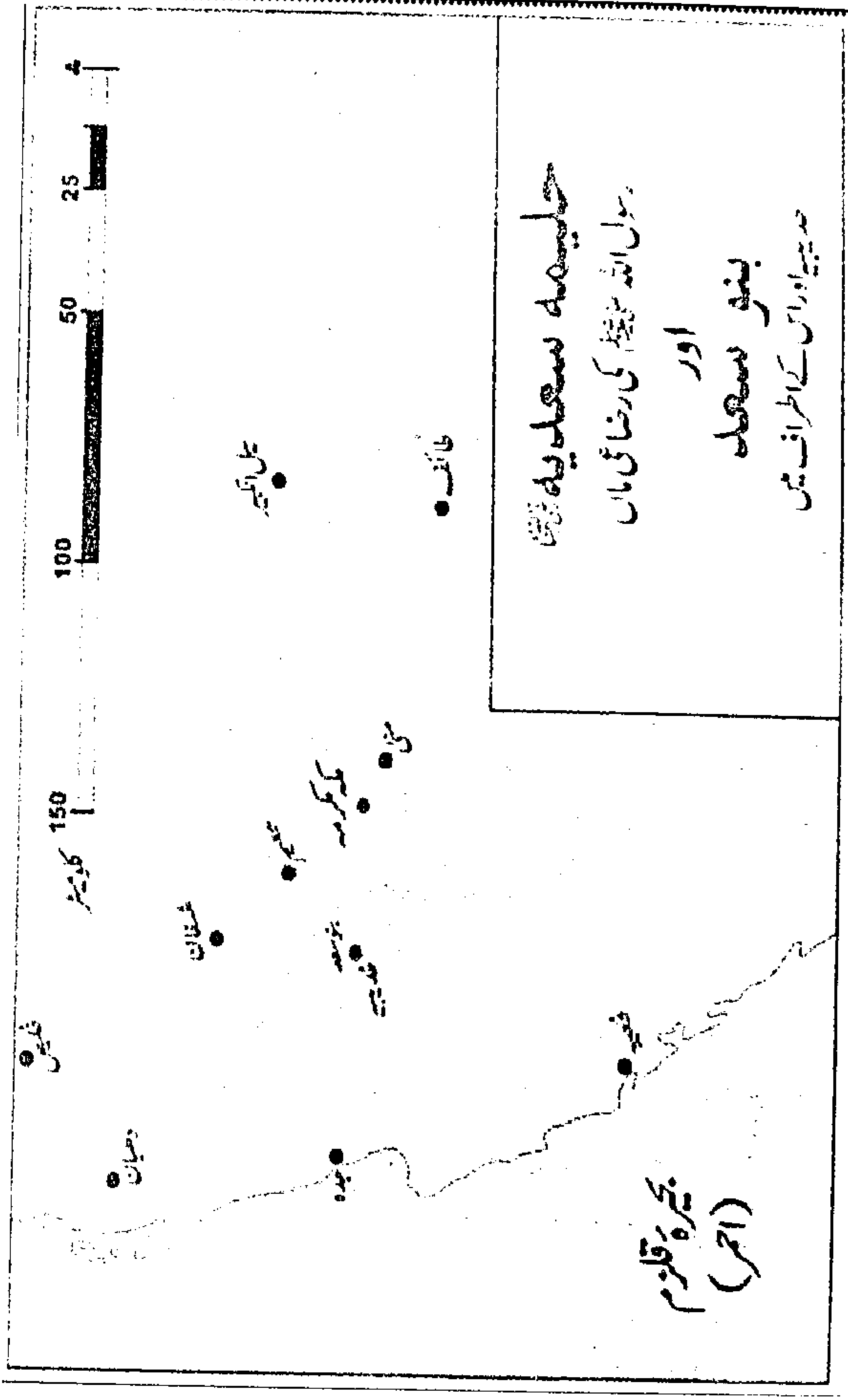

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابوخلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۹۵)

Marfat.com

آمنہ کی حلیمہ کو نصیحت

اب جو اپنے علاقے کی جانب یہ لوگ چلے تو ایک اور عجیب منظر سامنے آیا۔ ان کی نحیف ونزار سواریاں جو بمشکل قبیلہ بنوسعد سے مکہ پہنچی تھیں، اب واپسی پر ان کی نرالی شان تھی۔ وہ سب سواریوں سے آگے نکل گئیں۔ رخصت کرتے وقت آنحضور کی والدہ ماجدہ نے حلیمہ سے کہا: ''اے مہربان اور شرافت کی پتلی حلیمہ! اس بچے کی طرف پوری طرح توجہ دینا۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد اس کی ایک شان ہوگی۔'' پھر انھوں نے اپنے بیٹے کے حمل سے لے کر ولادت تک کے چند واقعات بھی حلیمہ کو بتائے۔ ایک واقعہ یہ تھا کہ پیدائش کے وقت انھوں نے ایک ایسی روشنی دیکھی جس میں انھیں دور دراز ممالک (بصریٰ، شام) کے محلات نظر آئے اور دیگر بہت سے خرقِ عادت واقعات سے بھی سابقہ پیش آیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ حسن اتفاق ہے کہ مجھے متواتر تین راتیں یہ پیغام ملتا رہا کہ اپنے بیٹے کو قبیلہ بنوسعد بن بکر اور آلِ ابوذوئیب میں دودھ پلانا۔ حلیمہ نے کہا: میرے والد کی کنیت ابوذوئیب ہے۔ جب یہ خاندان وادیٔ سرر میں پہنچا تو ان سے پہلے روانہ ہونے والی دائیوں سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ ان عورتوں نے حلیمہ سے پوچھا: حلیمہ! پھر تمھارے ساتھ کیا بنا؟ حلیمہ نے جواب دیا: اخذتُ وَاللّٰہِ خَیْرَ مولودٍ رَأیتُہٗ قَطُّ وَاَعْظَمُھُمْ بَرَکَۃً۔ یعنی خدا کی قسم جتنے بچے میں نے آج تک دیکھے ان سب میں بہترین مولود و معزز ترین، برکت والے بچے کو میں نے حاصل کرلیا ہے۔

پرتاثیر اشعار

عورتوں نے کہا: کیا وہی عبداللہ کا یتیم لڑکا؟ حلیمہ نے خوش ہوکر جواب دیا: ہاں وہی دُرّ یتیم۔ حلیمہ کہتی ہیں: ہم نے اس منزل سے کوچ بھی نہ کیا تھا کہ میں نے دیکھا بعض عورتوں میں حسد نمایاں ہے۔ اس پر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ آمنہ سے حاصل کرکے اپنے گھر لے کر گئیں تو رخصت کے وقت آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ نے کہا:

Marfat.com

اعیذہ باللہ ذی الجلالِ
من شَرِّ ما مرّ علی الجبالِ
حتّٰی اراہُ حاملَ الحلالِ
وَیَفْعَلَ العُرفَ الی الْمَوالی
وَغیرِهم من حِشْوَۃ الرجالِ

میں اپنے بیٹے کو اللہ ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں، ہر اس شر سے جو پہاڑوں پر اترتا ہے اور انسانوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ اسے خیریت سے رکھے، یہاں تک کہ میں اسے کامیابیوں، کامرانیوں پر فائز دیکھ سکوں۔

(اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں) جب میں اسے غلاموں اور بے کسوں کے ساتھ نیکی کرتا ہوا دیکھوں اور غلاموں کے علاوہ بھی جو انسانوں میں سے بے مایہ ہوں ان پہ احسان کرتا ہوا پاؤں۔ (طبقات ابن سعد، ج۱، ص ۱۱۰-۱۱۱)

ماں کی بے مثال ممتا

ان اشعار کے اندر ایک عجیب حلاوت اور تاثیر ہے۔ سیدہ آمنہ کا یہی ایک بیٹا تھا جس کے والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ اس بیٹے کی پیدائش سے قبل اور اس کے بعد بھی انھوں نے ایسے عجیب وغریب اور دل ربا مناظر دیکھے تھے جو معمول سے بالکل ہٹ کر تھے۔ ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ بچہ عام بچوں کی طرح نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص، چنیدہ اور محبوب بچہ ہے۔ اللہ اس سے کوئی بہت بڑا کام لینا چاہتا ہے اور جتنا اس کا بلند مقام ہے اتنا ہی اس کی حفاظت کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ وہ اور کیا حفاظت کر سکتی تھیں سوائے اس کے کہ اپنے درِّ یتیم کو اس ذات کی حفاظت میں دے دیں کہ جس کی حفاظت میں آنے کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ ان اشعار کے اندر ماں کا دھڑکتا ہوا دل اور ممتا کی بے پناہ محبت موجزن ہے۔

Marfat.com

رحمت دو عالمؐ کا فیضانِ عام

ابن کثیرؒ کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے ورود مسعود کے ساتھ ہی خیر و برکت کا نزول شروع ہو گیا اور اس کا حال سناتے ہوئے جناب حلیمہ سعدیہ نے بتایا کہ ان کی بکریاں اس سے قبل بہت کم دودھ دیتی تھیں لیکن جیسے ہی آپ ان کے گھر میں پہنچے تو انھی بکریوں نے اتنا دودھ دینا شروع کر دیا جو کسی معجزے سے کم نہیں تھا اور یہ خیر و برکت روز افزوں تھی۔ فلم یزل اللہ عز وجل یزیدنا خیرا۔ اللہ تعالیٰ خیر و برکت میں مسلسل اضافہ کرتا چلا جا رہا تھا۔ ہماری بکریوں کے دودھ میں یوں اضافے کی خبر سب لوگوں کو ہوئی۔ انھوں نے صحرا و جنگل میں اپنی بکریاں ہمارے ریوڑ کے ساتھ ملا کر چرانا شروع کیں۔ ان کو بھی اس برکت میں سے اللہ نے حصہ عطا فرمایا۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا، وہ جس کی خاطر دو جہاں پیدا کیے گئے، اس کے وجود مسعود سے پوری انسانیت کو نفع پہنچانا مقصود تھا۔ وہ رحمۃ للعالمین کے عالی لقب سے نوازا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۰۵)

پہلا کلام از لسانِ عالی مقام

حضرت حلیمہ بیان فرماتی ہیں جب میں نے دو مہینے تک آپ کو دودھ پلایا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے دودھ میں اللہ تعالیٰ نے بہت اضافہ کر دیا ہے۔ جب آپ سات مہینے کے ہوئے تو ہر چیز کو سمجھتے تھے۔ آٹھ مہینے کی عمر میں آپؐ نے باقاعدہ بولنا شروع کر دیا۔ جو بات بھی آپ سنتے اسے دہراتے۔ نو مہینے کی عمر میں آپؐ نے فصیح عربی بولنا شروع کر دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کلام جو فرمایا وہ یہ تھا: اللہ اکبر کبیرا، والحمدللہ کثیرا، وسبحان اللہ بکرۃً واصیلا۔ یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، اس کی کبریائی کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تعریفیں سب اللہ کے لیے ہیں، اسی کی حمد کثرت کے ساتھ کی جانی چاہیے، صبح و شام اس کی تسبیح کرنا ہی سعادت ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک رات کو آپ حضرت حلیمہ کے پاس سوئے

Marfat.com

ہوئے تھے کہ آپ کی آنکھ کھلی اور آپؐ نے یہ الفاظ کہے: لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قُدُّوْساً قُدُّوْساً نَامَتِ الْعُیُوْنُ وَالرَّحْمٰنُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ ہر عیب سے پاک ہے، وہ سراپا پاکیزگی ہے، (مخلوق کی) آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن رحمٰن کی شان یہ ہے کہ اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۵)

بکری کی شہادت

حلیمہ فرماتی ہیں کہ اسی عمر میں آپؐ خوب چلنے پھرنے لگ گئے۔ دس مہینے کی عمر میں آپ بچوں کے ساتھ تیر اندازی بھی کرنے لگے۔ ابتدائی دنوں میں جب آپؐ میری گود میں ہوتے تھے تو ایک دن میں نے عجیب منظر دیکھا کہ ہماری بکریوں کا ریوڑ میرے سامنے سے گزرا۔ فاقبلت واحدۃ منھن حتی سَجَدَتْ لَہٗ وَقَبَّلَتْ رأسَہٗ ثُمَّ ذَھَبَتْ اِلٰی صَوَاحِبِھَا۔ اس ریوڑ میں سے ایک بکری ہماری طرف آئی اور اس نے آ کر سجدہ کیا، پھر میری گود میں ننھے معصوم محمدؐ کے سر کو چوما۔ سر چومنے کے بعد وہ دوڑ کر اپنے ریوڑ میں شامل ہوگئی، مٹھی میں پتھر کی کنکریوں کو کلمہ پڑھنا تھا، اس کے سر کو بکری نے بوسہ دیا تو کیا تعجب! (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۴)

عالم بیم ورجا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال تک حضرت حلیمہ کا دودھ پیا، پھر انھوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ اور رضاعی بیٹے محمدؐ دونوں کا دودھ چھڑا دیا۔ دونوں بچے تندرست و توانا تھے۔ حلیمہ سعدیہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ چھڑانے کے بعد مکہ لے کر آئیں۔ انھیں اس بات کا احساس تھا کہ اب ان کے گھر سے وہ برکت جو اس یتیم بچے کی وجہ سے حاصل تھی رخصت ہو جائے گی۔ اس سوچ نے انھیں کچھ غم زدہ بھی کر دیا تھا۔ پھر محمد عربیؐ کے ساتھ ان کی قلبی محبت اتنی زیادہ تھی کہ آپ کی جدائی کے تصور سے بھی ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ وہ جانب مکہ رواں دواں تھیں، مگر دل کی کیفیت ناقابل بیان تھی۔ بیم ورجا کے عالم میں جب مکہ پہنچیں اور آمنہ کا لعل ان کی گود

Marfat.com

میں دیا تو انھوں نے بے ساختہ اپنے لختِ جگر کو چومنا شروع کردیا۔ اس زمانے میں مکہ میں کچھ وبا سی پھیلی ہوئی تھی۔

حلیمہ سعدیہ جب انعام واکرام لے کر واپس جانے لگیں تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اور والدہ نے آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ بچے کو کچھ مزید عرصے کے لیے حلیمہ کے ساتھ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ حلیمہ کی قسمت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید رفاقت لکھ دی گئی۔ حضرت حلیمہ خود فرماتی ہیں کہ جب میں نے درخواست کی کہ چند مہینے بچے کو میرے پاس مزید رہنے دو تو انھوں نے خوشی سے اجازت دے دی۔ یہ سن کر مجھے اتنی مسرت ہوئی کہ میں دعائیں دیتی ہوئی اپنے گھر کی جانب چل پڑی۔

رضاعی والدین اور بہن بھائی

نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کے قبیلے کے ساتھ مشفقانہ سلوک فرماتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب غزوۂ حنین ہوا اور قبیلہ بنی سعد کے کچھ لوگ گرفتار ہوکر آپؐ کے سامنے آئے تو آپ ان کے ساتھ انتہائی حسن سلوک سے پیش آئے۔ آپ کی رضاعی والدہ اور والد بھی آپؐ کے پاس مدینہ حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ایسے ہر موقع پر آپؐ ان کے لیے اپنی چادر بچھاتے اور انھیں اس پر بٹھاتے۔ پھر انھیں کبھی خالی ہاتھ واپس نہ بھیجتے۔ غزوۂ حنین کے بعد آپ کی بہن شیما بنت الحارث بن عبدالعزیٰ بھی گرفتار ہوکر آپ کے سامنے آئیں اور اپنا تعارف کرایا تو آپ نے ان کو پہچاننے کے بعد کھڑے ہوکر استقبال کیا اور ان کے لیے بھی اپنی چادر بچھا دی۔ ان کے قبیلے کے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کردیا گیا۔ یہاں تک کہ مالِ غنیمت میں سے بھی بیشتر حصہ ان لوگوں کو لوٹا دیا گیا۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے ہماری کتاب رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں ج۴، ص۲۳۰-۲۳۱، مغازی للواقدی، ج۳، ص۹۱۳-۹۱۴، سیرۃ ابن ھشام، القسم الثانی، ص۴۵۸)۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

معجزۂ شقِّ صدر

مکہ سے پھر بنو سعد میں

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بھی تذکرہ ہو چکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو برس تک قبیلہ بنی سعد میں رہے، جب دودھ چھڑایا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپؐ چار برس کے ہیں۔ حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ سے ملانے کے لیے اور بعض روایات کے مطابق واپس کرنے کی خاطر لے کر آئی تو حضرت حلیمہ نے آپ کے حالات اور خیر و برکت جو دیکھی تھی اس کی ساری کیفیت سنائی۔ اس پر حضرت آمنہ نے کہا: میرے بچے کو واپس لے جائیں اس کی نسبت مکہ کی وبا سے ڈرتی ہوں، خدا کی قسم اس کی ایک خاص شان ہوگی۔ چنانچہ حضرت حلیمہ سعدیہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس لے گئیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب چار برس کی ہوئی تو اپنے رضاعی بھائی اور بہنوں کے ساتھ گھر سے چراگاہ کی طرف نکل جاتے تھے۔ یہ جگہ قبیلے کی رہائش سے زیادہ دور نہ تھی، تاہم یہاں جنگلی جانور بھی اکثر پھرتے رہتے تھے، مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کبھی کسی جنگلی جانور نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

ملائکہ کی آمد

آپ کی زندگی کا ایک ایسا واقعہ جو معجزات میں شمار ہوتا ہے بنو سعد کے اسی جنگل میں پیش آیا۔ اس مقام پر دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص مقصد کے لیے بھیجے گئے تھے۔ یہ دو فرشتے کون سے تھے، اکثر و بیشتر راویوں نے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل کے نام بیان کیے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی دو فرشتوں کو تمام ملائکہ

Marfat.com

میں ممتاز قرار دیا ہے: قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے انھی دو فرشتوں کو بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۹۸﴾ (البقرۃ ۲:۹۸)۔ ''(اگر جبریل سے ان کی عداوت کا سبب یہی ہے، تو کہہ دو کہ) جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں، اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔'' آپ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ جبریل میرے پاس آئے اور انھوں نے فرمایا: سید الملائکہ اسرافیل ہیں۔ بہر حال فرشتوں میں سے چار معروف ترین ہیں اور یہی جملہ جماعت ملائکہ کے سیّد ہیں۔ یہ ہیں جبریل، میکائیل، اسرافیل، اور عزرائیل۔ ہر ایک کی اللہ نے مخصوص ذمہ داری لگا رکھی ہے اور وہ ان ذمہ داریوں کو ادا کر رہے ہیں۔ اللہ کے مقرب فرشتے سب کے سب انھی فرشتوں کے ماتحت ہیں۔

ملائکہ کی مبارک باد

فرشتوں نے آکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لیا اور ایک جانب لے جا کر پیار ومحبت سے زمین پر لٹا دیا۔ اس وقت وہ سفید لباس میں ملبوس تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کے پاس خوب صورت طشت اور چمکتی ہوئی برف تھی۔ پھر انھوں نے بغیر کسی درد اور تکلیف کے آپ کا شکم مبارک چیر کر ایک سیاہ نقطہ یا گوشت کا ٹکڑا نکال کر اس کو پھینک دیا یا زمین میں دبا دیا اور باقی دل کو سونے کے ایک طشت میں رکھ کر برفاب سے دھویا اور پھر اسے سینے میں واپس رکھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''میرے جسم پر کوئی تکلیف یا نشان نہیں تھا۔ پھر انھوں نے آپس میں بات چیت کی اور میری طرف جھک کر میرا سر اور ماتھا چوما اور کہنے لگے مبارک ہو، اے یتیم! اللہ تعالیٰ کے تیرے اوپر اتنے انعامات ہیں کہ جب تجھے اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ یہ فرشتے عام لوگوں کو نظر نہیں آئے۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر کئی لوگوں نے کہا کہ اس قریشی بچے کو جنات نے آسیب زدہ کر دیا ہے۔ پھر وہ مجھے ایک کاہن کے پاس لے کر گئے تو اس نے کہا: لات وعزیٰ کی قسم! اگر تم نے اس کو زندہ چھوڑ دیا تو یہ تمھارے دین کو بدل

Marfat.com

ڈالے گا۔(السیرۃ الحلبیۃ، ج ا، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۳۵)

میزان

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ شقِ صدر کے بعد فرشتوں نے ایک میزان لگائی اور ایک جانب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دوسری جانب آپ کی امت میں سے بیس نیک لوگوں کو رکھا تو آپ کا پلڑا بھاری تھا۔ پھر انھوں نے دوسرے پلڑے میں سو اہلِ ایمان کا وزن ڈالا، اب بھی نتیجہ وہی رہا۔ اس کے بعد ہزار اہلِ ایمان کا وزن کیا گیا اور پلڑا وہیں کا وہیں رہا۔ اس پر انھوں نے کہا: دعه فلو وزنتموه بامته كلهم لرجحهم كلهم۔ یعنی جانے دو اگر تمام امت کے ساتھ آپؐ کا وزن کرو گے تب بھی آپؐ ہی کا پلہ بھاری ہوگا۔(السیرۃ الحلبیۃ، ج ا، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۴۵، سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۱۶۶-۱۶۷، طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۱۱۱-۱۱۲)

رضاعی والدین کی فکرمندی

دو سفید لباس اجنبیوں کو دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی متوجہ ہوئے اور جب وہ آپ کو لے کر ایک جانب چلے گئے اور آپ کو زمین پر لٹا دیا گیا تو فطری طور پر بچوں کو فکر لاحق ہوئی۔ چھوٹی عمر کے باوجود وہ سمجھدار تھے۔ وہ چیختے چلاتے اپنی ماں کے پاس پہنچے اور ایک نے ماں سے کہا: ادركي اخى القرشي۔ یعنی میرے قریشی بھائی کی خبر لے۔ پھر پورا واقعہ سنا دیا۔ یہ سن کر حضرت حلیمہ سخت پریشان ہوئیں اور اپنے شوہر کو بھی واقعہ کی اطلاع دی۔ پھر اپنے شوہر کے ہمراہ دوڑتی ہوئی گھر سے نکلیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں پایا کہ آپ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے وہ کیفیت پوری طرح بیان کی جس سے آپ کو سابقہ درپیش آیا، مگر آپؐ نے فرمایا: مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور نہ ہی میرے جسم پر کوئی نشان ہے۔ خیریت تو گزر گئی، مگر خاندان حارث اتنی قیمتی امانت کو کوئی خطرہ لاحق ہونے کے احساس سے کانپ اٹھا۔ اس کے بعد سیدہ حلیمہ آپ کو لے کر فوراً حضرت آمنہ کے پاس مکہ پہنچیں اور یہ ساری کیفیت سنا کر کہا: اِنّا

Marfat.com

لانر دہ الا علی جدع آنفنا۔ یعنی ہم اس بچے کو یوں ہی واپس نہیں کر رہے، اسے واپس کرنا تو اپنی ناک کٹوانے کے مترادف ہے، مگر ہم ایسا کر رہے ہیں (مبادا اس گوہر نایاب کو کوئی گزند پہنچے)۔

سایہ ابرِ رحمت

پہلی بار مکہ سے واپس لوٹتے وقت حلیمہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر ساتھ لے گئی تھیں۔ ایک سال یا اس کے قریب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس ہی رہے۔ اس دوران وہ آپ کو کہیں دور نہ جانے دیتی تھیں۔ کچھ دن گزرے تھے کہ حلیمہ نے دیکھا کہ ایک ابر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ فگن ہے۔ جب آپ ٹھہر جاتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا۔ جب آپ کسی جانب چلتے تو وہ بھی اسی جانب چل پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی باتیں عام لوگوں کو خوف زدہ کر دیتی ہیں۔ حلیمہ سعدیہ کو بھی خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ بھی کسی ناگہانی آفت کی نشانی نہ ہو۔ اس لیے وہ نوعمر محمدؐ بن عبداللہ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئیں۔

گوہر نایاب کی گم شدگی پر اللہ سے التجا

حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ کے سپرد کرنا چاہتی تھیں۔ اپنے قبیلے سے چلیں اور مکہ پہنچیں تو یہاں آ کر ایک اور عجیب وغریب مشکل نے آن لیا۔ مکہ کے قریب مجمع میں چار یا پانچ سال کے محمد بن عبداللہ کہیں گم ہو گئے۔ ادھر ادھر تلاش کے باوجود نہ مل پائے تو نہایت گھبراہٹ کے عالم میں عبدالمطلب کے پاس حاضر ہوئیں اور اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع دی۔ عبدالمطلب بھی یہ سن کر بہت پریشان ہوئے۔ ہر جانب تلاش کیا گیا لیکن گوہر نایاب کا پتا نہ چل پایا۔ آخر عبدالمطلب کعبے کی طرف گئے اور رب کعبہ سے التجا کی اور غلاف کعبہ سے لپٹ کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگی:

لَا هُمَّ اَدِ راكبي محمدا
اَدِهُ اِلَىَّ واصطنع عندى يدا

Marfat.com

انت الذی جعلته لی عَضُدَا

لَا یُبْعِدِ الدَّھرُ به فَیَبعَدَا

انت الذی سَمَّیتَهٗ محمدا

یا اللہ میرا شاہسوار بیٹا محمد مجھے واپس دے دے۔ اے اللہ! مجھے میرا بیٹا دے دے، وہ جہاں بھی ہے اسے میرے پاس بھیج دے اور مجھ پر اپنا فضل وکرم عام کر دے۔

اے مولائے کریم! اس بچے کو تو نے میرا دست وبازو بنایا ہے، اے اللہ! ایسا نہ ہو کہ گردشِ زمانہ اسے مجھ سے دور کر دے اور پھر دوریاں بڑھتی جائیں۔

رب کریم! تو نے ہی اس کا نام محمد رکھا تھا اور اس کے نام میں تعریف وستائش تیری ہی عطا ہے۔

(طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۱۱۲)

لختِ جگر کی بازیافت

یہاں ابن سعد نے ایک شخص کندیر بن سعید کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ بیان کیا کرتے تھے: میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک شخص خانہ کعبہ کے قریب دردناک انداز میں یہ اشعار پڑھ کر اللہ سے اپنے بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ سردارِ قریش عبدالمطلب بن ہاشم ہیں جو اپنے پوتے محمدؐ کو تلاش کر رہے ہیں جو اچانک گم ہو گیا ہے۔ سعید کہتے ہیں کہ ان کے والد کے مطابق کچھ ہی لمحات گزرے تھے کہ وہ بچہ آ گیا اور عبدالمطلب نے نہایت والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا، اپنے گلے سے لگا کر کہا: اب میں تجھے کبھی اپنے سے جدا نہ ہونے دوں گا۔ مزید اس واقعہ کو ابن ہشام نے یوں بیان کیا ہے کہ مکہ کے بالائی حصے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل اور ایک دوسرے قریشی شخص نے اچانک پا لیا اور وہ آپ کو لے کر آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس آئے، جبکہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور آپ کی واپسی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ جوں ہی آپؐ ان کے پاس پہنچے، انھوں نے گلے لگا لیا اور پھر جلدی سے اپنے ساتھ لے کر آپ کی

Marfat.com

والدہ کے پاس آئے تا کہ ان کو اطمینان دلاسکیں۔ (سیرۃ ابن هشام، القسم الاول، ص۱٦٦-۱٦٧)

حلیمہ سعدیہ کے پاس قیام کے دوران ایک اور بھی عجیب واقعہ پیش آیا جو مورخین نے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے، حضرت حلیمہ کے سپرد کرتے ہوئے سیدہ آمنہ نے اپنے بچے کے بارے میں کچھ خاص باتیں بھی انھیں بتائی تھیں۔ فرمایا: یہ کوئی عام بچہ نہیں ہے۔ اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کا خاص اہتمام رکھنا۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ ساری باتیں بتائیں جو رحم مادر میں قرار پکڑنے سے لے کر ان کی پیدایش اور مابعد تک انھوں نے خود دیکھیں اور محسوس کیں۔ ساتھ ہی کہا کہ یہ ایک راز ہے جو میں تجھے بتا رہی ہوں اور حلیمہ کا بھی کمال ہے کہ انھوں نے اس راز کو راز ہی رکھا۔

شیاطین کا شر اور اللہ کی حفاظت

ایک مرتبہ قبیلۂ بنوسعد کے پاس سے کچھ یہودی اور بعض روایات کے مطابق عیسائی قافلوں کا گزر ہوا تو انھوں نے وہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ آؤ اس بچے کو قتل کر ڈالیں۔ لیکن ان ہی میں سے کچھ لوگوں نے پوچھا: أیتیم هو؟ یعنی کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ حلیمہ سعدیہ بہت سمجھدار تھیں، فرمایا نہیں، میں اس کی ماں ہوں اور اپنے شوہر حارث کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ اس کے باپ ہیں۔ انھیں معلوم تھا کہ انقلاب برپا کرنے والا بچہ جس کی عربوں کے ہاں پیدا ہونے کی بشارتیں دی گئی ہیں، یتیم ہوگا۔ جب حلیمہ نے ان کو ڈانٹ کر بتایا کہ یتیم نہیں ہے تو اس پر وہ اسلام دشمن نامراد ہو گئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے: لو كان يتيما لقتلناه، یعنی اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اسے قتل کر دیتے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو حلیمہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے دل میں کہا: قریب تھا کہ میں اپنی عظیم امانت کو ضائع کر بیٹھتی۔ اللہ نے اوّل تا آخر ہر قدم پر شیاطین کے شر سے اپنے محبوب کو محفوظ رکھا۔ سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔

Marfat.com

رضاعی بھائی کو بشارت

مورخ محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ زمانۂ رضاعت کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک رضاعی بھائی نے آپ سے پوچھا: کیا آپ کے خیال میں کسی پیغمبر کی بعثت ہونے والی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اما والذی نفسی بیدہ لَاٰخُذَنَّ بیدک یوم القیامۃَ وَلَاَعْرِفَنَّکَ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے روزِ قیامت میں تجھے پہچان لوں گا اور تیرا ہاتھ پکڑ لوں گا۔ گویا آپؐ نے نہ صرف اس بات کی تصدیق کی بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ وہ مبعوث آپؐ ہی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ان کے یہ بھائی ایمان لے آئے اور کبھی کبھار فرط جذبات میں بیٹھ کر رونے لگتے تھے اور ان کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آ جاتے تھے۔ انما ارجو ان یاخذ النبی علیہ السلام بیدی یوم القیامۃ۔ یعنی میرے پاس کوئی ذخیرۂ اعمال تو نہیں ہے مجھے تو صرف یہی چیز امید بندھاتی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزِ قیامت میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ لیں گے تو میری نجات یقینی ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ان کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران ایمان لانے کا تذکرہ بھی ہے اور ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قبیلے میں بچپن گزارا وہ عرب کا سب سے زیادہ فصیح و بلیغ قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قریش کی زبان بھی پورے عرب میں سکہ بند اور معیاری سمجھی جاتی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: انا افصحکم ایک روایت میں ہے انا افصح العرب لانی انا من قریش ولسانی لسان بنوسعدبن بکر۔ یعنی میں تم سب سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا حامل ہوں یا میں تمام عربوں میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوں کیونکہ ایک تو میں قریش میں سے ہوں اور دوسرے میری پرورش قبیلہ سعد بن بکر میں ہوئی ہے جو عربوں میں سب سے زیادہ فصیح سمجھے جاتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۳، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول،

Marfat.com

ص ۱۶۷)

عظمت کا امین جوڑا

آپ کے رضاعی تعلق کے حوالے سے بہت سے ایمان افروز واقعات سیرت میں ملتے ہیں۔ اسامہ بن زید لیثی قبیلۂ بنی سعد کے ایک بزرگ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ بنت عبداللہ سعدیہ نبوت سے قبل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ آئیں۔ اس دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی ہو چکی تھی اور اللہ نے اس جوڑے کو مال و دولت سے نوازا تھا۔ حلیمہ جب مکہ آئیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کا استقبال کیا۔ ان کی مالی حالت بڑی پتلی تھی۔ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کے حالات بڑے پریشان کن ہیں۔ ان کے مویشی ہلاک ہو گئے ہیں اور زندگی گزارنا مشکل ہو گیا ہے۔ آپ نے انھیں تسلی دی اور ساتھ ہی حضرت خدیجہ سے مشورہ کیا۔ حضرت خدیجہ نے اپنی رضاعی ساس کو چالیس بکریاں دیں جنھیں دیکھ کر حلیمہ بہت خوش ہو گئیں۔ ساتھ ہی ساز و سامان اور خوراک سے لدا ہوا ایک اونٹ بھی پیش کیا، جس پر سوار ہو کر وہ بکریوں کے اس ریوڑ کے ساتھ اپنے قبیلے میں واپس آئیں۔ پورے قبیلے کو اندازہ ہوا کہ جو یتیم بچہ حلیمہ کے ہاں پرورش پاتا تھا، اس کا مقام و مرتبہ کتنا بلند و برتر ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا تیری عظمتوں کو سلام! یہ جوڑا ہر لحاظ سے عظیم تھا۔ یہ اللہ کا چنیدہ و برگزیدہ گھرانہ تھا۔

میری امی، میری امی

ایک اور واقعہ بھی یادگار ہے۔ اس کے مطابق محمد بن المنکدر کی ایک روایت مورخین نے بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ایک خاتون دورِ رسالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آئیں۔ اس خاتون نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ جب خاتون نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دی۔ جب وہ سامنے آئیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ادب و احترام اور محبت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر استقبال کیا اور فرمایا:

Marfat.com

اُمّی، اُمّی یعنی میری ماں میری ماں۔ پھر آپ نے اپنی چادر بچھائی جس پر وہ خاتون تشریف فرما ہوئیں۔ یہ تھیں حلیمہ سعدیہ۔ انسانی تاریخ کی عظیم مرضعہ! سید البشر کو دودھ پلانے کا شرف پانے والی!

نبی، صدیق اور شہید

عمرو بن سعد نے ایک اور دل چسپ روایت بیان کی ہے جو بڑی ایمان افروز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مدینہ منورہ میں ایک بوڑھی خاتون آئیں، یہ تھیں حلیمہ سعدیہ۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں تو آپ نے ان کے لیے اپنی چادر فرش پر بچھائی، ان کے سینے پر اپنا سر اور ہاتھ رکھ دیا اور ان کی جو بھی ضرورت تھی وہ پوری کر دی۔ پھر یہی خاتون سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو انھوں نے بھی نہایت ادب واحترام کے ساتھ انھیں اپنی چادر پر بٹھایا اور ان کی خدمت میں بہت کچھ پیش کیا۔ پھر وہی خاتون حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی آئیں تو انھوں نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی چادر بچھا کر ان کا استقبال کیا، پھر ان کی ہر ضرورت کو پورا کیا۔ راوی کی روایت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ تینوں شخصیات کے ساتھ بیک وقت پیش آیا تھا یا الگ الگ۔ ہمارے خیال میں یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی کی بات ہے کیونکہ آپؐ کی رحلت سے قبل سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا وفات پا چکی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شیر خدا کی گواہی

اللہ کے نبیؐ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ فلاں کام کے لیے میں گیا، ابوبکرؓ گیا اور عمرؓ گیا۔ گویا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صاحبین پر اتنا اعتماد تھا کہ آپؐ اپنے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ گویا آپ کو یہ یقین تھا کہ جو کچھ آپ کرتے ہیں، یہ دونوں حضرات بھی وہی کام کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو روایت بیان کی ہے، وہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس کے مطابق وہ بیان

Marfat.com

کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب غسل دینے کے بعد تخت پر رکھا گیا تو لوگ بڑی تعداد میں ان کے گرد جمع ہو گئے۔ سبھی شہید محراب کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ میں بھی وہاں کھڑا دعا مانگ رہا تھا۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ کسی آدمی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا ہے۔ میں نے دیکھا تو وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے گڑگڑا کر رحمت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ پھر فرمانے لگے: اے عمرؓ! آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا کہ مجھے اُس جیسے عمل لے کر اللہ کے حضور حاضر ہونے کی خواہش ہو۔ خدا کی قسم! میں ہمیشہ یہی گمان کرتا تھا کہ اللہ تمھیں تمھارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا۔ میں نے بارہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: میں گیا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی گئے، میں داخل ہوا اور میرے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی داخل ہوئے، میں نکلا اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی نکلے۔ (متفق علیہ، ابی ملیکہ، عن ابن عباسؓ)

سیرتِ طیبہ بحرِ زخار

ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات بیان کر رہے ہیں، لیکن اس کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، ہجرت اور فتوحات کے بعد کے ادوار کی کچھ متعلقہ باتیں بھی یہاں لکھی جا رہی ہیں۔ دراصل تمام ہی مورخین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات لکھتے ہوئے ان واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ہم نے بھی انھی کو نظیر بنا کر یہاں یہ واقعات لکھ دیے ہیں، اگرچہ یہ حاشیے میں لکھے جانے چاہییں۔ تاہم ان واقعات کے بیان سے کوئی پیچیدگی یا مشکل قاری کو پیش نہیں آئے گی۔ بلکہ ہمارے خیال میں ایک موضوع کے متعلق وہ کوئی تشنگی محسوس نہ کرے گا۔ (ان شاء اللہ)۔ سیرتِ طیبہ بہت جامع موضوع بلکہ بحرِ زخار ہے اور اس کی غواصی مشکل کام، مگر نہایت پرلطیف و ایمان پرور مشغلہ ہے۔ ہر واقعہ ہی بے مثال و بے نظیر ہے۔

ایک مشہور واقعہ غزوہ حنین کی فتح کے بعد کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوہوازن کا مقابلہ کیا تو بڑی مشکل کے بعد ان پر فتح پائی۔ فتح کے بعد جب مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو آنحضور صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم نے اس کی تقسیم میں کافی تاخیر کی۔ آپ کا خیال تھا کہ بنو ہوازن ان کے رضاعی رشتہ دار ہیں اس لیے ہوسکتا ہے کہ وہ آ جائیں، لیکن جب وہ نہ آئے تو آپ نے بادل نخواستہ مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ مالِ غنیمت تقسیم ہونے کے بعد جب ان کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ اب اپنے رضاعی رشتہ داروں سے کیسے معاملہ کیا جائے۔ واقدی اور ابن ہشام نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ فتح کے بعد کچھ لوگوں کا مطالبہ تھا کہ آنحضورؐ اب مال غنیمت تقسیم فرمائیں۔ بالخصوص وہ بدوی قبائل جو صرف مال غنیمت کے حصول کے لیے شریک جنگ تھے، بار بار اور بااصرار یہ مطالبہ دہرا رہے تھے۔ چونکہ آپؐ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا تعلق بھی ہوازنی قبائل سے تھا اور آپؐ چاہتے تھے کہ اپنے رضاعی ننھیال کے ان لوگوں سے حسنِ سلوک فرمائیں مگر کسی آدمی نے آپؐ سے مطالبہ نہ کیا کہ انھیں آزاد کر دیا جائے۔ ایک مہینے تک آپؐ نے اسی لیے توقف کیا تھا کہ کوئی درخواست کرے اور آپؐ اسے مان لیں۔ جب ایک مہینے بعد آنحضورؐ نے قیدی لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیے تو بنو ہوازن کا ایک وفد آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مطالبہ کیا کہ جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے۔ آپؐ نے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ تمام جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیں۔ چنانچہ آپؐ کے حکم پر سب جنگی قیدی آزاد کر دیے گئے۔ پوری تفصیلات مع حوالہ جات آگے آئیں گی۔

آنحضورؐ کی رضاعی بہن

ان گرفتار ہونے والے لوگوں میں آپؐ کی رضاعی بہن شیماء بنت الحارث بھی شامل تھی۔ گرفتاری کے وقت بھی اس نے لوگوں سے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ سختی مت کرو، میں رسول اللہ کی بہن ہوں مگر لوگوں نے اس کی بات کو تسلیم نہ کیا۔ جب وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئی تو کہا: یارسول اللہ میں آپؐ کی رضاعی بہن ہوں۔ آپؐ پہلی نظر میں اسے پہچان نہ سکے تو فرمایا: کیا میری بہن ہونے کی کوئی نشانی تمھارے پاس ہے؟ تو اس نے کہا: جی ہاں، آپ کو یاد ہوگا کہ میں بکریاں چراتے ہوئے آپ کو اپنی پشت پر اٹھاتی تھی۔ آپؐ نے ایک

Marfat.com

روز میری پشت پر دانت سے مجھے کاٹا تھا، اس کا نشان بھی موجود ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آیا تو آپؐ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ فوراً اپنی چادر اس کے لیے بچھا دی اور کہا: میری پیاری بہنا اس چادر پر بیٹھ جاؤ۔ بچپن کے واقعات کو یاد کر کے آپؐ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ آپؐ اپنی بہن کی خدمت میں لگ گئے، پھر پوچھا کہ میرے ماں باپ کا کیا حال ہے؟ شیما نے کہا کہ وہ مرتے وقت بھی آپ کو یاد کرتے تھے۔ یہ سن کر آپ کا جی بھر آیا اور بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر آپؐ نے اپنی بہن سے کہا کہ میرے ساتھ رہنا چاہو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی اور اگر اپنی قوم میں جانا چاہو تو تمھیں اختیار ہے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور کہا: میں اپنی قوم میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ آپؐ نے اپنی بہن کو بہت سارے اونٹ اور بکریاں عطا کیں۔ پھر ایک غلام اور لونڈی بھی عطا کی اور ان دونوں کی آپس میں شادی کر دی اور فرمایا کہ یہ دونوں بھی تمھاری خدمت کریں گے۔ آپؐ کی رضاعی بہن تو ہوازن کے وفد کی آمد سے قبل ہی آپؐ کے حکم کے تحت آزاد کر دی گئی تھیں۔ جب وفدِ حاضرِ خدمت ہوا تو سب کی آزادی کا اہتمام ہوا اور اس کے بعد تمام قیدی عزت و اکرام کے ساتھ گھروں کو واپس بھیجے گئے۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے مغازی للواقدی ج ۳، ص ۹۱۳-۹۱۴۔ سیرت ابن ہشام مجموعہ ج ۳-۴، ص ۴۵۸)

صحابہ کی شانِ تسلیم و رضا

نبی اکرمؐ نے طائف سے واپسی پر الجعرّانہ پہنچ کر مالِ غنیمت کے بارے میں منادی کرائی اور فرمایا کہ کوئی مجاہد مالِ غنیمت میں سے اس کی تقسیم سے قبل کوئی چھوٹی بڑی چیز نہ لے۔ اس دوران حضرت عقیلؓ بن ابی طالب اپنی بیوی کے پاس خیمے میں آئے۔ ان کے پاس اس وقت ایک سوئی تھی۔ انھوں نے وہ سوئی اپنی بیوی کو دے دی کہ کپڑے سینے کے کام آئے گی لیکن جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان فرمایا تو حضرت عقیلؓ اپنی بیوی کے پاس واپس آئے اور کہا کہ وہ سوئی مجھے دے دو۔ اللہ کے رسولؐ نے مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز لینے سے منع کیا ہے۔ سوئی لا کر

Marfat.com

انھوں نے مالِ غنیمت کے ڈھیر میں پھینک دی۔ حضرت عبداللہ بن زید المزنیؓ نے جنگ کے دوران ایک مشرک کی کمان لے لی تھی جو بہت کڑی اور قیمتی تھی۔ انھوں نے اسے جنگ میں استعمال بھی کیا تھا۔ جب انھوں نے یہ اعلان سنا تو انھوں نے بھی اسے مالِ غنیمت میں واپس رکھ دیا۔ ایک شخص کے پاس سوت کا ایک گولا تھا، اعلان سننے کے بعد اس نے بھی وہ واپس کر دیا۔ اسی طرح کے کئی اور تفصیلی واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کس طرح ارشادِ نبویؐ پر سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔ (ان واقعات کا تذکرہ ہم نے اپنی کتاب رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں، جلد چہارم، ص ۲۳۱ میں کیا ہے مزید تفصیلات البدایۃ و النہایۃ ج ۱، ص ۸۶۸-۸۹۰۔ مغازی للواقدی ج ۳، ص ۹۱۸-۹۲۵۔ سیرۃ ابن ھشام مجموعہ ج ۳-۴، ص ۴۹۲ میں دیکھی جاسکتی ہیں)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

آنحضورؐ کا رضاعی گھرانہ

تیری نسبت نے ذرّوں کے مقدر چمکائے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی خاندان کو آپ سے نسبت کی وجہ سے جو مقام ملا وہ عرب قبائل میں کم ہی کسی خاندان کو نصیب ہوا ہوگا۔ یہ بنو سعد کا ایک عام سا گھرانا تھا، جس کی اخلاقی خوبیاں تو بہرحال مسلّم ہیں، مگر مالی اور قائدانہ پیمانوں سے جو عربوں کے ہاں اصل پیمانے تھے، ان کی کوئی بڑی حیثیت نہ تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گود لیتے ہی ارضی وسماوی نعمت ہائے ربانی نے اس گھر کی طرف رخ کیا۔ یہ واقعات آپ کے ابتدائی ایام میں حضرت حلیمہؓ کے مکہ آنے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رضاعت میں لینے کے ساتھ ہی حاصل ہونے والی برکات کے بیان میں گزر چکے ہیں، مگر یہیں تک بس نہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت نے ان کو ہر گام پہ چار چاند لگائے۔ آمنہ کا لعل تو اللہ کا محبوب تھا، جو اس کا ہوگیا، شانِ عالی پر فائز ہوگیا۔ درِّ یتیم نے ذرّوں کے مقدر چمکا دیے۔ اس عالی مقام ہستی سے نسبت ہی ہم ناچیزوں کا سرمایہ وسہارا ہے۔

سب سے بڑا انعام

اسلام اور ایمان سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عطا ہے جس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي

Marfat.com

الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾
(الانعام ۶:۱۲۲)

کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح ان سے نہ نکلتا ہو۔ کافروں کے لیے تو اسی طرح ان کے اعمال خوش نما بنا دیے گئے ہیں۔

اسی مضمون کو دو آیات کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے مزید تشریح کرتے ہوئے انسانوں کو یوں متوجہ کیا ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ (الانعام ۶:۱۲۵-۱۲۷)

پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھینچتا ہے کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی) اسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ اس طرح اللہ (حق سے فرار اور نفرت کی) ناپاکی ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے، حالانکہ یہ راستہ تمھارے رب کا سیدھا راستہ ہے اور اس کے نشانات ان لوگوں کے لیے واضح کر دیے گئے ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ ان کے رب کے پاس ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور وہ (خود) ان کا

Marfat.com

سرپرست، اس صحیح طرز عمل کی وجہ سے جو انھوں نے اختیار کیا۔

ان آیات میں کفر و اسلام اور ردّ و قبول، دونوں کیفیتوں کو بہت دل نشین انداز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح کیا ہے۔ مکہ معظّمہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گردونواح میں کتنے لوگ تھے جو اس نورِ ربانی سے محروم رہے اور دور دراز سے آنے والے کتنے لوگ تھے جو اس چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ ماہر القادریؒ اپنی ایک نعت میں فرماتے ہیں:

اک وہ بھی مقدر ہوتا ہے، اک ایسی بھی قسمت ہوتی ہے
بوجہل یونہی رہ جاتا ہے، بوذرؓ کو ہدایت ہوتی ہے

صحابیۂ رسولؐ حلیمہ سعدیہؓ

سیدہ حلیمہ سعدیہ نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی مرتبہ آئیں۔ وہ جب بھی آتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اس سے بھی زیادہ احترام کرتے، جس طرح کوئی سعادت مند بیٹا اپنی حقیقی ماں کا احترام کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے رضاعی باپ کا بھی آپ کے دل میں بڑا مقام تھا، رضاعی بہن بھائیوں سے آپ کی محبت مثالی تھی۔ ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ان کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ آئیں تو آپ خوشی سے پھولے نہیں سمار ہے تھے۔ یہ وہ دور تھا جس میں اللہ نے آپ کو وحی کی دولت سے سرفراز فرما دیا تھا۔ آپ نے انھیں دیکھتے ہی اُمِّیْ اُمِّیْ. میری ماں میری ماں کہا اور ان سے لپٹ گئے۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۵۱، ۱۵۳)۔ سیدہ حلیمہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان کی نعمت سے مالا مال کیا۔ وہ صحابیات کی جماعت عالی مقام میں شامل ہیں۔ مورخین میں سے ابن کثیر نے رائے ظاہر کی ہے کہ مائی حلیمہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل وفات پا گئی تھیں، لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ دیگر تمام مستند مورخین نے ان کے قبول اسلام کی تائید میں دلائل و واقعات لکھے ہیں۔

Marfat.com

علامہ شبلی کی تحقیق

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب سیرت النبیؐ میں اپنی تحقیق کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''حضرت حلیمہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی، عہد نبوت میں جب وہ آپؐ کے پاس آئیں تو آپؐ میری ماں میری ماں کہہ کر لپٹ گئے، یہ دلچسپ واقعات آگے آئیں گے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے وفات پا گئیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، ابن ابی خیثمہ نے تاریخ میں، ابن جوزی نے حدا میں، منذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں، ابن حجر نے اصابة میں ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے، حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام التحفة الجسیمة فی اثبات اسلام حلیمہ ہے۔

حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبدالعزیٰ ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو پوچھا کہ یہ تم کیا کہتے ہو؟ کیا یہ معبودان اور اصنام توڑ دیے جائیں گے اور جو لوگ تم پر ایمان نہ لائیں گے وہ جہنم میں جلائے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! وہ دن آئے گا کہ میں آپ کو دکھادوں گا کہ میں سچ کہتا تھا۔ اس گفتگو کے بعد حارث مسلمان ہو گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے، جن کے نام یہ ہیں، عبداللہ، انیسہ، حذیفہ، اور حذافہ، جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں، ان میں عبداللہ اور شیما کا اسلام لانا ثابت ہے، باقیوں کا حال معلوم نہیں۔'' (سیرۃ النبیؐ، حصہ اول، ص ۱۲۳، بحوالہ زرقانی جلد اول، ص ۱۶۶، الاصابة فی تمیز الصحابہ، ج ۱، مطبوعہ بیروت، ص ۲۸۳)

جنت کے امیدوار

حضرت حلیمہؓ کے شوہر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل

Marfat.com

مکہ میں آئے تھے اور آپ سے سوال و جواب کیے تھے۔اس دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش نے زبردست مہم چلا رکھی تھی اور اس کے منفی اثرات کے ساتھ ساتھ یہ مثبت نتائج بھی برآمد ہو رہے تھے کہ عرب کے کم و بیش تمام قبائل میں آپ کا تعارف پہنچ چکا تھا۔کئی لوگ اسی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور ان میں سے اکثر کو اللہ تعالیٰ نے منزل سے ہم کنار کر دیا۔حارث بھی جب مکہ میں آئے تو ابن حجر عسقلانی کے مطابق قریش کے لوگوں نے انھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سے قبل کہا کہ اے حارث! کیا تو نے سنا نہیں کہ تیرا رضاعی بیٹا کیا کہتا ہے؟ انھوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ تو کہنے لگے: وہ تبلیغ کرتا ہے کہ تمام لوگ موت کے بعد پھر اٹھائے جائیں گے۔پھر ان میں سے کچھ جنت میں جائیں گے اور کچھ آگ میں جلیں گے۔ جنت میں جانے والے وہ ہوں گے جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس کا انکار کریں وہ آگ کا ایندھن بنیں گے۔چونکہ عربوں کے ہاں بعث بعد الموت پر اکثریت کا ایمان نہیں تھا، اس لیے حارث کو بھی یہ بات عجیب لگی۔

جب وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ان سے کہا: اے پیارے بیٹے! یہ میں نے تمھاری قوم سے کیا سنا ہے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ انسانوں کے اٹھائے جانے کی تبلیغ کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا: بالکل میں ایسا ہی کہتا ہوں اور یہ وہ دن ہوگا جس دن میں آپ کو آپ کے ہاتھ سے پکڑ لوں گا اور آپ سے آپ کی اس بات کا تذکرہ کروں گا۔فاسلم الحارث بعد ذلک وحَسُنَ اسلامہ و کان یقول: سیأخذ ابنی بیدی لم یرسلنی حتی یدخلنی الجنۃ۔پس حارث نے یہ سن کر اسلام قبول کر لیا اور ان کا طرز عمل انتہائی قابل تحسین تھا۔وہ کہا کرتے تھے: میرا بیٹا مجھے میرے ہاتھ سے پکڑ لے گا اور اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک مجھے جنت میں داخل نہ کر دے۔گویا قبول اسلام کے بعد اب حارث کی اصل تمنا یہی تھی کہ روزِ حشر شفاعت نبویؐ کے مستحق ٹھہریں اور جنت میں داخلہ مل جائے۔(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج ۱، مطبوعہ بیروت، ص ۲۸۳)

Marfat.com

خوشی کے آنسو

اسحاق بن عبداللہ کے حوالے سے ابن حجر مزید لکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رضاعی رشتہ داروں کو خوش خبریاں دیتے ہوئے کئی مرتبہ ان کے جنتی ہونے کی تائید فرمائی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی عبداللہ بن حارث جب آپ سے ملے اور اسلام قبول کیا تو ان سے بھی آپؐ نے فرمایا: فوالذی نفسی بیدہ لآخذن بیدک یوم القیامۃ ولاعرفنک۔ ''پس اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور قیامت کے دن تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تجھے پہچان بھی لوں گا اور تجھے یہ بات بھی ضرور یاد کراؤں گا۔'' حضرت عبداللہ اپنے آخری ایام میں اپنی مجلس میں بیٹھے بیٹھے اس واقعہ کو بیان کرتے تو وہ فرطِ جذبات سے رونے لگتے اور پھر کہتے: انا ارجوا ان یاخذنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ یوم القیامۃ۔ میں اس امید پر جی رہا ہوں کہ قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑیں گے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج ا،م بیروت، ص ۲۸۳)۔ قیامت کے روز جس کا ہاتھ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پکڑیں گے، اس کے جنتی ہونے میں کسی کافر ہی کو شک ہوسکتا ہے۔

شیما کے اشعار

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بہن بھائیوں کے جو نام تاریخ میں آئے ہیں ان میں عبداللہ کے علاوہ حذیفہ کا نام آتا ہے۔ جبکہ دو بہنیں تاریخ میں مذکور ہیں اُنیسہ اور شیما جن کا اصلی نام حذافہ بھی بیان ہوا ہے۔ ان میں سے عبداللہ کے قبول اسلام کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ شیما کا قبول اسلام بھی ثابت ہے۔ باقیوں کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ شیما کے قبول اسلام کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔ بچپن میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بنوسعد میں بھیجے گئے تھے تو شیما آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیتی تھیں اور ان شعروں کے ساتھ آپ کو محظوظ کرتی تھیں:

Marfat.com

هذا اخ لی لم تلد امی
ولیس من نسل أبی و عمی
فانمه اللهم فیما تنمی

یہ میرا بھائی ہے اگرچہ میری ماں نے اسے جنم نہیں دیا، نہ ہی میرے والد اور چچا کی نسل سے ہے۔ پس اے میرے پروردگار! اسے خوب پھلتا پھولتا اور بڑا ہوتا دکھا۔ (السیرة الحلبیة، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۵۰)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

سیدہ آمنہ کا سانحۂ ارتحال

اطمینان اور خلش

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی والدین کے پاس تقریباً ساڑھے چار یا پانچ سال کی عمر تک رہے۔ اس عرصے میں آپ وہاں بہت سے تجربات سے گزرے۔ صحرا میں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانا، جنگلی اور صحرائی جھاڑیوں اور درختوں سے پھل کھانا، مختلف قسم کے کھیل کود اور دوڑ میں حصہ لینا، اس کے ساتھ فصیح عربی زبان میں مہارت اس دور کے خاص واقعات ہیں۔ آپ کے رضاعی والدین اور بہن بھائی آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور آپ کی غیر معمولی صفات کی وجہ سے آپ کا احترام بھی ملحوظ رکھتے تھے۔ بعد کے زمانے میں بچپن کے کئی واقعات آپ کے بہن بھائیوں نے بیان کیے اور خود آپ نے بھی ان کا تذکرہ فرمایا۔ جب آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ آپ کو آپ کی والدہ اور دادا کے سپرد کر کے گئیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یک گونہ اطمینان تھا کہ دادا کی بے مثال شفقت و سرپرستی اور ماں کی مامتا کی نعمت حاصل ہوئی ہے۔ اسی طرح حلیمہ بھی مطمئن تھیں کہ ایک عظیم ذمہ داری سے نہایت کامیابی کے ساتھ سرخرو ہوئی ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ دونوں ماں بیٹے نے ایک دوسرے کی جدائی کو محسوس کیا۔

آنکھوں کا تارا

دوسری جانب سیدہ آمنہ کو اپنے دریتیم کی گھر واپسی پر جو خوشی تھی اس کو الفاظ میں کوئی کیسے بیان کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ روز و شب اور لمحات و ساعات ان کی زندگی کا خوش گوار ترین تجربہ

Marfat.com

تھا۔ اسی طرح ننھے محمد بن عبداللہ کے والد کا سایۂ شفقت اگرچہ سر پر نہیں تھا، مگر ماں کی ممتا کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ وہ آپؐ کو حاصل تھی۔ اس کے ساتھ سید قریش جناب عبدالمطلب کی سرپرستی اور پیار و محبت بے مثال تھا۔ یہی نہیں آپؐ کے چچا اور پھوپھیاں بھی آپؐ کو جب تک دیکھ نہ لیتیں انھیں چین نہ آتا۔ اس خاندان میں یہ بچہ ہر شخص کے نزدیک اس کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ماں اور بیٹا رات کو جب سوتے تو ایک دوسرے کو کہانیاں سناتے اور خوشی خوشی نیند کی آغوش میں چلے جاتے۔ اگلا دن طلوع ہوتا تو ماں کو اپنے بیٹے کی وجہ سے یوں ہی محسوس ہوتا کہ وہ دنیا کی سب سے خوش نصیب خاتون ہے۔ اس میں شک بھی کیا ہے۔ آمنہ کا درِ یتیم اس کائنات کا حاصل اور تخلیق ربّ ذوالجلال کا شاہکار ہے۔ خوشیوں کے یہ دن زیادہ طویل ثابت نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیّت اور رضا ہوتی ہے کہ وہ کب کیا فیصلہ صادر کرے۔

یثرب کا سفر

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال کے قریب تھی کہ آپ کی والدہ نے مدینہ جانے کا فیصلہ کیا۔ عبدالمطلب سے اجازت طلب کی اور کہا کہ میں چاہتی ہوں محمد کے ساتھ آپ کے ننھیال جاؤں اور ان سے ملاقات کروں۔ ساتھ ہی میری یہ خواہش ہے کہ میں اپنے خاوند، اور میرا بیٹا اپنے والد کی قبر کی زیارت کر سکیں۔ انھوں نے اجازت دے دی تو اپنی کنیز ام ایمن کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئیں۔ ان کے پاس سواری کے لیے دو اونٹ تھے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا سفرِ مدینہ تھا۔ اس سفر میں آپ کی والدہ کی ممتا اور محبت آپ پہ سایہ کیے ہوئے تھی۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ ۴۷ سال بعد پھر اس درِ یتیم کو مدینہ کا ایک سفر درپیش ہوگا اور اس سفر میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں سر پہ سایہ فگن ہوں گی۔ ام ایمن تو اس سفر میں ساتھ نہ ہوں گی البتہ افضل البشر بعد الانبیا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم قدم و ہم راز ہوں گے۔

یثرب (مدینہ) کا یہ سفر مکمل ہوا تو سیدہ آمنہ بنونجار کے ہاں پہنچیں۔ اس خاندان بلکہ پورے قبیلے نے ان مہمانانِ عزیز کے قدموں میں دیدہ و دل فرش راہ کیے۔ بنونجار آنحضور صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبداللہ کی قبر مدینہ منورہ میں تھی۔ یہ بنونجار کے ایک مشہور آدمی نابغہ کے صحن کے ایک جانب تھی۔ سیدہ آمنہ اسی گھر میں آ کر ٹھہریں۔ اس گھر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے ساتھ تقریباً ایک مہینہ مقیم رہے۔ ام ایمن بھی وہیں مقیم رہیں۔ اس عرصے میں آنحضور بنونجار کے محلے میں اپنے ہم عمر بچوں اور بچیوں کے ساتھ خوب گھومتے پھرتے اور کھیلتے تھے۔

بچپن کی حسین یادیں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار اپنے بچپن کے واقعات صحابہ کے سامنے پیش کرتے تو مجلس میں عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ آئے اور بنوعدی بن نجار کا وہ بہت بڑا محل دیکھا تو آپ نے پہچان لیا اور فرمایا کہ میں یہاں پر اپنی ایک رشتہ دار لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ پھر فرمایا کہ اس محل کی منڈیر پر ایک چڑیا بار بار آ کر بیٹھا کرتی تھی۔ میں اپنے ہم عمر ننھیالی لڑکوں کے ساتھ اس چڑیا کو اڑایا کرتا تھا۔ لیکن وہ پھر وہاں آ کر بیٹھ جاتی تھی۔ وہ چڑیا بھی جانتی ہوگی کہ یہ مہمان کوئی عام بچہ نہیں، یہ سید البشر ہے۔ ہجرت کے بعد یہ گھر دیکھتے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کہا کہ میری والدہ مجھے اور ام ایمن کو لے کر یہیں آ کے اتری تھیں۔ یہیں میرے والد گرامی قدر کی قبر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں بنونجار کے لڑکوں کے ساتھ ان کے ایک تالاب میں نہایا کرتا تھا اور اسی عمر میں مَیں نے تیراکی سیکھی تھی۔

یادگار گفتگو

ایک بڑی عجیب بات مورخین نے اس حوالے سے نقل کی ہے۔ ابن سعد کے بقول ام ایمن نے فرمایا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی رہتی تھی کہ وہ کہیں دور نہ نکل جائیں۔ میں نے ایک دن دیکھا کہ کچھ یہودی ادھر آئے اور انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ میں نے ان کا کلام سنا، وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ لڑکا اس امت کا پیغمبر ہے اور یہی بستی اس کا دارالہجرت ہوگی۔ ام ایمن نے یہ سب باتیں یاد رکھیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

نبوت کا اعلان ہونے کے بعد مختلف مواقع پر بیان کیں۔

سیّدہ آمنہ کا سانحۂ ارتحال

مدینہ میں کم وبیش ایک مہینے کے قیام کے بعد جب سیدہ آمنہ اپنی کنیز اور بیٹے کے ساتھ مکہ کی طرف چلیں تو ان کے رشتہ داروں نے بڑے ادب واحترام کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔ انھوں نے سیدہ آمنہ کو کئی تحفے دیے اور ان خواہشات کا اظہار کیا کہ وہ ان کی آیندہ مدینہ آمد کے منتظر رہیں گے۔ اس قافلے کے پاس مکہ سے چلتے ہوئے جو دو اونٹ تھے، وہی اب بھی ان کی سواری میں تھے۔ یہ مختصر اور قدسی قافلہ ابوا کی بستی میں پہنچا جو مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی طبیعت اچانک ناساز ہوئی اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ ام ایمن اور محمد بن عبداللہ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ننھے محمدؐ فطری طور پر فرطِ غم سے رونے لگے۔ ام ایمن کی اپنی کیفیت بھی بہت ناگفتہ بہ تھی۔ اس کے باوجود اس باسلیقہ خاتون نے معصوم بچے کی دل جوئی کی خاطر بہت ضبط سے کام لیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پیار اور تسلی دی۔ (طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۱۱۶)

درِّ یتیم ماں کی قبر پر

ام ایمن اگرچہ بالکل نوعمر تھیں، مگر بہت سمجھ دار اور دانش مند خاتون تھیں۔ انھوں نے ابوا کے لوگوں کو اپنے قافلے کا تعارف کرایا اور وہیں سیدہ آمنہ کے کفن دفن کا انتظام کروایا۔ سیدہ آمنہ ابوا ہی میں دفن ہوئیں۔ ان کی قبر اب بھی موجود ہے۔ ایک بار مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوا کے مقام پر رکے اور ایک قبر کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ سبھی صحابہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ اس موقع پر تمام صحابہ خاموش تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ میری والدہ ماجدہ کی قبر ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے قبر کی زیارت کے لیے اجازت مانگی تو اللہ نے اجازت دے دی۔ پھر میں نے مغفرت کے لیے دعا کرنے کی درخواست

Marfat.com

کی تو اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول نہ کی۔ مجھے اپنی والدہ یاد آئیں تو مجھ پر رقت طاری ہوگئی اور میں بے ساختہ رونے لگا۔ جب صحابہ نے یہ سنا تو اتنے روئے کہ روایات کے مطابق کسی اور دن اتنے نہیں روئے۔ (مسلم، کتاب الجنائز، حدیث ۱۰۸، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ و مسند احمد میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۱۱۶-۱۱۷)

ایک عاجزانہ وضاحت

ہم یہاں اپنی کتاب رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں سے ایک اقتباس بطور تذکیر دے رہے ہیں: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی والدہ کے بارے میں جو ارشاد اوپر نقل کیا گیا ہے، اس پر کوئی تبصرہ کرنا تو کسی کے لیے بھی ممکن نہیں البتہ ہم ایک تاریخی پس منظر یہاں ضرور بیان کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ کم وبیش تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ ابرہہ کے خانۂ کعبہ پر حملے کے وقت قریش کے تمام لوگوں نے خالص توحید کی بنیاد پر اللہ سے دعا مانگی تھی کہ وہ ذات باری تعالیٰ اپنے گھر کی حفاظت کرے۔ اس وقت وہ بتوں کو بالکل بھول گئے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے دس سال بعد تک قریش بتوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ [اس پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں تفصیلی نوٹ لکھا ہے۔ حوالے کے لیے دیکھیے: تفہیم القرآن ج ۶، ص ۴۶۸، تعارف سورۃ الفیل]۔ اسی عرصے میں آنحضورؐ کی والدہ ماجدہ اور دادا محترم کا انتقال ہوا۔ دس سال کے بعد پھر قریش اپنی پرانی ڈگر پر چلے گئے۔ اللہ کی طرف سے اجازت نہ دینا کسی حکمت کے تحت ہوگا ورنہ معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ اس عرصے میں وفات پانے والے لوگ دین ابراہیمؑ کے پیروکار ہی شمار ہوتے ہیں۔ یہ حکمت غالباً یہی تھی کہ صحابہ اور دیگر لوگ اس کو بنیاد بنا کر ان رشتہ داروں یا والدین کے لیے مغفرت کی دعا شروع نہ کردیں جو حالتِ کفر میں فوت ہوگئے تھے اور جن کے لیے مغفرت کی دعا سے منع کردیا گیا ہے۔'' (بحوالہ: رسول رحمتؐ تلواروں کے سائے میں، جلد سوم، ص ۱۴۳)۔

Marfat.com

بڑھاپے میں جان لیوا غم

ابوا میں سیدہ آمنہ کی تدفین ہو چکی تو ام ایمن زخمی دل اور بوجھل قدموں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے بھر وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حوصلہ دیتی رہیں۔ سیدہ آمنہ کی زندگی میں بھی ام ایمن ہی زیادہ تر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تواضع کیا کرتی تھیں۔ وہ آپؐ کے لیے بالکل بمنزلہ ماں کے تھیں۔ جب یہ ادھورا قافلہ مکہ واپس پہنچا اور سردار قریش عبدالمطلب کو اپنی پیاری بہو آمنہ بنت وہب کی دوران سفر وفات کی اطلاع ملی تو اس بڑھاپے میں ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ انھوں نے اپنے پوتے کو سینے سے لگا لیا اور نہایت شفقت و محبت کے ساتھ ان کو چوما۔ (البدایة والنهایة، ج۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص۴۰۸-۴۰۹، سیرة ابن هشام، القسم الاول، ص۱۶۸)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

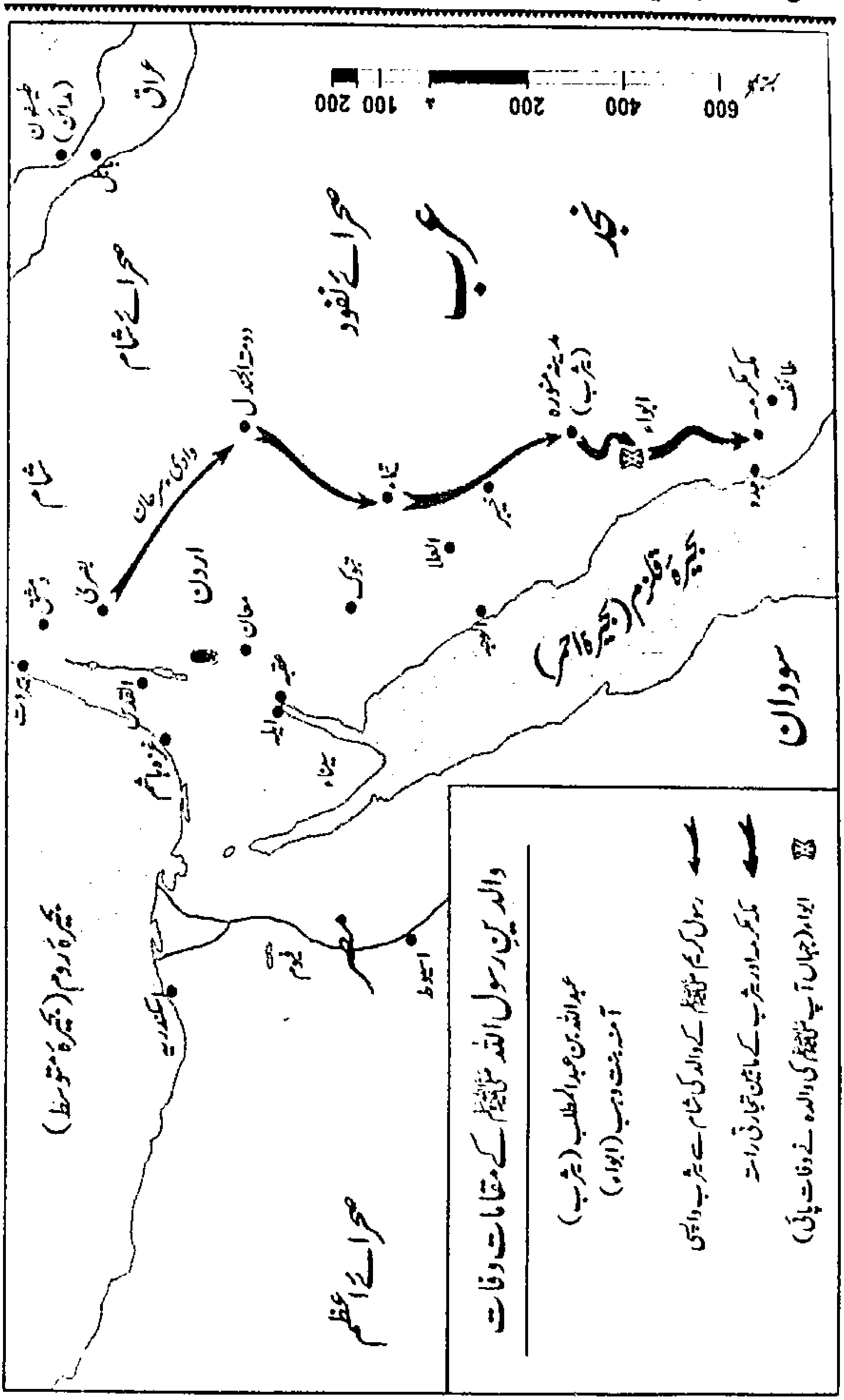

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابوخلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۹۲)

Marfat.com

عبدالمطلب کی آغوشِ محبت

خالص کندن

یہ کائنات عجوبات سے بھری پڑی ہے۔ ہر عجوبہ اللہ کی ربوبیت کا پتا دیتا ہے۔ انسان تمنائیں اور آرزوئیں پالتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے صادر فرماتا ہے، جو اٹل ہوتے ہیں۔ ہر فیصلے میں اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمتیں ہوتی ہیں۔ بندے کا علم بہت محدود ہے۔ وہ قادرِ مطلق جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ جو نہ چاہے وہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ ماشاء اللّٰہ کان وما لم یشالم یکن۔ اس نے اپنے سب سے محبوب بندے اور سید المرسلین، شافع محشر اور حاملِ مقامِ محمود کو اس حال میں دنیا میں بھیجا کہ آمد سے قبل والد شفیق کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ پھر چھ سال کی عمر میں اپنے محبوب کو والدہ کی ماما سے بھی محروم کردیا۔ وہ ان سے بہت بڑا کام لینا چاہتا تھا۔ اسی لیے ان کو آزمائشوں میں ڈال کر کندن بنایا۔ دادا کی شفقت بہت بڑا سہارا تھی۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے بیٹیوں میں سے بھی کسی کے ساتھ اتنی محبت نہیں کی تھی، جتنی اپنے اس یتیم پوتے کے ساتھ کی۔ وہ ان کی خوراک، لباس اور راحت و نیند کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ سب لوگ یہ دیکھ کر حیرت میں ڈوب جاتے۔

نقشِ پائے ابراہیمؑ و محمدؐ

عبدالمطلب کا زندگی بھر کا معمول تھا کہ سونے کے وقت میں کوئی ان کی خواب گاہ کے اندر نہیں آسکتا تھا، نہ ہی کوئی ان کے بستر پر بیٹھنے کی جرأت رکھتا تھا۔ اب ننھا محمد نہ صرف ان کی خواب گاہ کے اندر جاسکتا تھا بلکہ اس کے بغیر وہ خواب گاہ سردارِ قریش کو گوارا ہی نہ تھی۔ وہ اپنے سارے

Marfat.com

معمولات کو ترک کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ سلاتے اور ان کی ہر خواہش پوری کرتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں بعض حیران کن واقعات پیش آئے۔ انھی میں سے ایک واقعہ سیرت نگاروں نے لکھا۔ اس کے مطابق

بنو مدلج کے لوگ کھوج لگانے کے ماہر تھے۔ جس شخص کا پاؤں ایک بار بھی دیکھا ہوتا زمین پر اس کے نقوش دیکھ کر وہ فوراً پہچان لیتے تھے کہ یہ اسی کے نقوش ہیں۔ ایک مرتبہ یہ لوگ مکہ میں آئے تو انھوں نے عبدالمطلب سے ملاقات کے دوران کہا: احتفظ ابنک هذا فانا لم نر قدما اشبه بالقدم فی المقام منه۔ اپنے اس بچے کی بہت حفاظت کرنا کیونکہ یہ عام بچہ نہیں ہے۔ اس کے قدم سے زیادہ مقام ابراہیم پہ لگے قدم سے مشابہ کسی شخص کا قدم ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ (طبقات ابن سعد، ج۱، ص۱۱۸)

عبدالمطلب نے اس موقع پر اپنے بیٹے ابو طالب کو خصوصی طور پر متوجہ کیا اور فرمایا: اے میرے بیٹے! سن یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ یعنی اگر تمھیں اپنے بھتیجے کی حفاظت کرنا پڑے تو یہ بات ذہن میں رکھنا کہ یہ اللہ کا خاص بندہ ہے، جس کا نشان پا ہمارے جد امجد ابراہیمؑ کے قدم کی تصویر ہے۔

میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ

عبدالمطلب نے ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ کی خادمہ ام ایمن کو خصوصی طور پر متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: یا برکة لَا تغفلی عن ابنی فانی وجدته مع غلمان قریبا من السدرة وان اهل الکتاب یزعمون ان ابنی هذا نبی هذه الاُمة۔ یعنی اے برکہ! کبھی بھی میرے بیٹے کی دیکھ بھال میں غفلت نہ کرنا۔ میں نے اسے چند لڑکوں کے ساتھ فلاں بیری کے درخت کے پاس پایا ہے اور اہلِ کتاب کا یہ خیال ہے کہ میرا یہی بیٹا اس امت کا نبی ہے۔ [اس بنیاد پر وہ حسد و بغض میں کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں]۔ عبدالمطلب کھانے کے دستر خوان پر بیٹھتے تو اپنے پوتے کو اپنے ساتھ بٹھاتے۔ کبھی ایسا ہو جاتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کھیلنے کودنے میں نکل

Marfat.com

جاتے تو جب تک آپؐ آ نہ جاتے، وہ کھانا تناول نہ فرماتے۔ ایسے موقع پر وہ کہا کرتے: علیّ بابنی، علیّ بابنی یعنی میرے بیٹے کو میرے پاس لے کر آؤ، میرے بیٹے کو میرے پاس لے آؤ۔

عبدالمطلب کی رحلت

عبدالمطلب کافی عمر رسیدہ تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال ہوئی تو آپ کے دادا کا آخری وقت آ گیا۔ آخری وقت میں اپنے تمام اہل و عیال کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ خصوصی طور پر ابو طالب کو مخاطب کر کے کہا: اب میرا بیٹا تمھاری تحویل اور کفالت میں ہوگا، اس کا خاص خیال رکھنا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس موقع پر موجود تھے۔ آپ اپنے چچاؤں اور پھوپھیوں کی طرح غم سے نڈھال ہو گئے۔ عبدالمطلب کے آخری لمحات میں ان کی سب بیٹیوں نے ان کے سامنے ان کی جدائی کے احساس سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے منظوم بین کیے۔ اسے مرثیہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

رلا دینے والے اشعار

عبدالمطلب سب کا کلام سنتے رہے۔ جب ان کی بیٹی امیمہ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو عبدالمطلب کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں، زبان بھی نہ ہل سکتی تھی، مگر ابھی تک زندہ تھے اور ہوش میں تھے۔ نقاہت کی وجہ سے اپنے سر کو آہستہ آہستہ جنبش دے کر اپنی بیٹی کے اشعار کی تائید کی۔ یہ اشعار سنتے سنتے ہی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

أَعَيْنَيَّ جودا بدمع دِرَرْ
على طيب الخيم والمعتصرْ
على ماجِدِ الجد و رِيِّ الزنادِ
جميلِ المُحَيّا عظيمِ الخطَرُ
على شيبةِ الحمد ذى المكرمات

Marfat.com

وذی المجدِ والعِزّ والمُفتَخَرُ

وذی الحلمِ والفضلِ فی النائبات

کثیرُ المکارمِ جَمّ الفَخَرُ

له فضلُ مَجْدِہٖ علی قومه

مبین یَلُوحُ کَضَوءِ القَمَرُ

اتتْهُ المَنَایا فلم تُشوِہٖ

بصَرفِ اللّیَالی وَرَیْبِ القَدَرْ

اے میری آنکھو! آج خوب آنسو بہاؤ۔ اس شخص پر اشکبار ہو جاؤ جو اعلیٰ اخلاق و عادات کا مالک اور جو دوفیاضی میں بے مثل تھا۔

اس پر جو بڑی شان وشوکت کا مالک اور بڑے نصیبے والا تھا۔ ضرورت مندوں کا سرپرست، خوب صورت اور عالی مرتبت تھا۔

آنسو بہاؤ صاحبِ کرامت شیبۃ الحمد پر، خوب رؤاس پر کہ جس کی بزرگی وعزت اور افتخار معلوم ومعروف اور مسلّم ہے۔

اس کی جدائی میں آنسو بہاؤ جو مشکلات ومصائب میں مکمل صبر وتحمل کے ساتھ اپنی فضیلت کا اظہار کرتا تھا۔ وہ کہ جس کی ذات میں کثرت کے ساتھ خوبیاں پائی جاتی تھیں اور جو قابل فخر تھا۔

اپنی ساری قوم پر اسے ایسی فضیلت وفوقیت حاصل تھی، جیسے [ستاروں کے درمیان] چاند کے نور میں واضح نظر آتی ہے۔

یہ ساری خوبیاں بلاشبہ اس میں جمع تھیں، مگر گردش لیل ونہار اور تقدیر کے اٹل فیصلے سے کوئی چیز اس عظیم شخص کو نہ بچا سکی۔ (طبقات ابن سعد، ج۱، ص۷۸، ۴، سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۱۷۰-۱۷۳)

Marfat.com

یہ اشعار ایک عظیم باپ کی جدائی میں اس کی پیاری بیٹی نے کہے ہیں۔ان میں بے پناہ تاثیر بھی ہے اور درد والم کا دلدوز اظہار بھی۔یہ اشعار پڑھتے ہوئے آنکھوں میں بے ساختہ آنسو چھلکنے لگتے ہیں۔

دادا کی وفات پوتے کو ہمیشہ یاد رہی

عبدالمطلب کے انتقال پر پورے مکہ میں اداسی چھا گئی۔انھوں نے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ایک اور روایت میں ان کی عمر ۱۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔اس تفاوت کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔ان کا جنازہ اٹھا تو ایک مجمع اس کے ساتھ تھا۔مکہ کے باہر حجون کے مقام پر ان کو دفن کیا گیا۔بعض لوگوں کے خیال میں اب تک ان کی قبر وہاں موجود ہے،مگر یہ محض قیاس آرائی معلوم ہوتی ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔ام ایمن بیان کیا کرتی تھیں کہ میں نے اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ عبدالمطلب کے تابوت کی روانگی کے وقت زار وقطار روئے، پھر جنازے کے ساتھ تابوت کے پیچھے پیچھے چلے،اس وقت بھی آپ مسلسل رو رہے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ کیا آپ کو عبدالمطلب کی موت کا منظر یاد ہے تو آپ نے فرمایا: کیونکہ نہیں، میں اس وقت آٹھ برس کا تھا۔میرے جدامجد عبدالمطلب کی وفات حرب الفجار سے قبل ہوگئی تھی۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

علامہ شبلی نے اپنی سیرت النبیؐ حصہ اول صفحہ ۱۲۵ پر لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کا واقعہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ان کی موت نے بنوامیہ کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ قبائلی سسٹم میں دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنوہاشم پر غالب آگئے۔اب قریش کی سیادت عبدالمطلب کی بجائے حرب [ابوسفیان کا والد] کے ہاتھ میں آگئی جو بنوامیہ کا نامور فرزند تھا۔مناصب ریاست وسیادت میں سے بنوہاشم کے پاس صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا رہ گیا،جو عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عباس بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں رہا۔

Marfat.com

قدیم مورخین نے عبدالمطلب اور حرب بن امیہ کے درمیان ایک مسابقہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن سعد نے محمد بن السائب الکلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حبشہ کے سفر میں سردارانِ قریش مالِ تجارت کے ساتھ گئے۔ چونکہ بنو امیہ اور بنو ہاشم میں مستقل چشمک چلتی رہتی تھی، اس لیے اس کا اظہار سفر و حضر ہر جگہ ہوتا تھا۔ اس سفر میں عبدالمطلب اور حرب بن امیہ دونوں شریک تھے۔ دونوں کے درمیان آپس میں کسی بات پر بحث مباحثہ ہوا اور دونوں نے اپنے اپنے مناقب بیان کیے۔ پھر دونوں نے طے کیا کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے فیصلہ کرا لیتے ہیں کہ کون اعلیٰ اور کون ادنیٰ۔ نجاشی کے ہاں جب گئے تو اس نے ان کے درمیان حَکَم بننے سے انکار کر دیا۔ [غالبًا اس نے اسے اپنی شان سے فروتر سمجھا ہوگا یا کسی اور مصلحت کے تحت انکار کیا ہوگا] آخر طے ہوا کہ نفیل بن عبدالعزیٰ بن الریاح بن عبداللہ بن قرط سے فیصلہ کرایا جائے جو عدی بن کعب کی اولاد سے تھا۔ اس نے دونوں کی باتیں سنیں اور پھر حرب سے مخاطب ہو کر کہا: أتنافر رجلا هو اطُول منک قامةً۔ واعظمُ منک هامةً واوسمُ منک وسامةً واقلُّ منک لامٍ، واکثرُ منک ولدًا واجزلُ منک صفدًا واطولُ منک مزودًا۔ کیا تو ایسے شخص سے مقابلہ کرتا ہے جو تجھ سے بہت بلند و بالا قامت کا مالک ہے، جس کا سر تیرے سر سے بڑا ہے، جو تجھ سے زیادہ حسین و جمیل ہے، جس کے اندر تیرے برعکس نقائص اور باعث ملامت صفات نہیں ہیں، تیرے مقابلے میں زیادہ کثیر الاولاد ہے، تجھ سے کہیں زیادہ سخی و فیاض اور فراخ دل ہے، تجھ سے زیادہ فصیح اور ساز و سامان میں تجھ سے بڑھ کر ہے۔

یہ فیصلہ سن کر حرب زچ ہو گیا اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا: انّ من انتکاث الزمانِ ان جعلناک حکمًا۔ یعنی یہ بھی منحوس سوچ تھی اور بری گھڑی تھی کہ ہم نے تجھے فیصل و حَکَم مان لیا۔ یہ نفیل بن عبدالعزیٰ حضرت عمر بن خطاب کے دادا تھے۔ اس فیصلے کے بعد حرب بن امیہ نے عبدالمطلب سے قطع تعلقی کر لی اور حرب اور اس کی اولاد عبداللہ بن جدعان کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۸٦-۸۸)

Marfat.com

ابوطالب کے زیر کفالت

یتیم بھتیجا، رحیم چچا

جیسا کہ سابقہ صفحات میں تذکرہ ہو چکا ہے، اس کائنات کی سب سے بڑی شخصیت محمد بن عبداللہ دنیا میں آئے تو باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ دادا عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو اپنی سرپرستی میں لے لیا، مگر دو سال بعد ان کا بھی آخری وقت آ گیا۔ انھوں نے اپنے آخری لمحات میں اپنے یتیم پوتے کو اپنے بیٹے ابوطالب کی تحویل میں دے دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور پھوپھیاں مختلف ماؤں سے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے۔ حقیقی چچا ہونے کے علاوہ بھی ابوطالب بہت حوصلہ مند، نرم مزاج اور صلہ رحمی کے معاملے میں معروف تھے۔ فطری طور پر عبدالمطلب کو اپنے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد یتیم پوتے کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ انھوں نے اپنے بیٹے ابوطالب سے کہا کہ اب محمد بن عبداللہ تمھاری تحویل میں ہے، اس سے محبت کرنا اور اس کی بہترین انداز میں دیکھ بھال کا اہتمام کرنا۔ جناب ابوطالب نے اپنے والد کی وصیت کے عین مطابق سرپرستی کا حق ادا کیا۔ وہ اپنے بچوں سے زیادہ اپنے یتیم بھتیجے محمد بن عبداللہ کی دیکھ بھال اور سرپرستی فرماتے تھے۔ جب کہیں جاتے تو اپنے ساتھ رکھتے۔ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے اور سونے کے وقت میں بھی انھیں اپنے ساتھ سلاتے۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ، ساڑھے آٹھ سال تھی۔

برکات وکرامات

بعض روایات کے مطابق مورخین کا خیال ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت دادا

Marfat.com

کے بعد آپ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے ذمے لگی اور بعد میں یہ ذمہ داری ابوطالب کے حصے میں آئی۔ ہماری رائے میں عبدالمطلب کے بعد آپ کی سرپرستی وکفالت ابوطالب ہی کے سپرد ہوئی۔اس روایت کو مستند مورخین کی اکثریت نے بیان کیا ہے۔ابوطالب کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اپنے بچوں میں سے کسی کو کھانے کے وقت موجود نہ پاتے تو کبھی فکر مند نہ ہوتے۔البتہ اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ کو کھانے کے وقت گھر پر نہ دیکھتے تو دسترخوان کی طرف اس وقت تک ہاتھ نہ بڑھاتے جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا نہ لیا جاتا۔وہ کہا کرتے: لَا اٰکُلُ حَتّٰی یَحْضُرَ اِبْنِیْ۔ میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک میرا بیٹا نہ آجائے۔

ایک اور بڑی اہم بات جو ابن سعد نے بیان کی ہے، وہ یہ ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے میں موجود نہ ہوتے تو اہلِ خانہ بہت زیادہ کھانا کھانے کے باوجود خود کو سیر نہ سمجھتے۔آپؐ کی موجودگی میں تھوڑے کھانے سے بھی آسودگی اور اطمینان مل جاتا اور کافی کھانا بچ بھی جاتا۔ اسی وجہ سے ابوطالب اس بات سے خوش ہو کر آپ سے کہا کرتے تھے: انک لَمُبَارَکٌ یَابُنَیَّ یعنی اے میرے پیارے بیٹے! بے شک تیرے اندر بہت برکات ہیں۔عبدالمطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم کی قیادت متفقہ طور پر ابوطالب کے سپرد ہوئی۔(البدایة والنهایة، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۰)

سردار بنو ہاشم کی مجلس

سردار قبیلہ ہونے کی وجہ سے بطحا میں ابوطالب کی مجلس لگتی تو وہاں ایک گدا بچھایا جاتا جس پر ایک بڑے تکیے سے ٹیک لگا کر وہ بیٹھا کرتے تھے۔ایک مرتبہ محمد بن عبداللہ وہاں تشریف لائے جبکہ ابھی ان کے چچا وہاں نہیں پہنچے تھے۔یہ دیکھ کر انھوں نے وہ گدا ایک جانب بچھایا اور اس کے اوپر لیٹ گئے۔اسی دوران آپ کی آنکھ لگ گئی۔ابوطالب مجلس میں آئے تو گدا غائب پا کر اس کے بارے میں پوچھا۔لوگوں نے کہا کہ وہ آپ کے بھتیجے نے لے لیا ہے اور اس پر لیٹ گیا ہے۔ابوطالب اس بات پر مکدر ہونے کی بجائے مسرت سے کہنے لگے: ''بطحا کی حلت کی قسم!

Marfat.com

بلاشبہ میرا یہ بھتیجا نعمت کا قدر دان ہے۔" ایک مرتبہ ابو طالب کی مجلس میں آمد سے قبل وہ گدا جو ان کے لیے بچھا دیا گیا تھا، اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت کچھ زیادہ نہ تھی۔ ابو طالب آئے تو اپنے بھتیجے کو وہاں بیٹھا دیکھ کر خوشی سے کہا: "قسم ہے قبیلہ ربیعہ کے معبود کی میرا یہ بھتیجا نعمت کی حقیقی قدر جانتا ہے۔" (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۰، البدایۃ و النہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۰۹)

چچا عظیم، بھتیجا عظیم تر

ابو طالب کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا کی وفات سے لے کر خود ان کی وفات تک بیالیس سال گزارے۔ اس سارے عرصے میں چچا بھتیجے کے درمیان کبھی کوئی خاص اختلاف رائے یا رنجش پیدا نہیں ہوئی۔ اس میں عظیم المرتبت بھتیجے کا کمال تو ہے ہی، لیکن سچی بات یہ ہے کہ چچا کی شفقت و محبت اور عظمت و فراخ دلی کا بھی اس میں بہت بڑا حصہ ہے۔ جب کبھی ابو طالب مکہ سے باہر سفر کے لیے کہیں روانہ ہوتے، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ رکھتے۔ اس حوالے سے خاص طور پر ایک سفر بڑا یادگار ہے، جو شام کی طرف کیا گیا تھا۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۱۲ سال کے قریب تھی۔ اس سفر کی خاص بات بُحیرا راہب کی آپؐ سے ملاقات ہے۔ اس کی تفصیل مورخین نے یوں بیان کی ہے۔

اللہ کے بندے کی گواہی اور عقیدت

شام کے سفر میں قافلہ ایک منزل پر رکا تو ایک شخص ان کے پاس آیا۔ اس نے عیسائی راہبوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس نے اہلِ قافلہ سے پوچھا: تمھارے درمیان کوئی بہت نیک آدمی ہے؟ اہل قافلہ نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو مہمان نوازی کیا کرتے ہیں، مجبور قیدیوں اور غلاموں کو رہا کرتے ہیں اور نیکی اور خدمت خلق کے کاموں میں دل چسپی لیتے ہیں۔ بُحیرا راہب کی اس جواب سے تسلی نہ ہوئی۔ اس نے پھر کہا: تمھارے درمیان ایک پاک طینت اور صالح آدمی ہے۔ اس کے بعد خود ہی اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

Marfat.com

اشارہ کیا اور پوچھا کہ اس لڑکے کے والد کہاں ہیں؟ ابو طالب کی طرف اشارہ کر کے کسی نے اسے بتایا کہ یہ اس کے ولی اور سرپرست ہیں۔ یہ سن کر راہب نے ابو طالب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: احتفظ بھذا الغلام ولا تذھب به الی الشام، ان الیھود حُسُدٌ وانی اخشاھم علیه، قال: ما انت تقول ذاک ولکن الله یقوله، فردّہ، قال: اللّٰھمّ انی استودعک محمّداً! ثم انه مات، فردّہ ابو طالب معه الی مکة۔ یعنی اس لڑکے کی حفاظت کی فکر کرو، اسے شام نہ لے جاؤ، وہاں یہودی ہیں جو بہت حاسد ہیں۔ اس لڑکے کے بارے میں ان کے شر سے مجھے خوف ہے۔ اس پر ابو طالب نے کہا: یہ تم نہیں کہہ رہے بلکہ حقیقت میں یہ اللہ کا قول ہے۔ اس کے بعد اس راہب نے کہا: ''اے اللہ! میں محمدؐ کو تیرے سپرد کرتا ہوں، تو اس کی حفاظت فرما۔ اس کے کچھ عرصے بعد وہ راہب وفات پا گیا۔ چنانچہ جناب ابو طالب آگے جانے کی بجائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر وہیں سے واپس مکہ چلے آئے۔ (طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۱۲۰-۱۲۱، البدایة والنھایة، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۱)۔ یہ اللہ والے کی سچی گواہی تھی۔ پھر اس کے منہ سے اللہ کے آخری نبی کے لیے جو دعائیہ کلمات نکلے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو کتنی محبت وعقیدت تھی۔ رحمه اللّٰه تعالیٰ۔

مقدس کتب کے سچے پیروکار

اوپر بیان کردہ واقعہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بُحیرا راہب نے آخری بات جو کی وہ یہ تھی اے اللہ! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ بات کہہ کر وہ وفات پا گیا۔ کیا خوب انسان تھا۔ دراصل اہل کتاب کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات ان کی مقدس کتابوں میں بتا دی گئی تھیں۔ جو خوش نصیب تھے، انھوں نے دیکھتے ہی پہچان لیا جیسے بُحیرا راہب اور اہلِ حبشہ کا ۲۰ رکنی وفد [جو مکہ آیا تھا] اور اسلام قبول کیا تھا۔ قرآن مجید کی سورۃ القصص میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جب انھوں نے اسلام قبول کرلیا تو ابو جہل اور دیگر سردارانِ قریش نے انھیں

Marfat.com

برا بھلا کہا اور گالیاں دیں۔ ان بے ہودہ باتوں کو سن کر انھوں نے قرآن کے الفاظ میں یہ جواب دیا:

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾ (القصص:۵۵) اور جب انھوں نے بے ہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ "ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمھارے اعمال تمھارے لیے، تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔"

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی اعلیٰ مثال موجود ہے جنھوں نے مدینہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی نظر دیکھ کر ہی گواہی دی کہ یہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہے اور پھر کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اس کے برعکس جو شیطان کی راہ پر چلنے والے تھے وہ پہچاننے کے باوجود مخالفت اور دشمنی پر اڑے رہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ ۘ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ (الانعام۶:۲۰) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو [کہ محمدؐ اللہ کے سچے رسول ہیں] اس طرح غیر مشتبہ طور پر پہچانتے ہیں جیسے ان کو اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔ مگر جنھوں نے اپنے آپ کو خود خسارے میں ڈال دیا ہے وہ اسے نہیں مانتے۔

لعلِ درخشاں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات دل چسپ بھی ہیں اور ایمان افروز بھی۔ اللہ کے نبی پیدائشی طور پر نبی ہوتے ہیں۔ ان کی بعثت کا وقت خود اللہ تبارک وتعالیٰ مقرر کرتا ہے، جب ان پر وحی نازل کر کے ان کو اپنا نمائندہ بنانے کا اعلان کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی اور تاجِ نبوت عطا کیا گیا۔ اس سے قبل آپؐ کے بچپن اور جوانی کا دور بھی اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کے اندر کہیں کوئی کمزوری یا عیب نظر نہیں آتا۔ خذف ریزوں

Marfat.com

کے درمیان یہ لعلِ درخشاں یوں چمک رہا تھا کہ بُحیرا راہب نے تو الہامی کتابوں کی روشنی میں آپ کو پہچان لیا، مگر عام آدمی بھی آپ کے اخلاق حسنہ کو دیکھ کر پکار اٹھتا تھا کہ یہ شخص کسی خاص اور اعلیٰ مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

--❀--❀--❀--

Marfat.com

گلہ بانی اور انبیائے کرام

گلہ بانی شریفانہ کام

عربوں کے عام رواج اور روایات کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں بھی چرائیں۔ سوقِ عکاظ کے قریب آپ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ کم وبیش اللہ کے تمام نبیوں نے راعی (چرواہے) کا کردار ادا کیا ہے۔ بھیڑ بکریوں اور جانوروں کی دیکھ بھال اور نگہداشت انسان کی تربیت میں بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ شیبانی کوئی عیب نہیں، بلکہ خوبی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال مدین میں گلہ بانی کی۔ شیخ مدین نے پہلی ملاقات میں آپ کی زبانی جو روداد سنی اس پر بے ساختہ کہا: لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (القصص ۲۸:۲۵) ''کچھ خوف نہ کرو اب تم ظالموں سے بچ نکلے ہو۔'' اس کے بعد جب اپنی اہلیہ کے ساتھ مدین سے مصر جا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے شیبانی سے کلیمی تک کا سفر ایک جست میں طے کرا دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پوری انسانیت کا راعی بننے سے پہلے بھیڑ بکریوں کے راعی ہونے کی منزل طے کی۔

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اِسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

جانور ایک نعمت بھی اور حسن بھی

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں جانوروں کا ذکر کیا ہے۔[بلکہ بعض

Marfat.com

سورتوں کے تو نام ہی جانوروں کے نام پر ہیں] مثلاً سورۃ البقرہ، سورۃ الانعام اور سورۃ الفیل۔ ہر چند کہ سورۃ الانعام کا موضوع انعام نہیں لیکن اس میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور ان کے جوڑوں کا بہت خوب صورت انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔ جانوروں سے انسان لباس وپوشاک، خیمے اور فرش کے علاوہ گوشت، دودھ بھی حاصل کرتا رہا ہے اور وہ اس کے لیے بار برداری اور سواری کی خدمات بھی سرانجام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ جانوروں کے گلّے اور ریوڑ صبح چرنے کے لیے چراگاہ کی طرف جاتے ہیں اور شام کو خوب سیر ہو کر واپس اپنے باڑے کی طرف پلٹتے ہیں تو اس میں بھی کسان اور راعی (چرواہے) کی ایک شان ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا ہر وہ شخص خوب ادراک رکھتا ہے جو جانوروں کی افزائش اور زرعی میدان سے تعلق رکھتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل ۱۶:۵-۸) اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمھارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمھارے لیے جمال ہے جب کہ صبح تم انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جب شام کو انھیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمھارے لیے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔ اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمھاری زندگی کی رونق بنیں اور وہ بہت سی چیزیں (تمھارے فائدے کے لیے) پیدا کرتا ہے [اور کرتا رہے گا] جن کا تمھیں علم تک نہیں ہے۔

جنگل اور اس کے درختوں سے واقفیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن ہی سے صحرائی اور جنگلی جھاڑیوں اور درختوں سے خوب

Marfat.com

متعارف ہوگئے تھے۔ بکریاں چرانے کے زمانے میں آپؐ مختلف جنگلی پھلوں سے بھی مستفید ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام کے ساتھ آپؐ جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں جھڑ بیریوں کے جھنڈ تھے۔ صحابہ ان کے پھل توڑ کر کھانے لگے تو آپ نے فرمایا جھڑ بیری کا جو پھل خوب پک جائے، وہ بہت سیاہ ہو جاتا ہے اور وہی زیادہ شیریں اور پر لطف ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ یہ میرا اس زمانے کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں [قبیلہ بنوسعد میں] بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (سیرۃ النبیؐ، ج ا، ص ۱۲۵، السیرۃ الحلبیۃ، ج ا، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۸۵)

قراریط؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: **انا رعیتها لِاهل مكة بالقراريط**۔ یعنی میں نے بھی اہل مکہ کے لیے بکریاں چرائی ہیں۔ قراریط کے بدلے۔ قراریط کے بارے میں مختلف آرا ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد املی کا پھل ہے، جبکہ دوسری رائے کے مطابق قراریط ایک مقام ہے جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کا نام لے کر فرمایا کہ وہ دونوں عظیم المرتبت انبیا بکریاں چرایا کرتے تھے۔ میں نے بھی اپنی بعثت سے پہلے اجیاد (مکہ میں ایک پہاڑی اور وادی کا نام، جو چراگاہ ہوا کرتی تھی) میں اپنے لوگوں کی بکریاں چرائیں۔

عبید بن عمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول نقل کرتے ہیں: **ما من نبی الّا وقد رعی الغنم، قالوا وانت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: وانا**۔ یعنی اللہ کا کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپؐ نے بھی گلہ بانی کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں میں نے بھی یہ کام کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۱۲۵-۱۲۶، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۶۷، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۸۴-۱۸۵)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

حرب الفجار

حرام مہینوں میں خون ریزی

عرب قبائل کے درمیان جنگیں تو ہوتی رہتی تھیں، مگر ایک جنگ تاریخ میں زیادہ معروف ہوگئی۔ اسے حرب الفجار کہا جاتا ہے۔ فجار یعنی فجور اور اللہ کی نافرمانی کا وقوع پذیر ہونا۔ اس جنگ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ قریش اور بنی کنانہ کے مقابلے پر قبیلہ قیس عیلان نے حرام مہینے میں لڑی تھی۔ اس جنگ کی وجہ کیا تھی، اکثر مورخین نے واضح نہیں کیا، تاہم ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ سوقِ عکاظ میں نعمان بن منذر، شاہِ حیرہ نے تجارت کے لیے اپنے کچھ کارندوں کو بھیجا تھا۔ یہ بنوقیس کے ایک سردار عروہ بن عتبہ بن جابر بن کلاب کی پناہ میں تھے۔ قبیلہ بنوبکر بن عبدالمناف بن کنانہ کے ایک شخص براض بن قیس نے عروہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور پھر فرار ہوگیا۔ اس نے خیبر میں جا کر پناہ لے لی۔ یہی قتل اس جنگ کی وجہ بنا۔ بنوقیس نے قریش کے خلاف جنگ کی تیاری کی اور انھیں دھمکی دی کہ اب ہم تم سے نمٹیں گے۔ نتیجتاً یہ جنگ حرام مہینوں کے اندر ہی وقوع پذیر ہوگئی۔

حضورؐ کی جنگ میں شمولیت

اس جنگ کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۰ سال کے قریب تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر اپنے خاندان کی طرف سے علم بردار تھے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو بنوقیس کا پلڑا بھاری نظر آیا، لیکن دوپہر کے بعد جنگ کا پانسا پلٹ گیا۔ قریش اور ان کے حلیفوں نے اپنے دشمن پر تابڑتوڑ حملے کیے اور انھیں زبردست شکست دی۔ تاہم اس جنگ میں مثبت بات

Marfat.com

یہ ہوئی کہ عتبہ بن ربیعہ نے جو اس وقت ابھی تیس سال کا نوجوان تھا پکار کر کہا کہ اے لڑنے والو! بہت ہو چکی، اب جنگ بند کر دی جائے اور آپس میں صلح کی جائے۔ حسن اتفاق سے اس کے نتیجے میں یہ جنگ بند ہو گئی۔ چنانچہ دونوں فریقوں نے ہتھیار رکھ دیے اور آئندہ کے لیے ایک دوسرے کے مقابلے پر ہتھیار نہ اٹھانے کا عہد کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں اس جنگ میں شریک تھا لیکن میں نے کسی پر حملہ نہیں کیا۔ دشمن کی طرف سے جو تیر آتے تھے میں ان کو اپنی ڈھال پر روکتا تھا اور اپنے چچاؤں کا دفاع کرتا تھا۔ اسی طرح میں اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتا تھا جو وہ اپنے دشمن پر چلا رہے تھے۔

سالارانِ جنگ

اس جنگ میں عبداللہ بن جدعان قریش اور بنو کنانہ کی قیادت کر رہا تھا۔ اس کے زیر کمان سات سردار مختلف دستوں کی کمان کر رہے تھے۔ یہ تھے ہشام بن مغیرہ، حرب بن امیہ، ابواُحیحہ سعید بن عاص، عتبہ بن ربیعہ، العاص بن وائل، معمر بن حبیب الجمحی اور عکرمہ بن عامر بن ہاشم۔ قبیلہ قیس کی قیادت ابو براء عامر بن مالک بن جعفر کے ہاتھ میں تھی اور اس کے زیر کمان چھ قبائلی سردار مختلف دستوں کے کمانڈر تھے۔ ان کے نام ابن سعد نے یہ بیان کیے ہیں: سُبیع بن ربیعہ بن معاویہ النصری، درید بن الصمہ، مسعود بن معتب ثقفی، ابوعروہ بن مسعود، عوف بن ابی حارثہ المری اور عباس بن رعل السُّلمی۔ (طبقات ابن سعد، ج۱، ص۱۲۶-۱۲۸، سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص۱۸۴-۱۸۷)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

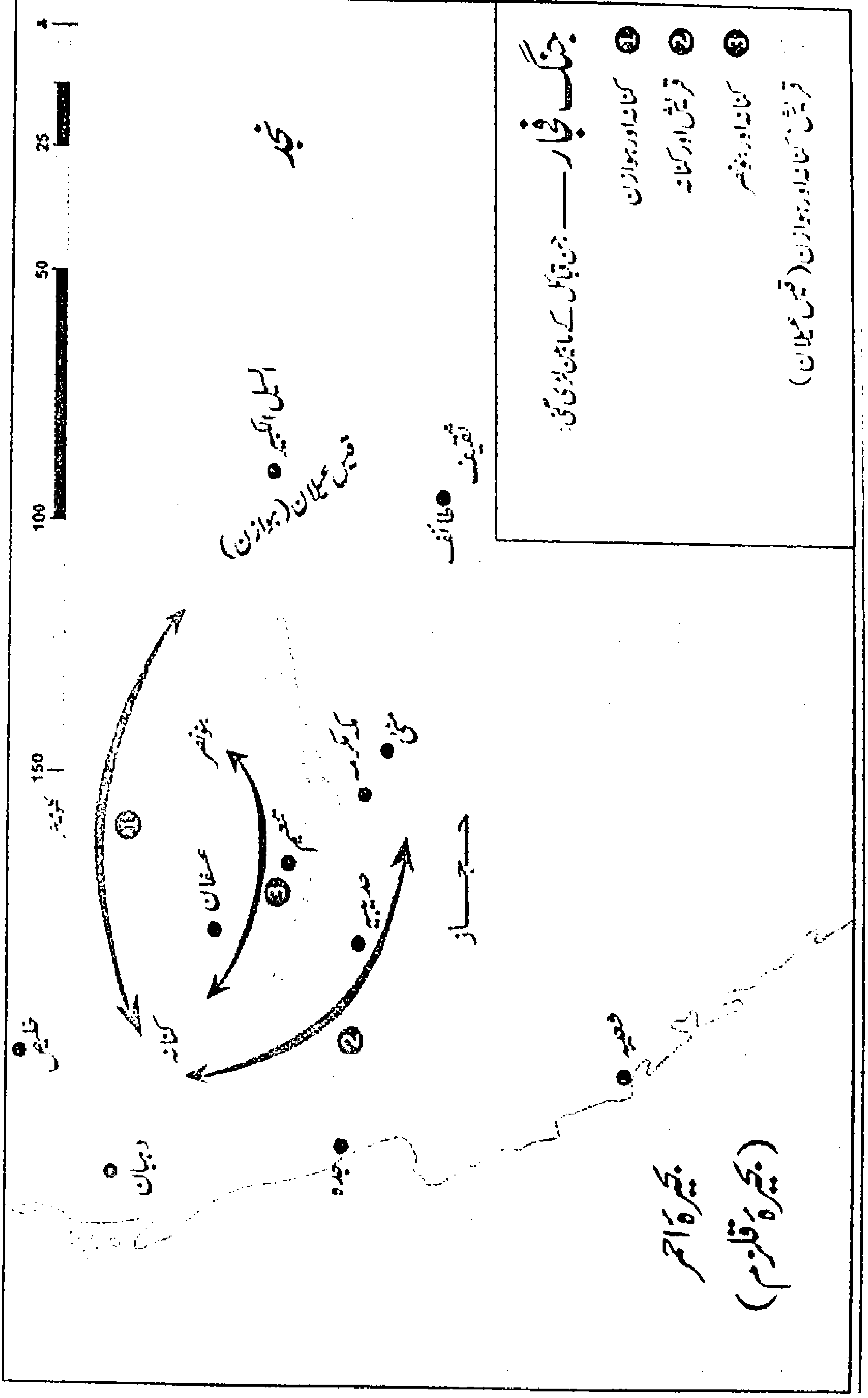

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابوخلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۱۰۴)

Marfat.com

آنحضورؐ کا دوسرا سفرِ شام

مہمان نوازی اور تنگ دستی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا سفر شام کم و بیش ۲۳، ۲۴ سال کی عمر میں ہوا۔ یہ سفر آپ نے حرب الفجار کے کچھ عرصہ بعد کیا۔ آپؐ اپنے چچا ابوطالب کے پاس رہتے تھے اور ابوطالب اپنے اہل و عیال کے علاوہ ہر جانب سے آنے والے مہمانوں کی خاطر تواضع بھی کیا کرتے تھے اور ان کا کوئی بہت بڑا کاروبار نہیں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ عموماً تنگ دست رہتے تھے۔ تنگ دستی کے باوجود ان کی فیاضی میں کمی نہ آئی تھی۔ ان کے بیٹے طالب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے، مگر وہ بھی کوئی زیادہ کام نہیں کرتے تھے۔ ابوطالب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور چچا بھتیجے میں آپس میں بہت بے تکلفی بھی تھی۔ تمام امور پر دونوں کے درمیان بے تکلفی کے ماحول میں مشاورت اور تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔

ایک صائب تجویز

ایک روز جناب ابوطالب نے اپنے ہونہار بھتیجے سے کہا: انا رجل لَا مال لی وقد اشتد الزمان علینا، وھذا عیرقومک وقد حضر خروجھا الی الشام وخدیجۃ بنت خویلد تبعث رجالًا من قومک فی عیراتھا۔ میرے پاس اس وقت مال و دولت نہیں ہے اور حالات خاصے سخت ہو گئے ہیں۔ تیری قوم کا تجارتی قافلہ شام کی طرف جانے کو تیار ہے۔ خدیجہ بنت خویلد تیری قوم کے لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو اپنے تجارتی قافلوں کی نگرانی کے لیے بھیجتی ہے۔ اگر تو چاہے تو میں اس سے بات کروں کہ تو اس تجارتی قافلے کا نگران بن جائے۔ چچا

Marfat.com

کی یہ تجویز بہت صائب، مناسب اور برموقع تھی۔آپ نے یہ تجویز پسند فرمائی اور پھر چچا سے کہا: اگر خدیجہ مجھے اس کام کے لیے مناسب سمجھیں تو میں تیار ہوں۔ (السیرة الحلبیة، ج۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص۱۹۳، طبقات ابن سعد، ج۱،ص۱۲۹-۱۳۰، سیرة ابن ھشام، القسم الاول، ص۱۸۷-۱۸۸)

شام کی جانب تجارتی سفر

حضرت خدیجہ کو بھی اس گفتگو کی اطلاع مل گئی۔انھیں خوشی ہوئی کہ قریش کا سب سے زیادہ شریف النفس، امانت دار اور ذہین وفطین اور قابل نوجوان انھیں اپنے تجارتی قافلے کے لیے دستیاب ہے۔وہ جن لوگوں کو اپنے تجارتی سامان کے ساتھ شام کی طرف بھیجا کرتی تھیں، انھیں دو جوان اونٹ معاوضے میں دیتی تھیں۔ابوطالب نے کہا کہ اے بھتیجے! ہم آپ کے لیے دو اونٹ نہیں چار اونٹ مناسب سمجھتے ہیں۔اس دوران اتفاق کی بات یہ ہے کہ خدیجہ نے خود بھی یہی سوچا اور کہا:انا اعطیک ضعف ما اعطی رجلا من قومک. یعنی میں آپ کی قوم کے کسی بھی دوسرے شخص کو جتنا معاوضہ دیا کرتی ہوں اس سے دوگنا آپ کو دوں گی۔چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور تجارتی قافلے کو لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔

عالم ربانی کی گواہی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدیجہ بنت خویلد کا غلام میسرہ بھی شریک سفر تھا۔جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام چچا آپ کو رخصت کرنے کے لیے جمع ہوگئے اور اہلِ قافلہ کو سب نے آپؐ کے بارے میں تاکید کی کہ آپ کا پورا پورا خیال رکھیں۔قافلہ مکہ سے شام کی طرف کئی منزلیں طے کرتا ہوا بصریٰ کے شہر میں پہنچا اور وہاں ایک درخت کے سائے میں ڈیرہ لگایا۔قریب ہی ایک گرجا گھر تھا،جس کے اندر نسطورا نامی ایک راہب مقیم تھا۔ اس راہب نے قافلے کو دیکھا تو وہ متوجہ ہوا اور میسرہ سے سوال وجواب کیے۔میسرہ پہلے بھی شام

Marfat.com

کی طرف سفر کرتا رہتا تھا اور اس راہب سے واقف تھا۔نسطورا نے کہا: **مانزل تحت هذه الشجرة قط الّا نبی، ثم قال لمیسرة افی عینیه حمرة؟ قال نعم لَا تفارقه، قال: هو نبی وهو آخر الانبیاء**۔اس درخت کے نیچے نبی کے علاوہ کبھی کوئی دوسرا نہیں اترا۔پھر میسرہ سے پوچھا کیا اس شخص کی آنکھوں میں سرخی ہے تو میسرہ نے جواب دیا: ہاں ہے اور یہ سرخی مستقل ان کی آنکھوں میں رہتی ہے۔اس پر نسطورا نے کہا یہ اللہ کا نبی ہے اور یہی آخری نبی ہے۔

تائیدمزید

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے بازار اور مارکیٹ میں اپنا تجارتی سامان بیچا اور جو مال تجارت وہاں سے خریدنا تھا وہ خریدا۔اسی دوران ایک شخص نے خرید وفروخت کے معاملے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مباحثہ کیا اور اپنی گفتگو میں اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: تو لات وعزیٰ کی قسم اٹھا۔اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے زندگی بھر کبھی ان کی قسم نہیں کھائی، بلکہ میں تو ان کے پاس سے جب گزرتا ہوں تو اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیتا ہوں۔اس شخص نے بھی میسرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! یہ اللہ کا نبی ہے، جسے ہمارے احبار وعلما تورات وانجیل میں پاتے ہیں۔جو بات ایک عالم فاضل کہہ چکا تھا، اس کی تائید ایک عام آدمی نے بھی بھرے بازار میں کردی۔سچائی خود اپنا آپ منوالیتی ہے۔

غیرمعمولی مشاہدات

اس سفر کے دوران میں میسرہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت قریب سے دیکھا۔آپ کے اخلاق ومعاملات اور امانت وصداقت کی تو پہلے ہی عرب معاشرے میں شہرت تھی۔میسرہ نے کچھ مافوق الفطرت چیزوں کا بھی مشاہدہ کیا۔وہ آپ کا ایسا گرویدہ ہوا کہ پھر زندگی بھر آپ ہی کا ہو رہا۔وہ بیان کرتا تھا کہ جب شدت کی دھوپ اور گرمی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کوئی غیرمرئی چیز سایہ کیے رکھتی۔میسرہ کے خیال میں یہ اللہ کے فرشتے ہوتے تھے۔میسرہ کے

Marfat.com

تجارتی تجربات کافی قدیم و وسیع تھے۔ وہ ہمیشہ مختلف لوگوں کی نگرانی میں اس تجارتی قافلے کے ساتھ شام کی طرف آتا جاتا رہا تھا۔ اس مرتبہ تجارتی قافلے کو پہلے سے کئی گنا زیادہ منافع حاصل ہوا۔ واپسی پر جب یہ لوگ مرالظہر ان کے مقام پر پہنچے تو میسرہ نے کہا: اے محمدؐ! جب ہم خدیجہ کے پاس چلیں گے تو آپ انھیں بتائیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے مالِ تجارت میں آپ کو کئی گنا نفع عطا کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔

قافلۂ خیر کی واپسی

یہ قافلہ مکہ میں دوپہر کے وقت پہنچا۔ خدیجہ کے ہاں مکہ کی خواتین ہر وقت حاضر رہا کرتی تھیں۔ اس وقت خدیجہ اپنے بالا خانے میں کچھ خواتین کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے اونٹ پر سوار تھے اور دو فرشتوں نے ان کے اوپر دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ کیا ہوا تھا۔ خدیجہ نے یہ دیکھا تو اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی خواتین کو بھی اس جانب متوجہ کر کے یہ منظر دکھایا۔ وہ خواتین یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کامیاب سفر اور بہترین منافع کی خبر دی تو حضرت خدیجہ بہت خوش ہوئیں۔ خدیجہ نے میسرہ کو سائے کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا: محترمہ! میں تو یہ منظر دورانِ سفر مسلسل دیکھتا رہا ہوں۔ پھر نسطورا راہب کی گفتگو کا بھی تذکرہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ ایک شخص نے دورانِ خرید و فروخت آپ سے کسی بات پر اختلاف کیا اور بتوں کی قسم کھانے کی بات کی تو آپ نے اسے کیا جواب دیا اور اس شخص نے جواب میں کیا کہا۔

چار گنا معاوضہ

اس مرتبہ چونکہ مالِ تجارت میں پہلے کے مقابلے میں دوگنا نفع ہوا تھا اس لیے خدیجہ بہت خوش تھیں۔ انھوں نے معاہدہ کرتے وقت آپ کے لیے چار اونٹ معاوضہ مقرر کیا تھا۔ اب خود رضاکارانہ طور پر کہا کہ چار نہیں آپ کا حق آٹھ اونٹ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے ایسی کامیابیاں عطا فرمائیں کہ آپ کے چچا ابوطالب اور سارا خاندان بنو ہاشم ان کامیابیوں پر خوشیاں منانے لگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت سے جو کچھ بھی ملا وہ اپنے چچا کی خدمت میں پیش کر دیا۔ محبت اور خوشی سے چچا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اپنے بھتیجے کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔ اس میں شک نہیں کہ چچا تاریخ عرب کی عظیم شخصیت تھے، مگر کون انکار کر سکتا ہے کہ بھتیجا از اول تا آخر پوری ذریت آدم میں عظیم ترین تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۱۲۹-۱۳۰، السیرۃ الحلبیۃ، ج ا، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۹۳-۱۹۵)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

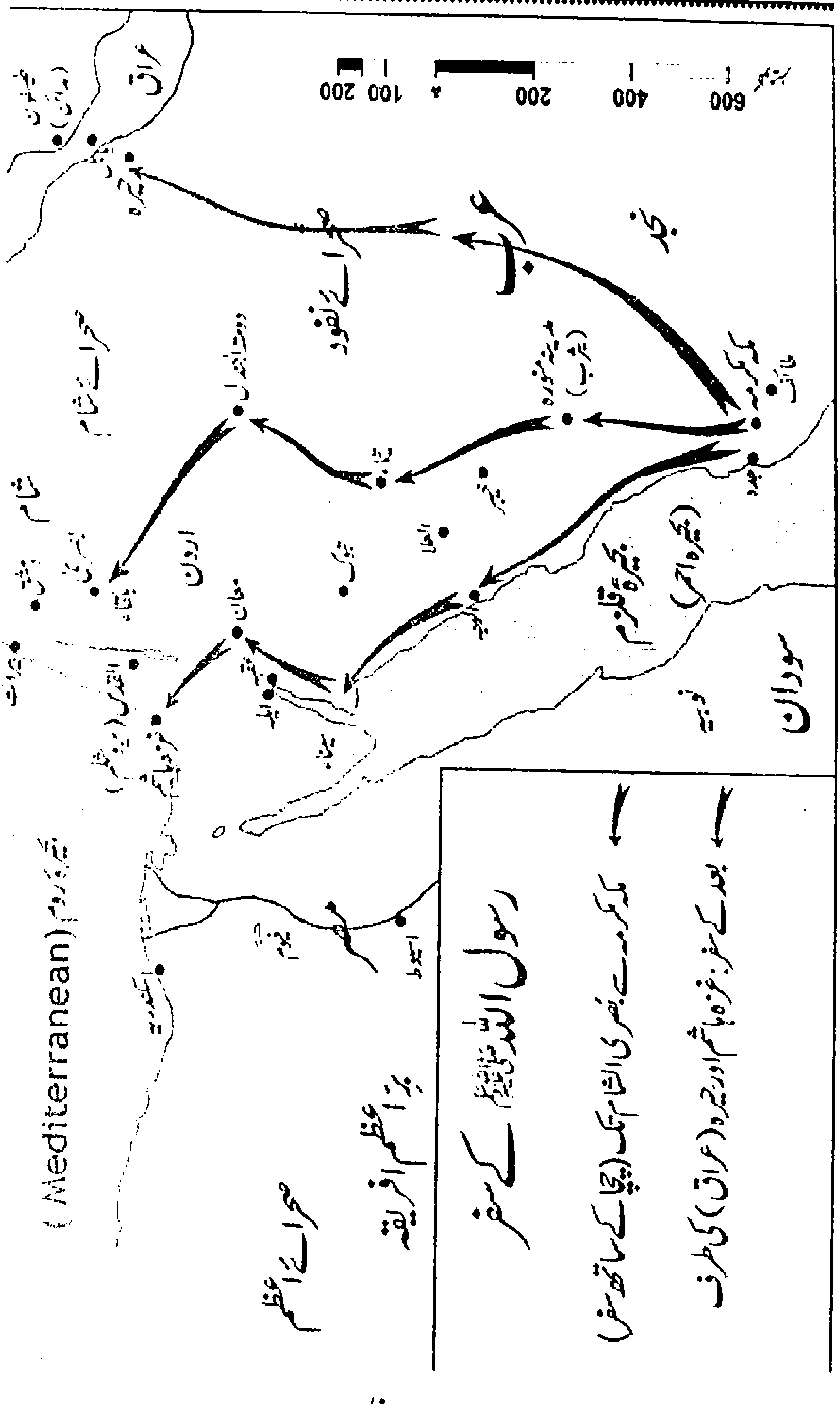

(اٹلس سیرتِ نبویؐ، از ڈاکٹر شوقی ابوخلیل، مطبوعہ دارالسلام، صفحہ ۹۴)

Marfat.com

خدیجہ بنت خویلد سے نکاح

مال اور عزت

خدیجہ بنت خویلد مکہ میں خاندانِ قریش کی سب سے معزز اور سب سے مال دار خاتون تھیں۔ بعض لوگوں کے پاس مال بہت ہوتا ہے، مگر عزت واحترام سے محروم ہوتے ہیں، بعض دوسرے لوگوں کے پاس مال ودولت نہیں ہوتا، مگر وہ معززین اور شرفا میں شمار ہوتے ہیں۔ اس عظیم خاتون کو اللہ نے دونوں اعزاز بخشے تھے۔ جوانی میں ان کی پہلی شادی ابوہالہ ہند بن نباش بن زرارہ کے ساتھ ہوئی، جو بنوتمیم میں سے تھے۔ ابوہالہ شادی کے تھوڑے عرصے بعد وفات پا گئے۔ ان سے سیدہ خدیجہ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام ہالہ اور دوسرے کا اپنے باپ ہی کے نام پر ہند تھا۔ گویا دونوں باپ بیٹے کا ایک ہی نام تھا۔ سیدہ خدیجہ کی دوسری شادی بنومخزوم کے ایک خوش اخلاق نوجوان عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے ہوئی۔ ان سے حضرت خدیجہ کی ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام ہندہ تھا، جسے بعض مورخین نے ہند بھی لکھا ہے۔ عتیق بن عائذ بھی شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد جوانی میں انتقال کر گئے۔ ان کی بیٹی ہند صحابیات میں شامل ہیں۔

دو روایات

ایک روایت کے مطابق سیدہ خدیجہ کے والد خویلد بن اسد فوت ہو چکے تھے جبکہ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ زندہ تھے، مگر بدقسمتی سے اتنی شراب پیتے تھے کہ انھیں مدہوش ہی پایا گیا۔ سیرت الحلبیہ میں یہ واقعہ لکھنے کے ساتھ ہی اس کی تردید بھی کی گئی ہے۔ مورخ حلبی خود بیان کرتے ہیں کہ خویلد بن اسد حرب الفجار سے قبل فوت ہو گیا تھا، جبکہ بعض لوگوں کے نزدیک وہ یمن

Marfat.com

کے حکمران تُبّع کے مقابلے پر اس وقت کھڑا ہوا جب تبع خانہ کعبہ سے حجر اسود اکھاڑ کر یمن لے جانا چاہتا تھا۔ قریش کے کئی اور غیرت مند نوجوان بھی خویلد کے ساتھ ہتھیار بند ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔ اتفاق سے تُبّع نے رات اتنا خوف ناک خواب دیکھا کہ اب وہ اپنے ارادے سے تائب ہو گیا اور حجر اسود کو چھیڑے بغیر یمن چلا گیا۔ ہمارے نزدیک صحیح روایت یہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہ سے نکاح کے وقت خویلد فوت ہو چکا تھا۔

خویلد کے بھائی اور حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد خاندان کے سربراہ اور صاحب الرائے قریشی سردار تھے۔ وہی سارے خاندان کے سرپرست بھی تھے۔ حضرت خدیجہ کے دو بھائی حزام بن خویلد (حضرت حکیم بن حزام کے والد) اور عوّام بن خویلد (حضرت زبیر بن العوام کے والد اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ کے خاوند) تھے۔ یہ دونوں بھائی جوانی میں فوت ہو گئے تھے۔ والد اور بھائیوں کی وفات کے بعد حضرت خدیجہ کے خاندانی سرپرست ان کے چچا عمرو بن اسد تھے۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، لابن حجر العسقلانی، ج ۲، مطبوعہ دار صادر بیروت، ص ۲۸۰-۲۸۱، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، اردو ترجمہ، ج ۳، حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص ۲۰-۲۱،۷ السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۲۰۰)

حضرت خدیجہ کو ان کے دوسرے خاوند کی وفات کے بعد قریش کے کئی معزز سرداروں نے نکاح کے پیغام بھیجے، مگر انھوں نے ہر ایک کے جواب میں معذرت کی۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار کو دیکھا تو ان سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اگرچہ دوبارہ شادی کرنے کا ارادہ دل سے نکال چکی تھیں، مگر اب رائے سے رجوع کر لیا۔ انھوں نے اپنی ایک ہم راز سہیلی نفیسہ بنت مُنیَہ کو کہا کہ وہ محمد بن عبداللہ سے جا کر ملاقات کرے اور ان کو نکاح کی پیش کش کرے۔ نفیسہ بہت سمجھ دار خاتون تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے کہا: ''اے محمدؐ! آپ جوان آدمی ہیں، آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے۔'' آپ نے جواب میں فرمایا: ابھی میرے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ میں نکاح کر سکوں۔ اس پر نفیسہ نے کہا کہ اگر وسائل میسر ہو جائیں اور

Marfat.com

آپ کو کسی عزت وشرف والی خاتون، جو حسن وجمال کا بھی پیکر ہو اور جس کے ہاں مال و دولت کی بھی ریل پیل ہو، کی طرف سے پیش کش کی جائے تو آپ کا کیا ردعمل ہوگا؟

مبارک پیش کش

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفیسہ سے پوچھا: تم جس خاتون کے بارے میں بات کر رہی ہو وہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا: ''خدیجہ بنت خویلد۔'' آپ نے فرمایا: میرے لیے ان کی پیش کش کہاں ہے؟ اس پر نفیسہ نے عرض کیا: آپ اس کی فکر نہ کریں یہ میری ذمہ داری ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ پیش کش کریں گی تو میں قبول کرلوں گا۔ حضرت خدیجہ کے والد اور بھائی فوت ہو چکے تھے۔ ان کے چچا عمرو بن اسد بھی کافی عمر رسیدہ تھے جبکہ ان کے دادا اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بھی حیات تھے اور ان کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ بینائی سے معذور ہونے اور بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے وہ نہ تو کہیں آجا سکتے تھے اور نہ ہی کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ اس وقت حضرت خدیجہ کے سرپرست اور ولی ان کے چچا عمرو بن اسد ہی تھے۔

بنو عبدالمطلب کی آمد اور مبارک فیصلہ

حضرت خدیجہ کو ان کی ہمراز سہیلی نفیسہ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملاقات اور اپنی گفت وشنید سے آگاہ کیا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک گونہ اطمینان ہوا۔ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنے بزرگوں کے ساتھ میرے چچا عمرو بن اسد سے فلاں وقت آکر ملاقات کریں اور ان کے سامنے سوال پیش کریں۔ اسی دوران انھوں نے اپنے چچا کو بھی اس صورت حال سے مطلع کیا۔ ان کے چچا اس پر خوش ہوئے۔ پروگرام کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سب چچاؤں کو ساتھ لے کر عمرو بن اسد کے پاس آئے۔ عمرو بن اسد نے ان کا استقبال کیا اور ان کے سوال کا مثبت جواب دیا۔ اسی مجلس میں آپؐ کا سیدہ خدیجہ سے نکاح ہوا۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے چچا ابوطالب نے اس موقع پر اپنے رواج اور عرف کے مطابق خطبۂ نکاح بھی پڑھا۔

Marfat.com

موثر خطبۂ نکاح

ابوطالب کا خطبۂ نکاح مورخین نے نقل کیا ہے جو بہت فصیح و بلیغ اور با معنی ہے۔اس کے آغاز میں انھوں نے کہا: ''الحمدللہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم......حمد و تعریف اللہ کے لیے جس نے ہمیں ابراہیمؑ کی اولاد میں پیدا کیا۔اسماعیلؑ کے باغیچے کے پھول بنایا اور اپنے مقدس گھر کی نگرانی اور خدمت کے لیے ہمیں منتخب کیا۔ہمارے شہر کو امن وامان کا گہوارہ بنایا اور ہمیں لوگوں کا حاکم بننے کا شرف عطا ہوا۔یہ میرا بھتیجا محمدؐ ہے جس کی مثل دنیا کا کوئی انسان نہیں۔وہ ہر معاملے میں سب سے افضل و برتر ہے، ہاں مال و دولت کی فراوانی نہیں، لیکن مال و دولت کا کیا، یہ تو ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔اے خاندانِ بنواسد! آپ کی عفت مآب اور معزز بیٹی خدیجہ کے لیے محمدؐ نے تمھیں پیغام دیا، ہم شکرگزار ہیں کہ تم نے اس پیغام کا مثبت جواب دیا ہے۔حقِ مہر ہم ادا کرتے ہیں، جو پانچ سو درہم ہے۔'' اس کے بعد ایجاب وقبول ہوا اور دونوں خاندانوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔خاندان بنواسد کے تمام لوگ اور بنو ہاشم کے بھی تمام ارکان اس موقع پر موجود تھے۔(السیرۃ الحلبیۃ، ج۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص۲۰۱-۲۰۲)

ایمان افروز زندگی

قال عمرو بن اسد بعد تزویجھما: ان ھذا البضع لایُقرع انفہ۔حضرت خدیجہ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بعد سیدہ خدیجہ کے چچا نے کہا کہ یہ اتنا اچھا اور مبارک نکاح ہے کہ اس پر کسی قسم کی تنقید اور نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی۔نکاح کے وقت سیدہ خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی کیونکہ وہ اصحابِ فیل کے حملے سے پندرہ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں، جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی کیونکہ آپ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی۔واقعہ اصحاب فیل کو ۲۵ سال گزر چکے تھے۔تاریخ انسانی کے اس مثالی جوڑے نے ۲۵ سال ایک ساتھ زندگی گزاری، جس کا ایک ایک لمحہ یادگار اور ایمان افروز ہے۔سیدہ خدیجہ کی وفات ۶۵ سال کی عمر میں ۱۰ نبوی

Marfat.com

میں ہوئی۔ اسی سال آپ کے مہربان اور مشفق چچا جناب ابوطالب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس سال کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں عام الحزن یعنی غم کے سال کا عنوان دیا گیا ہے۔ (السیرة الحلبیة، ج ا، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۹۹-۲۰۱، البدایة والنهایة، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۷-۴۱۸)

Marfat.com

مثالی جوڑے کی اولادِ طیبہ

آلِ مطہرہ اور ان کی ترتیب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش تھیں۔ آپؐ کے اخلاقِ حسنہ اور پاکیزہ کردار نے ان کے گھر کو دنیا ہی میں جنت نظیر بنا دیا تھا۔ مورخین نے سیدہ خدیجہ سے اولاد کی ترتیب بیان کرنے میں مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔ ہمارے نزدیک صحیح ترین روایت کے مطابق ترتیب یوں ہے: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے تقریباً ایک سال بعد آپ کو اللہ نے پہلے صاحبزادے جناب قاسم کی ولادت سے خوشیاں عطا فرمائیں۔ ان کا نام مشورے کے ساتھ قاسم رکھا گیا۔ انھی کی نسبت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالقاسم کہلاتے ہیں۔ قاسمؓ کا نام طیّب بھی معروف ہے، مگر زیادہ مستند روایات کے مطابق آپ کے دوسرے فرزند عبداللہ بن محمدؐ ہی کو طیّب اور طاہر کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

قاسم کے دو سال بعد آپ کی بڑی بیٹی سیدہ زینبؓ بنت محمدؐ پیدا ہوئیں۔ پھر ان کے بعد آپ کے دوسرے بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے، جو طیب اور طاہر کے نام سے تاریخ میں معروف ہیں۔ ان کے بعد سیدہ رقیہؓ بنت محمدؐ کی ولادت ہوئی۔ رقیہ سے چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی آخری اولاد سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ انھی کو آپ نے خواتین جنت کی سردار (سیدة نساء اهل الجنة) کا لقب دیا۔

بیٹوں کی مفارقت

آپ کے صاحبزادے قاسم بچپن میں فوت ہو گئے۔ بعض روایات کے مطابق قاسم اتنی عمر کو

Marfat.com

پہنچ گئے تھے کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے۔ پھر اچانک ان کی وفات ہوگئی۔ آپ کے دوسرے بیٹے عبداللہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چند سال بعد فوت ہو گئے تھے۔ یکے بعد دیگرے دونوں بیٹے داغِ مفارقت دے گئے۔ والدین پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، مگر ان کا صبر بے مثال تھا۔ عبداللہ بن محمد کی وفات پر بدبخت کفارِ مکہ نے بڑی خوشیاں منائیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اَبْتَرُ (دم کٹا) قرار دیا۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ عاص بن وائل سہمی نے کہا: قد انقطع ولده فهو ابتر، یعنی محمد کی نرینہ اولاد ختم ہوگئی ہے، لہٰذا وہ ابتر ہیں۔ کم وبیش ایسے ہی الفاظ آپ کے بدبخت چچا ابولہب نے بھی کہے۔ اسی پر قرآن کی مختصر مگر جامع ترین سورت سورۃ الکوثر نازل ہوئی۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

(الکوثر ۱۰۸: ۱-۳)۔ (اے نبیؐ) ہم نے تمھیں کوثر عطا کر دیا۔ پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ تمھارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

عقیقہ کی سنت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی آزاد کردہ ایک لونڈی تھی جس کا نام سلمٰی تھا۔ وہ بہت سمجھدار اور باشعور خاتون تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عموماً اپنے ذاتی کاموں کے لیے اس کی خدمات حاصل کرتی تھیں۔ جب بھی زچگی کا زمانہ ہوتا تو وہ ان کو اپنے ہاں بلا لیا کرتی تھیں۔ وہ بچوں کی پیدائش سے لے کر دودھ پلانے والی خواتین کے تقرر تک زچہ اور بچہ کی دیکھ بھال کرتیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے پہلے ہی سے مناسب خواتین کا اہتمام کر لیا کرتی تھیں۔ اسلام میں بیٹے کی پیدائش پر دو بکرے، مینڈھے یا دنبے اور بیٹی کی پیدائش پر ایک بکرا، مینڈھا یا دنبہ ذبح کر کے عقیقہ کرنے کا حکم ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دورِ اسلام سے قبل بھی اپنے بچوں کے لیے عقیقے کا اہتمام کیا کرتی تھیں۔ کیا خوب اللہ

Marfat.com

کی بندی تھیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے عربوں میں رائج تھا۔ اکثر لوگ اسے بھول چکے تھے۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت کو پھر سے زندہ کیا۔

(طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۱۳۳-۱۳۴، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۱۹۰)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہونے کے بعد اس قدسی جوڑے کے کاروبار میں حسب سابق اللہ نے بہت برکت دی۔ وقت گزرتا گیا اور بہت سے واقعات رونما ہوتے چلے گئے۔ یہ واقعات سیرت کی کتابوں میں تفصیلاً نقل کیے گئے ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ چند اہم واقعات کا تذکرہ اگلے چند صفحات میں کریں گے۔ یہاں ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جوں جوں بڑھ رہی تھی، آپؐ کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ اسی نسبت سے گہرے سے گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ آپؐ دنیوی ہنگاموں سے ذرا ہٹ کر غور وفکر میں کافی وقت گزارنے لگے تھے۔ اس کیفیت کو عربی زبان اور قرآنی اصطلاح میں تبتُّل کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نبوت کے بعد بھی قرآن پاک میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾ (المزمل ۷۳: ۸) اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔

نہ ترکِ دنیا، نہ غرقِ دنیا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غور وفکر کے زمانے میں کاروبار کی طرف آپ کی توجہ کافی حد تک کم ہوگئی تھی۔ تاہم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی کاروان معمول کے مطابق شام اور دیگر علاقوں کی طرف آتے جاتے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کبھی بھی اپنا پیسہ خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ نبوت سے قبل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبتل اور گوشہ نشینی کا دور ایک لحاظ سے اس عظیم ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے ابتدائی تیاری، تربیت اور ریاضت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دوران آپؐ دوست احباب، خاندان اور رشتہ داروں، اپنی اہلیہ اور بچوں سب کے حقوق پوری

Marfat.com

طرح ادا کرتے تھے۔ ایسا نہیں کہ آپؐ نے ان ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیا ہو۔ آپؐ برابر اپنے گھر میں بچوں کی تربیت اور انھیں شفقت پدری سے مالا مال کرنے کا فریضہ ادا کرتے رہتے تھے۔ کاروبار اور تجارت پر بھی توجہ رکھتے تھے۔ اگرچہ خود عملاً وقت کم دے پاتے تھے تاہم پوری ہدایات اور نگرانی کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپؐ نے نبوت سے قبل بھی عملاً یہ پیغام دیا کہ متوازن زندگی کا حسن یہی ہے کہ انسان نہ ترک دنیا کرے اور نہ غرقِ دنیا ہو جائے۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو

سیّد الکونین پر نظرِ رحمت

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ایک یتیم کی حیثیت سے تشریف لائے۔ آپؐ یتیم ہونے کے باوجود ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے، جس نے آپ کو ہر طرح کی سہولیات کے ساتھ پروان چڑھایا۔ والدہ کی وفات کے بعد دادا جان اور ان کی وفات کے بعد شفیق و مہربان چچا آپؐ کے سرپرست رہے۔ یہ دنیاوی سرپرستی اپنی جگہ مگر اللہ رب العالمین نے آپ کو سید کونین اور خاتم المرسلین کا جو مقام بخشا تھا، وہ تخلیق کائنات کے روزِ اول سے آپ کا مقدر اور آپؐ کی شان تھی۔ خالق کائنات نے اپنے محبوب پر ہمیشہ اپنی نظرِ رحمت مرکوز رکھی۔ ہر مشکل میں وہی آپ کا سہارا بنا اور اس نے ظاہری اسباب فراہم کیے۔ وحی ربانی چالیس سال کی عمر میں آئی، مگر آپؐ نے وحی سے قبل بھی ایک شاندار اور قابلِ تحسین زندگی گزاری۔ دوست اور دشمن سبھی اس بات کے معترف تھے کہ درِ یتیم کے اندر کوئی اخلاقی عیب اور جھول نہیں۔ وہ صادق و امین ہیں، خوش خلق اور مہمان نواز ہیں، مظلوموں کے حامی اور مصیبت زدگان کے سرپرست ہیں۔ آپؐ کی نبوت سے قبل کی زندگی کا اہم واقعہ خانہ کعبہ کی تعمیر نو ہے۔ جب اس واقعہ کا تذکرہ سنایا پڑھا جائے تو مسلم اور غیر مسلم ہر شخص پکار اٹھتا ہے کہ سنگریزوں کے درمیان یہ خالص ہیرا اپنی چمک دمک میں بے مثال اور اپنی قدر و قیمت میں بے نظیر ہے۔

خانہ کعبہ از زمین تا عرشِ بریں

خانہ کعبہ کی تعمیر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر مکمل کی تھی۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو جو عزت و شرف عطا فرمایا ہے وہ دنیا کے کسی عبادت خانے یا مقام کو عطا نہیں ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیت اللہ کی حدود زمین سے لے کر آسمانوں کی بلندیوں تک جاتی ہیں اور تخلیق کائنات کے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے زمین کے اس ٹکڑے کو یہ مقام عظیم عطا فرما دیا تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ کی عمارت کو کئی مرتبہ مرورِ زمانہ اور ارضی و سماوی حادثات کی وجہ سے نئے سرے سے تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ جوانی میں بھی خانہ کعبہ کی تعمیر کو پانی کے ایک تیز ریلے نے جو پہاڑوں کے اوپر سے آیا، خاصا نقصان پہنچایا جس سے اس کی دیواریں گر گئیں۔

مشقت اور ستر

قریش مکہ نے اس گھر کی تعمیر نو کے لیے باہمی منصوبہ بنایا۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ برس تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیگر قریشی سرداروں اور عوام کے ساتھ تعمیر کعبہ کے اس کارِ خیر میں مصروف عمل ہو گئے۔ لوگ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور اس کے لیے اپنے کندھوں پر اپنے تہہ بند کے نچلے حصے کو ڈال دیتے۔ بعض لوگوں کے ستر کے حصے کھل جاتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پتھر اٹھاتے ہوئے اپنے تہہ بند کا پہلو اپنے کندھے پر ڈالا۔ آپؐ کو آواز آئی: عورتک. یعنی اپنے پردے کا خیال رکھو۔ پہلی آواز سننے کے بعد ایک جانب سے آپ کے چچا ابو طالب کی بھی یہ آواز آئی۔ وہ فرما رہے تھے: یابنَ اخی اجعل ازارک علی رأسک یعنی اے بھتیجے اپنے تہہ بند کا دامن اپنے سر پر ڈال لے۔ آپؐ نے فرمایا: میری بھول کے باعث جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا اب میں کبھی اپنا ستر ننگا نہ ہونے دوں گا۔ فما رؤیت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورۃ بعد ذالک یعنی اس واقعہ کے بعد کبھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر زندگی بھر کسی نے نہیں دیکھا۔

جہاز کی لکڑیاں اور تعمیرِ کعبہ

اس مرتبہ تعمیر کعبہ میں قریش کے سرداروں میں سے ولید بن مغیرہ کا نام بہت نمایاں نظر

Marfat.com

آ تا ہے۔ اس نے خانہ کعبہ کی چھت کے لیے جدہ سے ایک تباہ شدہ بحری جہاز کی لکڑیاں اس کے مالکوں سے خریدیں۔ یہ جہاز ایک رومی عیسائی کی ملکیت تھا، جس کا نام مورخ ابن سعد نے باقون لکھا ہے۔ ولید بن مغیرہ کو جب اطلاع ملی کہ ایک جہاز بندرگاہ پر آ کر رکا ہے جس کے کافی حصے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں تو وہ قریش کے چند سرداروں کے ساتھ وہاں پہنچا اور یہ لکڑیاں خرید لیں۔ روایات کے مطابق جب رومی تاجر باقون کو پتا چلا کہ قریش اس لکڑی کو خانہ کعبہ کی تعمیر میں استعمال کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ مکہ آیا تاکہ اس مقام کو دیکھ سکے جس کا تذکرہ ان کی مقدس کتابوں میں ملتا ہے۔ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر سے قبل اپنی مجلس میں کہا: لَوْ بَنَيْنَا بَيْتَ رَبِّنَا یعنی کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنے پروردگار کا گھر بنائیں۔ چنانچہ سب نے اتفاق سے خانہ کعبہ کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ خانہ کعبہ کی جو دیواریں کھڑی تھیں ان کو منہدم کرنے پر سب کا اتفاق ہوا تو سب سے پہلے ولید بن مغیرہ نے دیوار کے پتھر گرانا شروع کیے۔ اس موقع پر وہ مسلسل کہے جا رہا تھا: اَللّٰھُمَّ اِنَّمَا نُرِيْدُ الْخَيْرَ۔ اے اللہ تیرے گھر کو شہید کرنے کا کام خیر اور بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ یعنی کوئی بے ادبی اور تیری نافرمانی مقصود نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج۱،ص ۱۴۵)۔

قرعہ اندازی

جب دیواریں شہید کر دی گئیں اور بنیادیں بھی کھود دی گئیں تو تعمیر کعبہ کا مرحلہ آیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ کون کس حصے کی تعمیر کرے۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ ہی نے تجویز پیش کی کہ خانہ کعبہ کی چاروں دیواروں کی تعمیر کے لیے قبائل کے درمیان قرعہ اندازی کر لی جائے۔ اس تجویز کے مطابق تعمیر کا نقشہ یوں بنا۔

۱- حجر اسود کے کونے سے لے کر شمالی کونے (حطیم) تک خانہ کعبہ کی مشرقی دیوار کی تعمیر، جس میں خانہ کعبہ کا دروازہ بھی آتا ہے دو قبائل کے حصے میں آئی۔ یہ تھے بنی عبد مناف اور بنی زہرہ۔ بنی عبد مناف ہی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان آتا ہے۔

۲- رکن حجر (شرقی) سے رکن حجر (غربی) تک یعنی حطیم کی جانب کا حصہ بھی دو خاندانوں کے

Marfat.com

ذمے لگا اور یہ تھے بنی اسد بن عبد العزیٰ اور بنی عبد الدار بن قصی۔

۳- مغربی جانب کی دیوار (رکن حجر سے لے کر رکن یمانی تک) کی تعمیر کی ذمہ داری بھی دو قبائل بنوتیم اور بنومخزوم کے حصے میں آئی۔ ولید بن مغیرہ (خالد بن ولید کا والد) بنومخزوم ہی میں سے تھا، جبکہ بنوتیم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا۔

۴- رکن یمانی سے حجر اسود تک چار قبائل کو تعمیر کرنا تھی۔ بنوسہم، بنوجمح، بنوعدی اور بنو عامر بن لوی۔

خوش آیند فیصلہ

تعمیر کعبہ کا کام خوش اسلوبی سے شروع ہو گیا۔ تمام بڑے بڑے سردار بنفس نفیس اس میں شریک تھے۔ یہ بھی بہت خوبی کی بات ہے کہ تمام برائیوں میں ملوث ہونے کے باوجود قریش کے تمام لوگوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ تعمیر کعبہ میں صرف حلال کمائی استعمال کی جائے گی۔ ہر ایک کی زبان پر مختلف اشعار تھے۔ قبائلی انتشار اور باہمی تفاخر کے اس دور میں بیت اللہ شریف کے اندر قریش کا یہ متحدہ عمل ایک تاریخی اہمیت کا حامل یادگار واقعہ ہے۔ تعمیر کے اس کام میں اس وقت ایک مشکل پیش آ گئی جب حجر اسود کو اس کی جگہ نصب کرنے کا مرحلہ آیا۔ ہر قبیلے کے سردار کی یہ خواہش تھی کہ حجر اسود کو وہی اس کی جگہ پر نصب کرے۔ اس پر تو تکار شروع ہوئی تو جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

صادق وامین پر سب کا اتفاق

آخر ایک بزرگ سردار جس کا نام مورخین نے ابوامیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم بیان کیا ہے، نے یہ کہا کہ اللہ کے گھر میں لڑائی جھگڑا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ اس وقت اس شخص کی عمر قریش میں سب سے زیادہ تھی۔ اس نے کہا کہ اس معاملے کا فیصلہ خوش اسلوبی اور باہمی پیار و محبت سے ہونا چاہیے۔ چنانچہ سب نے قرارداد منظور کی کہ دیکھو باب بنی شیبہ سے سب سے پہلے کون شخص اندر آتا ہے۔ وہ جو بھی ہو اسی کو حکم مان لیا جائے۔ اب سب لوگ بڑے تجسس اور

Marfat.com

شوق سے باب بنی شیبہ کی طرف دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے جو شخص نمودار ہوئے وہ سید الاولین والآخرین محمد بن عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ آپ کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی۔ انھیں دیکھ کر تمام کے تمام لوگ پکار اٹھے۔ هذا الامين قد رضينا بما قضى بيننا. یعنی یہ امین تشریف لے آئے ہیں وہ اس معاملے میں جو بھی فیصلہ کریں گے ہم اس پر راضی ہوں گے۔ مورخین کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ متفقہ طور پر طے پایا تھا کہ تعمیری کام کو بند کر دیا جائے اور اگلے دن سب سے پہلے جو شخص بیت اللہ میں موجود ہو اسے فیصل قرار دے دیا جائے اور اس کے فیصلے کو قبول کر لیا جائے۔ بہر حال جو بھی صورت تھی اصل بات تو یہ ہے کہ صادق و امین پر کسی کو کسی قسم کے تحفظات و اعتراضات نہ تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۴۶، البداية والنهاية، ج ۱، طبع دار ابن حزم بیروت، ص ۴۲۳)۔

اطمینان بخش فیصلہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ساری صورت حال کے بارے میں بتایا گیا تو آپؐ نے اپنی خداداد ذہانت و صلاحیت سے معاملے کو خوش اسلوبی سے حل فرما دیا۔ آپؐ نے اپنی چادر زمین پر بچھا دی اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے اندر رکھا، پھر فرمایا: ''چاروں جانب تعمیر کے لیے قبائل کے درمیان جس طرح دیواریں تقسیم ہوئی ہیں، اس کے مطابق ان چاروں فریقوں میں سے ایک ایک شخص کو قرعہ اندازی سے منتخب کر لیا جائے۔'' چنانچہ ربع اول میں سے عتبہ بن ربیعہ کا نام آیا۔ ربع ثانی سے ابوزمعہ، ربع ثالث سے ابوحذیفہ بن المغیرہ اور ربع رابع سے قیس بن عدی کے ناموں پر قرعہ نکلا۔ اب آپؐ نے فرمایا: ''آپ چاروں قائدین آگے آئیں اور چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لیں۔'' جب انھوں نے کونے پکڑ لیے تو آپ نے فرمایا: ''اب اسے اوپر اٹھائیں۔ جب انھوں نے چادر اوپر اٹھائی اور وہ حجر اسود کے مقام تک بلند ہوگئی تو آپؐ نے وہ پتھر اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔ ایک دوسری رائے یہ بھی ہے کہ آپؐ نے اپنی چادر کے اوپر حجر اسود کو رکھ دیا تو تمام قبائل کے سرداروں کو دعوت دی۔ چار بڑے

Marfat.com

سرداروں نے چادر کے کونے پکڑ لیے اور باقیوں نے کونوں کے درمیان کا حصہ پکڑ لیا۔ یوں سب نے چادر کو اوپر اٹھایا اور آپؐ کے دست مبارک سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

شیطان کی دخل اندازی

مورخین نے تنصیب حجر اسود کے موقع پر رونما ہونے والا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ حجر اسود جب اپنے مقام پر رکھا جا چکا تو اسے مضبوط کرنے کے لیے آنحضور نے ایک پتھر مانگا۔ اس موقع پر ایک نجدی بوڑھا آگے بڑھا اور اس نے پتھر پکڑانا چاہا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے کہا کہ نہیں یہ کام قریش ہی کر سکتے ہیں اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس پر وہ شخص بڑا غضب ناک ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انه ليس احدٌ يبنى معنا فى البيت الا منا۔ یعنی تعمیر کعبہ کا کام ہماری ذمہ داری ہے اور ہم ہی اسے سرانجام دیں گے کسی دوسرے کو دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔'' (ایضاً)

اس پر وہ بوڑھا بہت تلملایا اور اس نے قریش کی خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ یہ کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ قریش نے آج اس شخص کو یہ شرف بخشا ہے جو عقل میں، مال میں، عمر اور تجربے میں سب سے کم ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عن قریب وہ تم سب کو پیچھے چھوڑ جائے گا اور تم سب کا مقدر ذلت اور سبکی ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ابلیس تھا جو انسانی شکل میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ سے اپنے گھر کی تعمیر میں پتھر قبول نہ کیا اور اپنے نبی کو یہ بات سجھائی جو بظاہر ان کے اخلاق عالیہ سے متضاد دکھائی دیتی ہے، مگر فی الحقیقت یہ شیطانی چال پر ضربِ کاری تھی۔

ابوطالب کی مسرت اور اشعار

خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اعزاز ملا اسی کی یاد میں آپ کے چچا جناب ابوطالب نے خوشی اور مسرت سے یہ اشعار کہے:

اِنَّ لَنَا اَوَّلَهُ وَآخِرَه

فِی الْحُکم والْعَدلِ الذی لا نُنکِرَه

Marfat.com

وقد جَهَدْنَا جُهْدَهُ لِنَعْمُرَه

وَقَدْ عَمَرْنَا خَيْرَهُ وَاَكْثَرَه

فَاِنْ يَكُنْ حَقًّا فَفِيْنَا اَوْفَرَه

اس کارِ خیر کی ابتدا بھی ہمارے مقدر میں تھی اور انتہا بھی۔ اللہ نے ہمیں حَکَم بھی بنایا اور پھر ہمیں مکمل انصاف کی بھی توفیق بخشی، جس سے کوئی بھی سرتابی نہ کرسکا۔

ہم نے اس گھر کی تعمیر اور آبادی کے لیے کاوش ومحنت کی، ہم نے اس گھر کے خیر اور برکات میں سے بھی وافر حصہ پایا۔

اب جو بھی سچ اور حقیقت ہے اس میں سے ہمیں وافر حصہ ملا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج۱، ص ۱۴۷)

حطیم

خانہ کعبہ کی دیواریں جب مکمل ہوگئیں تو چھت ڈالنے کے لیے پندرہ شہتیر ان دیواروں پر نصب کیے گئے۔ پھر لکڑی کی چھت ڈال کر اس کے اوپر مٹی کے ساتھ لپائی کر دی گئی۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں حلال کمائی کی شرط کی بنا پر دستیاب رقم کم اور خرچہ زیادہ تھا۔ اسی مجبوری کے تحت حطیم کے حصے کو خانہ کعبہ سے باہر رکھا گیا۔ تاہم اس کے خانہ کعبہ کا حصہ ہونے کی بنا پر اس کے گرد بھی ایک مخروطی دیوار بنا دی گئی، جس پر چھت نہیں ہے اور جس میں سے مشرق سے مغرب کی طرف گزرنے کا راستہ بھی ہے۔

فتح مکہ کے بعد ایک موقع پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضور صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا:

''اِنَّ قَوْمَکَ اسْتَقْصَرُوا مِنْ بُنْیَانِ الْکَعْبَةِ وَلَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِهِمْ بِالشِّرْکِ اَعَدْتُ فِیْهِ مَا تَرَکُوْا مِنْهُ۔ یعنی اے عائشہ! تیری قوم نے کعبے کی تعمیر میں کمی کر دی تھی، میں چاہتا ہوں کہ اس حصے کو خانہ کعبہ میں شامل کر دوں، مگر اس فتنے کے خوف سے ایسا نہیں کر رہا، کیونکہ تیری

Marfat.com

قوم شرک چھوڑ کر نئی نئی اسلام میں داخل ہوئی ہے، کہیں اس عمل پر اختلافات نہ پیدا ہو جائیں۔"
(کنز العمال: ۱۲/ ۳۴۷۶۲)

خانہ کعبہ کا بلند دروازہ

پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ خانہ کعبہ کی اصلی عمارت کی حدود کہاں سے کہاں تک تھیں۔ کیا تم جانتی ہو کہ تمھاری قوم نے بیت اللہ کا دروازہ کیوں بہت اونچا کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو نہیں جانتی۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے اس تفاخر کے لیے کہ جسے وہ چاہیں اسے داخلے کی اجازت دیں اور جسے مکروہ خیال کریں اسے روک دیں۔ قریش خانہ کعبہ کا دروازہ پیر اور جمعرات کے دن کھولا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کے کلید بردار ہونے کا اعزاز بنوشیبہ کو حاصل تھا۔ آج کے روز تک وہی کلید بردارِ کعبہ ہیں۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

حلف الفضول

مظلوم کی پکار

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قبل از بعثت کے یادگار واقعات میں سے ایک بہت اہم واقعہ وہ حلف ہے جو قریش کے مختلف خاندانوں کے چند افراد نے باہمی طور پر طے کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدے میں ایک رکن کے طور پر شریک تھے۔ زیرنظر واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے بیسویں سال کا ہے۔ عربوں کی ساری خرابیوں کے باوجود ان کے اندر ابھی تک اخلاق حسنہ کی بعض باقیات موجود تھیں۔ ظلم کے خلاف کبھی کبھار ان کی رگِ حمیت جاگ اٹھتی تھی اور وہ ظالم سے مظلوم کا حق دلانے کے لیے سینہ سپر ہو جاتے تھے۔

واقعہ کی تفصیلات میں بیان کیا گیا ہے کہ قبیلہ بنوزبید کا ایک شخص کچھ مال تجارت لے کر مکہ آیا۔ اس کی بیٹی بھی اس کے ساتھ تھی۔ اس تاجر سے اس کا سامان مکہ کے مشہور اور مال دار سردار عاص بن وائل نے خرید لیا۔ لیکن اس نے سینہ زوری کرتے ہوئے اس زبیدی تاجر کی بیٹی کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ وہ اجنبی شخص خانہ کعبہ میں آیا اور خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر بلند آواز سے روتے پیٹتے ہوئے فریاد کرنے لگا: اے شہر مکہ کے شرفا! تمھارے بااثر آدمی عاص بن وائل نے مجھ سے زبردستی میری بیٹی چھین لی ہے۔ میں مسافر اور مظلوم ہوں، تمھاری خدمت میں درخواست گزار ہوں کہ میری دادرسی کرو اور میری بیٹی مجھے واپس دلاؤ۔

پکار کا مثبت جواب

قریش کے کچھ نوجوانوں نے اس مظلوم کی آہ و پکار سنی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ

Marfat.com

بات ڈال دی کہ مردانگی کا تقاضا ہے اس مسافر کی دادرسی کی جائے۔ جب تاریخ میں ہم اس واقعہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دل سے یہ بات اٹھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے اندر ایک مظلوم کی دادرسی کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ان لوگوں کے دل خیر پر آمادہ کر دیے۔ طبقات ابن سعد کے مطابق سب سے پہلے بنوہاشم، بنوامیہ، بنوزہرہ اور بنومخزوم چاروں اہم قبائل میں سے کچھ لوگوں نے مل کر اس مظلوم کی پکار پر لبیک کہا۔

امام ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں جن قبائل کے نام لکھے ہیں ان میں مظلوم کی پکار پر لبیک کہنے والے لوگ بنوہاشم، بنوزہرہ اور بنوتیم بن مرہ سے تعلق رکھتے تھے، جبکہ سب سے پہلے مظلوم کی پکار پر لبیک کہنے والے سعادت مند قریشی آنحضور کے چچا زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہونے والے ان ارکان کے کھانے کا انتظام بھی زبیر بن عبدالمطلب نے ہی کیا تھا۔ علامہ حافظ ابن کثیر کے مطابق قبیلہ عبدالدار، مخزوم جمیع، سہم اور عدی بن کعب کے سامنے جب اس مظلوم نے عاص بن وائل کی شکایت کی تو انھوں نے اس کی حمایت میں کھڑے ہونے سے انکار کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۶)

ظالم کا مقابلہ

یہ کتنے لوگ تھے اس پر کوئی مستند حوالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ گمان غالب یہ ہے کہ یہ لوگ درجن بھر کے لگ بھگ ہوں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں پیش پیش تھے۔ یہ سب لوگ اس زبیدی کو اپنے ساتھ لے کر عاص بن وائل کے دروازے پر پہنچے۔ اسے باہر بلایا گیا اور سب نے یک زبان کہا کہ اس مظلوم پر تم نے کیوں ظلم ڈھایا ہے؟ اس نے کہا: میں نے کوئی ظلم نہیں کیا، وہ لڑکی کنیز ہے۔ جب مال کا سودا کیا تھا تو یہ لڑکی بھی میں نے اِس شخص سے خرید لی تھی۔ میں اس سے تمتع بھی کر چکا ہوں۔ عاص بن وائل کا جواب سن کر وفد کے لوگوں نے زبیدی سے وضاحت مانگی تو اس نے کہا: خانہ کعبہ کی عظمت و تقدس کی قسم! میں نے اپنی لڑکی بیچی نہیں ہے اور نہ

Marfat.com

ہی وہ کنیز ہے، وہ میری بیٹی ہے اور اس شخص نے اپنی قوت کے بل بوتے پر زبردستی اسے اغوا کر کے اپنے گھر میں ڈال لیا ہے۔ اس پر وفد کے لوگوں نے سختی کے ساتھ عاص بن وائل سے بات کی تو اس بدبخت نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اور زبیدی کی لڑکی اسے واپس دینا پڑی۔

مظلوم کی دعائیں

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابھی تک عاص بن وائل نے اس لڑکی سے تمتع نہیں کیا تھا۔ اس کے واپس کرنے کے وقت اس نے ارکانِ وفد سے کہا کہ میں کل صبح لڑکی واپس کروں گا۔ ایک رات مجھے اس کے ساتھ گزار لینے دو۔ وفد کے تمام غیرت مند ارکان نے اسے سختی کے ساتھ اس ارادۂ بد پر شرم دلائی اور کہا کہ یہ ہرگز ممکن نہیں۔ چنانچہ اسے اپنے شیطانی ارادے پر عمل کا موقع نہ ملا۔ زبیدی کی بیٹی اسے واپس دلا دی گئی۔ اب اس نے اپنی بیٹی کو ساتھ لیا اور اپنے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتے ہوئے وہ اور اس کی بیٹی ان تمام نوجوانوں کو دعائیں دے رہے تھے، جنھوں نے ان کی دادرسی کی۔ مظلوم کی بددعا بھی ربّ عرش تک بلا روک ٹوک پہنچتی ہے اور اس کی دعا بھی۔ وہ قریشی نوجوان خوش نصیب تھے جنھوں نے مظلوم سے دعائیں لیں۔

جب اس تنازع کا فیصلہ بحسن وخوبی ہو گیا تو وفد کے ارکان میں سے بعض نے مشورہ دیا کہ اس قسم کے واقعات وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم آپس میں حلف اٹھائیں کہ ہم ظالم کے مقابلے پر ہر مظلوم کی مدد کریں گے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ چنانچہ یہ سب لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر پر اکٹھے ہوئے اور اللہ کے نام پر سب نے حلف اٹھایا، جس کے الفاظ یہ تھے: تحالفوا اَن یردُّوا الفضول علی اھلھا والّا یعد ظالم مظلومًا۔ یعنی ہم حلف اٹھاتے ہیں کہ غصب شدہ چیز مالک کو واپس دلائیں گے۔ اور آج کے بعد کسی پر ظلم کو برداشت نہیں کریں گے ہر مظلوم کی دادرسی ہو گی اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے گی۔'' الفضول کا معنی ہے کہ وہ چیز جو ظلم کے ساتھ چھینی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: لقد شھدت فی دارِ عبداللّٰہ بن جدعان حلفًا لو دعیت بہ فی الاسلام لاَجَبْتُ۔ یعنی میں نے عبداللہ بن

Marfat.com

جدعان کے گھر میں جو حلف اٹھایا تھا، آج اسلامی دور میں بھی اگر کوئی مجھے اس کی طرف دعوت دے تو میں لبیک کہوں گا۔ (البدایۃ والنھایۃ، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۵-۴۱۶، السیرۃ الحلبیۃ، ج ا، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۹۰)

وجہ تسمیہ

اس حلف کو حلف الفضول کہنے کی تین وجوہات بیان کی گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ حلف میں جتنی باتیں کی گئی تھیں وہ اخلاقی فضائل کے زمرے میں آتی ہیں، دوسری یہ کہ فضول اس متاع کو کہا جاتا ہے جو جبر وظلم سے چھین لی جائے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس حلف میں شامل ہونے والے افراد میں سے تین کے نام فضل تھے۔ مورخ حلبی نے اپنی تاریخ میں مزید ایک وجہ بیان کی ہے کہ ان لوگوں نے یہ بھی حلف اٹھایا تھا کہ اپنی کمائی میں سے ضروریات سے زائد مال مہمانوں کی ضیافت کے لیے خرچ کریں گے۔ تحالفوا، ان اخرجوا فضول اموالهم للاضیاف۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ تین ارکانِ حلف اس نام سے موسوم تھے: (۱) الفضل بن فضالہ، (۲) الفضل بن وداعہ، (۳) الفضل بن الحارث۔ یہ ابن قتیبہ کی روایت میں بیان ہوئے ہیں۔ جبکہ ابن کثیر نے دوسری روایت مورخ سُہیلی کے حوالے سے لکھی ہے اور اس میں یہ نام آئے ہیں: الفضل بن شراعہ، الفضل بن وداعہ اور الفضل بن فضاعہ۔ (البدایۃ والنھایۃ، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۶)

قابل ذکر اور لائق تحسین کارنامہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی میں جب بھی اس حلف کو یاد کرتے تو اس کی تعریف ضرور فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: لقد شهدت فی دار عبداللّٰه بن جدعان حلفًا مَا احب ان لی به حمر النعم ولو ادعی به فی الاسلام لَاجبت۔ یعنی عبداللہ بن جدعان کے گھر پر میں نے جس حلف میں حصہ لیا تھا (مجھے اس کا اتنا احترام ہے کہ) اگر کوئی مجھے سرخ اونٹوں کا گلہ بھی پیش کرے تو میں اس کو ہرگز نہیں توڑوں گا۔ آج دورِ اسلام میں بھی مجھے کوئی

Marfat.com

اس حلف کی طرف بلائے گا تو میں اس کا مثبت جواب دوں گا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش کے اہلِ خیر نے جتنے اچھے کام کیے ہیں، ان میں سے ایک بہت عظیم کارنامہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اس واقعہ کا ظہور اللہ کی طرف سے ایک خاص نعمت تھی جس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کیا۔ (البدایة والنہایة، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۷)

صحابہ و تابعین کے درمیان حلف الفضول کا تذکرہ

ہماری نظر سے اسی باب میں ایک دل چسپ روایت گزری ہے جس کے مطابق ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (حضرت امیر معاویہؓ کا بھتیجا) اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک تنازع پیدا ہوا۔ ولید جب مدینہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے اپنی قوت کے بل بوتے پر سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی ایک جایداد جو ذوالمروہ کے مقام پر تھی، قبضے میں لے لی اور گورنری کا رعب جمانے لگا۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما گورنر ہاؤس میں تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا: ''اے ولید! تم میری جایداد سے قبضہ اٹھالو، اگر ایسا نہ کرو گے تو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ پھر میں اپنی تلوار نکال لوں گا اور مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اعلان کروں گا کہ اے اہلِ ایمان آج پھر حلف الفضول کو دہرانے کا لمحہ آ گیا ہے۔''

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حسین کا حق اگر واپس نہ کیا گیا تو میں بھی اس کے حصول کے لیے اپنی تلوار نکال کر اس کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا۔ پھر یا تو اس کا حق دلوا کے رہوں گا یا جان کی بازی لگا دوں گا۔ حضرت مسور بن مخرمہ بن نوفل زہری تک یہ بات پہنچی تو انھوں نے بھی یہی اعلان کیا جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ پھر اس تنازع کی خبر حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبداللہ تیمی تک پہنچی تو انھوں نے بھی وہی الفاظ دہرائے۔ والیٔ مدینہ ولید بن عتبہ کو جب اس صورت حال کا پتا چلا تو اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا حق انھیں واپس دے کر راضی کر لیا۔ (البدایة والنہایة، ج ا، طبع دارِ

Marfat.com

ابن حزم، بیروت، ص ۴۱۷ بحوالہ ابن اسحاق، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ص ۱۹۱-۱۹۲)۔

محبوب ترین عمل

حق دار کے حق میں آواز اٹھانا اور اس کا حق دلانے کی کاوش اللہ کے محبوب ترین اعمال میں سے ہے۔ اللہ کے نبیوں کی آمد کا مقصد بھی قرآن نے یہی بیان کیا ہے کہ عدل قائم ہو اور ظلم مٹ جائے۔ ''لیقوم الناس بالقسط''۔ مظلوم کے حق میں اگر لوگ اٹھ کھڑے ہوں تو ہر دور میں اہلِ اقتدار کو ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں۔ المیہ یہ ہوتا ہے کہ معاشروں کے اندر بے حسی اور ذاتی وانفرادی مفادات تک سوچ کو محدود کر لینے کے نتیجے میں ظالم منہ زور ہو جاتا ہے اور مظلوم بے بس و مجبور بن کر یا تو چپ سادھ لیتا ہے یا تنہا دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ سنتِ رسول کس قدر واضح ہے کہ ظلم کا خاتمہ شانِ مومنانہ بھی ہے اور فرضِ عین بھی۔ آج اس جذبے کو پھر سے زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

بعثت سے قبل کے اہم واقعات

شرم وحیا کا پتلا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے شرم وحیا کا پتلا تھے۔ آپ کی امانت وصداقت کا سارا زمانہ معترف تھا۔ جوں جوں آپؐ بڑے ہوتے جا رہے تھے، آپ کی شخصیت مزید نکھرتی چلی جارہی تھی۔ طبیعت میں نظافت ونفاست پہلے ہی سے تھی، اس میں بھی مسلسل ارتقا ہو رہا تھا۔ آپؐ نے اس جاہلی معاشرے میں کبھی اپنا ستر ننگا نہیں ہونے دیا۔ نہ کبھی کسی بت سے کوئی دل چسپی رکھی۔ میلوں ٹھیلوں میں جو خرافات ہوتی تھیں، ان سے بھی آپ کو شدید نفرت تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ نبوت سے قبل آپؐ ابھی بالکل نو عمر تھے کہ آپ کو ایک آواز آئی: اِسْتَتِرْ، یعنی اپنے اعضائے ستر کو ڈھانپ کر رکھو۔ اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا کوئی خفیہ حصہ کبھی کسی شخص نے نہ دیکھا۔ برّہ بنت ابی تجراۃ کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل قضائے حاجت کے لیے شہر سے بہت دور نکل جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام گھر گھروندے نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔ اس دوران آپ جس پتھر اور درخت کے پاس سے بھی گزرتے اس سے آواز آتی: **السلام علیک یارسول اللّٰہ**۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۵۷)

پاکیزہ بچپن

حضرت ام ایمن کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ بوانہ کے مقام پر ایک بت تھا، جس کی قریش کے تمام لوگ بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے لیے قربانی بھی کرتے اور اس کے یومِ

Marfat.com

جشن پر صبح سے شام تک اس کے سامنے اعتکاف میں بیٹھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ جب عبدالمطلب اس تہوار میں جانے لگے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اور آپ کی تمام پھوپھیاں اصرار کرنے لگیں کہ محمد بن عبداللہ ان کے ساتھ اس میلے میں شرکت کریں۔ آپؐ نے میلے میں جانے سے انکار کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب ابوطالب اور ان کی بہنوں نے اپنے بھتیجے سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ آپ ان کے احترام میں ان کے ساتھ چل پڑے، لیکن وہاں پہنچ کر انھوں نے دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غائب تھے۔ جب یہ لوگ اپنے رسم ورواج سے فارغ ہو گئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جانب سے نمودار ہوئے۔ اپنے بزرگوں کا احترام بھی کیا اور خود کو غیر اخلاقی اور معصیت ربانی کے اعمال سے بھی دور رکھا۔

جب آپ سے غائب ہو جانے کا سبب پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: انی کُلّما دَنَوتُ مِنْ صَنَمٍ مِنْھا تَمَثَّلَ لی رجُلٌ اَبْیَضُ طَوِیْلٌ یَصِیْحُ بِی وَرَائک یا مُحَمَّدُ لَا تَمَسَّہٗ، قَالت فما عاد الی عِیْدٍ لھم حتّٰی تنبأ۔ یعنی میں جب بھی ان بتوں میں سے کسی بت کے قریب جانے کا ارادہ کرتا تو ایک سرخ وسفید رنگ کا طویل القامت شخص میرے اور بتوں کے درمیان حائل ہو جاتا اور کہتا: اے محمدؐ! پیچھے ہٹ جا، ان بتوں کو ہاتھ مت لگانا۔ حضرت ام ایمن بیان فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس میلے میں شریک نہیں ہوئے، یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرما دیا اور آپؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۵۸)

پاکیزہ اور میٹھی نیند

عرب راتوں کو کھلے میدانوں میں محفلیں جماتے اور داستان گوئی اور شعروشاعری میں مصروف ہو جاتے۔ اسی دوران بعض مجالس میں شراب کی محفل بھی چلتی رہتی۔ ایسے اکٹھ باہمی تفاخر کے علاوہ بعض اوقات فحش گوئی پر مشتمل افسانوں اور اشعار کا سہارا بھی لیتے۔ کئی مرتبہ خصوصی ایام منائے جاتے، جن میں رات بھر یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چالیس سالہ

Marfat.com

دورِ قبل از نبوت میں دو مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ بعض ہم جولیوں کے شدید اصرار پر ایسے جلسوں میں شرکت کے لیے ان کے ساتھ چلے، مگر دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں پہنچنے سے محفوظ رکھا۔ ہر مرتبہ آپ کو راستے میں ایسی نیند آئی کہ صبح تک آرام سے سوتے رہے۔ اللہ نے اپنے پاکیزہ نبی کو ہر آلایش سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ جلد اوّل کے صفحہ ۱۴۱ پر امام بزّار اور امام حاکم کے حوالے سے ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بادشاہِ یمن اور علمائے یہود

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ یمن کا بادشاہ تبّع جب اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مدینہ آیا تو اس نے ایک چشمے کے پاس ڈیرہ لگایا۔ پھر اس نے علمائے یہود کو اپنے پاس بلایا۔ ان کے سامنے اس نے کہا میں اس شہر کو اس لیے برباد کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں سے یہودیت کا نام ونشان مٹ جائے اور تمام لوگ ہمارے دین (بت پرستی) پر قائم ہو جائیں۔ اس موقع پر یہودیوں کے سب سے بڑے عالم سامول نے کہا: اے بادشاہ! اس شہر کی طرف بنی اسماعیلؑ میں سے ایک نبی ہجرت کرے گا۔ اس کی جائے پیدائش مکہ اور اس کا نام احمد ہے اور یہ اس کا دارالہجرت ہے۔ اس مقام پر اس کے ساتھ جنگیں بھی لڑی جائیں گی، جن میں بہت سارے لوگ قتل اور مجروح ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے پوچھا: فاتح کون ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ کبھی اسے فتح ملے گی، کبھی اس کے دشمنوں کو۔ لیکن بالآخر اسی کو فتح عظیم ملے گی، وہ غالب آجائے گا اور اس کے دین کے غلبے میں کسی کو شک نہیں رہے گا۔ بادشاہ نے پوچھا: اس کی قبر کہاں ہوگی؟ تو اسے جواب دیا گیا کہ اسی شہر میں۔

نبی رحمتؐ کا حلیہ مبارک

بادشاہ یہودی عالم کی باتیں غور سے سنتا رہا اور اس نے اس سے پوچھا کہ اس نبی کا حلیہ اور اس کی صفات کیا ہوں گی؟ اس نے جواب دیا:

رجل لیس بالقصیر ولا بالطویل، فی عینیه حمرة، یرکب البعیر ویلبس

Marfat.com

الشملة، سیفه علی عاتقه لَا یبالی من لاقی اخاً او ابن عمٍ او عمًّا حتی یظهر امره ولَا یخالفهٔ احدٌ، قال تُبّع: ما الی هذا البلد من سبیل، وما کان لیکون خرابها علی یدی، فخرج تُبع منصرفا الی الیمن۔

یعنی وہ نہ پست قامت ہوگا نہ بہت دراز قد۔اس کا قد کاٹھ بہت متناسب ومتوازن ہوگا۔ اس کی دونوں آنکھوں میں خاص قسم کی سرخی ہوگی۔اونٹ پر سواری کرے گا،عمامہ پہنے گا اور اپنے کندھے پر تلوار لٹکائے گا،جو اس کے مقابل آئے گا وہ کوئی پروا نہیں کرے گا کہ وہ اس کا بھائی ہے یا چچا کا بیٹا یا چچا،اسے(اپنے دین کا غلبہ مطلوب ہوگا) یہاں تک کہ اس کا دین ایسا غالب ہوگا کہ کوئی اس سے اختلاف کرنے والا نہ رہے گا۔(یہ سن کر) تُبّع نے کہا کہ پھر تو میرے لیے اس شہر پر قبضہ کرنے کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔میں نہیں چاہتا کہ یہ شہر میرے ہاتھوں ویران ہو۔اس کے بعد وہ اپنے لاؤلشکر کے ساتھ یمن واپس چلا گیا۔

(طبقات ابن سعد،ج ا،ص ۱۵۹)

مقدر اپنا اپنا

یہودیوں کو یہ ساری باتیں ان کی مقدس کتابوں سے معلوم ہوئی تھیں۔گویا انھیں پوری طرح سے علم تھا کہ اللہ کے آخری رسول بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہوں گے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ نبی ہجرت کرے گا اور ان کا شہر ہی اس کا دارالہجرت ہوگا۔انھیں یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ جو بھی اس کے مدمقابل آئے گا،اس کا مقدر ناکامی اور ہزیمت ہوگی۔ان کے برعکس عرب ان علوم سے بے بہرہ تھے۔خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے درمیان کافی عرصے تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔وہ دین ابراہیمی کے پیرو ہونے کا دعویٰ تو کرتے تھے،مگر انھوں نے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔اس لاعلمی کے باوجود ان کی خوش بختی تھی کہ وہ (بالخصوص اہلِ یثرب) بڑی تعداد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔یہودی اپنے بغض،احساسِ برتری اور خباثت کی وجہ سے سب کچھ جانتے ہوئے بھی بڑی تعداد میں ہدایت سے محروم رہے۔یہ کتنی بڑی بدقسمتی ہے، اس کا تصور ہر آدمی کرسکتا ہے۔اس نبی آخرالزمان کی تمام صفات اللہ نے مقدس صحائف وکتب

Marfat.com

کے اندر نمایاں طور پر بیان فرما دی تھیں۔ بہر حال مقدر اپنا اپنا ہوتا ہے، کسی کا سرفرازی اور کسی کا ذلت ورسوائی۔

محمدؐ مقبول نام

محمد ایک ایسا نام تھا جو کتب مقدسہ میں بیان ہوا۔ اس نام کی فضیلت وعظمت ہی کی وجہ سے عربوں میں اس دور میں محمد بہت مقبول ناموں میں شمار ہونے لگا۔ کئی عرب اپنے بچوں کے نام محمد رکھنے لگے۔ بنو تمیم میں بھی ایک شخص کا نام محمد بن سفیان بن مجاشع رکھا گیا تھا۔ یہ شخص نصرانیت اختیار کرنے کے بعد بہت بڑا پادری اور بشپ بن گیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی مورخین نے کچھ مزید لوگوں کے نام بیان کیے ہیں۔ مثلاً بنی سواءۃ میں ایک شخص محمد بن الجشمی کے نام سے معروف تھا۔ اسی طرح محمد الاسیدی اور محمد الفقیمی کے نام رکھے گئے تھے۔ (ایضاً)

آپ کے صحابہ کرام میں ایک انصاری صحابی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا نام آپؐ کے اسم گرامی کے ساتھ مشترک ہے۔ وہ آپ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ ان کے بے شمار کارنامے تاریخ اسلامی میں رقم ہیں۔ کعب بن اشرف یہودی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو بہت اذیت پہنچائی تھی۔ وہ مسلم خواتین کے ساتھ اپنے جھوٹے تعلقات کے قصے گھڑتا اور فحش اور عشقیہ اشعار کہا کرتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اذیتوں کے حد سے بڑھ جانے کے بعد اس کے قتل کا فیصلہ کیا تو اس مشکل کام کا بیڑہ بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا اور اس مشن کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ پہلی مرتبہ ان کا نام سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا تھا کہ محمد نام رکھا کرو، مگر میری کنیت ابوالقاسم اختیار نہ کیا کرو۔

علاماتِ نبوت

امام احمد حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت فرماتے ہیں کہ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نبوت اور رسالت کی علامات آغاز میں کیسے ظاہر ہوئیں؟ آپ نے فرمایا: دعوۃ ابی ابراھیم، وبشری عیسٰی، ورأت امی انه یخرج منها نور اضاء ت له قصور الشام۔ یعنی میں اپنے باپ

Marfat.com

ابراہیم کی دعا کا جواب ہوں اور عیسیٰؑ نے میرے بارے میں بشارت دی اور میری والدہ نے مجھے یہ بتایا کہ میری ولادت کے وقت ان کے جسم سے ایک نور نمودار ہوا، جس کی روشنی نے شام کے محلات تک کو منور کر دیا اور میری والدہ نے انھیں دیکھا۔(البدایۃ والنھایۃ، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۲۵)

دادا محترم کا خواب

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے بارے میں ابن کثیر لکھتے ہیں کہ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ایک عجیب وغریب خواب دیکھا، جس کا خلاصہ یہ ہے: وہ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت خوب صورت اور سرسبز وشاداب درخت آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ حد نگاہ تک اس کی شاخیں مشرق ومغرب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سے ایسی روشنی نمودار ہو رہی ہے جس سے مشرق ومغرب کا ہر خطہ جگمگا رہا ہے۔ پھر اچانک دیکھا کہ ہر جانب سے کچھ لوگ کلہاڑے اور دیگر ہتھیار لے کر دیوانہ وار اس درخت کو کاٹنے کے لیے بھاگے چلے آرہے ہیں۔ جب یہ لوگ درخت کے قریب پہنچے تو درخت کا تنا پھٹ گیا اور اس میں سے ایک ایسا خوب صورت جوان رعنا برآمد ہوا کہ اس کی مثل دنیا میں کبھی نہ دیکھی گئی ہوگی۔ اس جوانِ حسین وجمیل نے ان لوگوں کو درخت کاٹنے سے روکا، مگر وہ نہ مانے۔ اب اس نے ان کو بزور قوت یوں روکا کہ ان کی کمر توڑ ڈالی اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ جس کے بعد وہ لوگ درد سے کراہتے اور چلاتے ہوئے گرتے پڑتے دور بھاگنے لگے۔

خواب کی تعبیر

عبدالمطلب نے اپنا یہ خواب اپنے بیٹے ابوطالب کو بھی بتایا اور پھر اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے اس دور کی ایک مشہور کاہنہ کے پاس گئے۔ جب اس کے سامنے یہ خواب بیان کرنے لگے تو کاہنہ نے کہا کہ آپ کا چہرہ زرد کیوں ہو رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میرا خواب تو سن لو۔ جب پورا خواب سنا چکے تو کاہنہ کا چہرہ بھی زرد ہوگیا۔ پھر وہ چونک کر بولی کہ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ

Marfat.com

درخت شجر نبوت ہے اور جو نوجوان تنے سے برآمد ہوا ہے وہ تمھاری قوم میں مبعوث ہونے والا نبی ہے۔ اس کی روشنی مشرق و مغرب میں ہر جانب پھیلے گی، مگر خود اس کی اپنی قوم اس کے مدمقابل کھڑی ہو جائے گی۔ وہ ان کی اصلاح کی کوشش کرے گا، مگر وہ نہیں مانیں گے۔ آخر مجبور ہو کر وہ ان کی کمریں توڑ ڈالے گا اور ان کی آنکھیں پھوڑ ڈالے گا اور اس کی فتوحات ان لوگوں کو بے بس کر دیں گی۔ (البدایة و النهایة، ج ۱ طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۳۲)

اعلانِ نبوت

امام ابن کثیر ابونعیم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: میں ایک تجارتی قافلے میں یمن کی طرف گیا اس قافلے میں ابوسفیان بھی شامل تھا۔ جب ہم یمن میں پہنچے تو ایک دن میں کھانا پکاتا، ایک دن ابوسفیان اور ایک ایک دن باقی لوگ۔ ایک دن جب کھانا تیار ہو گیا اور لوگ کھانے کے لیے آئے تو ابوسفیان نے مجھ سے کہا کہ اے ابوالفضل کیا تمھیں معلوم ہے کہ تمھارا بھتیجا خود کو نبی سمجھتا ہے۔ میں نے کہا: میرا کون سا بھتیجا؟ اس نے کہا: ایک ہی تو ہے جو یہ بات کر سکتا ہے۔ میں نے پھر سوال کیا تو اس نے کہا کہ محمدؐ بن عبداللہ۔ میں نے کہا: تمھیں کس نے بتایا؟ اس نے کہا: میرے بیٹے حنظلہ نے مجھے ایک خط بھیجا ہے جس میں لکھا ہے کہ بطحا کے مقام پر محمدؐ بن عبداللہ نے کھڑے ہو کر کہا: ''انا رسول اللہ ادعوکم الی اللہ عز وجل. یعنی میں اللہ کا رسول ہوں اور تمھیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: شاید ابوحنظلہ نے سچ ہی کہا ہے۔ اسی دوران عبداللہ بن حذافہ یہ خبر لے کر یمن آ گیا اور اس نے خود اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا۔

ابوسفیان اس خبر سے بہت رنجیدہ اور غضب ناک ہوا، مگر ایک یہودی ان لوگوں سے ملا جس کے سامنے اس بات کا تذکرہ ہوا تو اس نے بھی کہا کہ اس رسولؐ کا ذکر تورات میں موجود ہے اور اے ابوالفضل! یہود بھی تمھارے بھتیجے کی آمد سے خوف زدہ ہیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کی فوج اور گھوڑ سوار ایک وقت میں کدا سے طلوع ہوں گے اور فتح پائیں گے۔ حضرت

Marfat.com

عباس رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے وقت کدًا کے پاس ابوسفیان کو یہ بات یاد کرائی تو اس نے کہا: ای واللّٰہ، انی لذاکرھا، فالحمدللّٰہ الذی ھدانی للاسلام. ہاں خدا کی قسم! مجھے وہ بات یاد ہے اور میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۳۲-۴۳۳)

خواب میں رہنمائی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت عمرو بن مرہ الجہنی بیان کرتے ہیں کہ وہ یمن سے ایک قافلے کے ساتھ زمانۂ جاہلیت میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا تو میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ جیسے ہم مکہ میں داخل ہوگئے ہیں۔ خانہ کعبہ سے ایک روشنی نکل کر دور تک پھیلتی چلی گئی جو یثرب کی وادیوں تک پہنچ گئی۔ پھر میں نے ایک آواز سنی: انقشعت الظلماء، وسطع الضیاء، وبُعث خاتم الأنبیاء یعنی دورِ ظلمت ختم ہوا، روشنی کا عہد طلوع ہوا اور خاتم الانبیا دنیا میں مبعوث ہوگئے۔ پھر کہتے ہیں کہ مجھ کو دوسری روشنی نظر آئی تو اس میں حیرہ اور مدائن کے علاقے دیکھے۔ اللہ اپنے محبوب بندوں کو سچے خواب دکھاتا ہے اور پھر یہ خوش نصیب ان خوابوں سے حقیقت اور سچائی تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ عمرو بن مرہ جب مکہ میں آئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوچکے تھے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں یمن واپس جاکر اس دین کی تبلیغ کروں۔ آپؐ نے انھیں واپسی کے وقت نصیحت فرمائی: علیک بالرفق والقول السدید ولَا تکن فظًّا ولَا متکبرًا ولَاحسودًا. یعنی ہمیشہ نرم رویہ اختیار کرنا، سچی بات کہنا، سخت دلی تکبر اور حسد سے ہمیشہ بچ کر رہنا۔ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ کی دعوت کے نتیجے میں یمن میں بہت بڑی تعداد میں لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۳۳-۴۳۴)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

اہل کتاب اور رسول رحمتؐ

علاماتِ نبوّت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جو مبشرات لوگوں کے سامنے آتی رہیں، ان کے علاوہ بعد از بعثت بلکہ بعد از ہجرت بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ کئی لوگ سابقہ کتب اور انبیا کی تعلیمات کی روشنی میں آپ کی حقیقت تک پہنچتے رہے۔ انھی واقعات میں سے ایک واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بیٹے یوسف بن عبداللہ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زید بن سُعنہ یہودی کی ہدایت کا فیصلہ فرمایا تو زید کے دل میں ایک بات سوجھی۔ اس ضمن میں خود زید کہتے ہیں: میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں نبوت کی تمام علامات دیکھ لیں سوائے دو باتوں کے۔ وہ چہرے سے مجھے معلوم نہ ہوسکیں۔ ہماری کتابوں میں بیان کیا گیا تھا کہ اس نبی کا حلم، اس کی سختی پر غالب ہوگا اور جب اس کے مقابلے میں جہالت کی شدت کا اظہار کیا جائے گا تو اس کے حلم میں بھی اضافہ ہوجائے گا۔ چنانچہ میں نے آپؐ کے ساتھ ملنا جلنا شروع کردیا۔ اس تعلق کی وجہ سے میرے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لین دین بھی ہوگیا۔ ایک بار آپؐ نے مجھ سے ادھار پر کچھ کھجوریں لیں۔

حضرت عمرؓ کا جلال

وعدے کا وقت جب قریب آگیا تو میں آپ کے پاس گیا۔ اس وقت آپؐ اپنے صحابہ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے۔ میں نے سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے آپؐ کی قمیص اور چادر سے پکڑ کر کھینچا اور اپنی رقم کا مطالبہ کیا۔ میں نے سخت غصے کے ساتھ آپ کی طرف دیکھا اور کہا:

Marfat.com

یامحمدُ الا تقضینی حقی ؟ یعنی اے محمدؐ! کیا آپؐ مجھے میرا حق واپس نہیں کرتے؟۔ آپؐ نے میری باتیں سن کر حلم کا مظاہرہ کیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں غصے سے یوں حرکت کر رہی تھیں جیسے کشتی بھنور میں ہو۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ کہہ رہا ہے جو میں سن چکا ہوں اور وہ کچھ کر رہا ہے جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اگر اللہ کے رسولؐ رکاوٹ نہ بنتے تو میں اپنی تلوار سے تیرا سر قلم کر دیتا۔

ایمان افروز نصیحت

اس موقع پر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑے اطمینان اور محبت کے ساتھ دیکھ رہے تھے اور آپؐ کے چہرے پر تبسم تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اے عمرؓ! میں بھی اور فریق ثانی بھی تم سے اس سلوک کی نسبت کسی اور سلوک کے زیادہ محتاج تھے۔ اے عمرؓ! تجھے چاہیے تھا کہ مجھے اچھے انداز میں ادائیگی کی تلقین کرتا اور اسے اچھے انداز میں مطالبے کا حکم دیتا۔ اے عمر! اس کو ساتھ لے جاؤ اور اس کا حق ادا کر دو۔ اس کی کھجوریں ادا کرنے کے بعد ۲۰ صاع (ایک صاع تقریباً تین کلوگرام کا ہوتا ہے) کھجوریں زائد دے دینا۔ یہ سن کر زید بن سُعنہ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت زید بن سُعنہ رضی اللہ عنہ زندگی بھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری نبھاتے رہے۔ غزوہ تبوک کے سال میں ان کی وفات ہوئی۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۲۸ بحوالہ دلائل النبوۃ از ابو نعیم)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فاتح القلوب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ (آلِ عمران ۳:۱۵۹)

Marfat.com

(اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تُند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمھارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔

قدرتِ کاملہ کے کرشمے

نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے مدینہ کی طرف آیا۔ اس وفد میں ایک شخص ابوالحارث بن علقمہ بن ربیعہ تھا، جو عالم دین تھا اور پادری ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے روسا میں بھی شمار ہوتا تھا۔ اس کی اپنی قوم میں بڑی قدرومنزلت تھی۔ اتفاق سے اس کے خچر نے اسے گرادیا تو اس کا بھائی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بددعائیں دینے لگا۔ یہ سن کر ابوالحارث نے کہا کہ ایسا مت کہو تم خود ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے، وہ شخص اللہ کے نبیوں میں سے ہے، جس کی بشارت انجیل میں عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور جس کا تذکرہ تورات میں بھی ہے۔ یہ سن کر بددعائیں دینے والے بھائی کی قسمت جاگ اٹھی۔ اس نے کہا: خدا کی قسم میں مدینہ پہنچ کر اس پر ایمان لاؤں گا۔ یہ سن کر وہ عالم سُو کہنے لگا: ارے نہیں میں تو محض تم سے مذاق کر رہا تھا۔ اس کے بھائی نے کہا: جو کچھ بھی ہے میں تو اب ایمان لاؤں گا۔ چنانچہ یہ شخص وہاں پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔ صاحبِ علم پادری ہدایت سے محروم رہا۔ ایک بظاہر جاہل شخص حق شناس بن کر حق وصداقت کا علم بردار بن گیا۔ کیا عجیب قدرت کاملہ کے کرشمے ہیں! (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۶۴-۱۶۵)

الہامی کتب میں نبی امّی کا ذکرِ خیر

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اہلِ کتاب کسی ابہام میں نہیں تھے، محض اپنی ہٹ دھرمی، ضد اور فسادِ قلبی کی وجہ سے وہ آپ کو تسلیم کرنے سے انکاری رہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ (الاعراف ۷:۱۵۷)

(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی (ﷺ) کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

آپؐ سے قبل آنے والے ہر نبی نے آپ کی آمد کا تذکرہ کیا ہے۔ بالخصوص سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اتنی وضاحت کے ساتھ آپ کی بشارت دی کہ آپ کا نام تک اپنی قوم کو بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۝ (الصّف ۶۱:۶)

اور یاد کرو عیسیٰؑ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا

Marfat.com

جس کا نام احمد ہوگا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور سید المرسلین ہیں۔ تورات اور انجیل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صفات بھی بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد باری ہے:

رسولِؐ برحق اور صحابہ کرامؓ

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ (الفتح ۴۸: ۲۸-۲۹)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کردے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع وسجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

Marfat.com

انبیائے کرام سے عہدِ ربّانی

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے ایک عہد لیا تھا کہ وہ اپنے بعد آنے والے رسولِ برحق کی تصدیق کریں گے۔ ارشاد باری ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَآ آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوٓا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨١﴾ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٨٢﴾ (آلِ عمران ۳:۸۱-۸۲)

یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج میں نے تمھیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمھارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمھارے پاس موجود ہے، تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا: کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں، اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔

اللہ کی پھٹکار

اہلِ کتاب پر اللہ کی ایسی پھٹکار نازل ہوئی کہ جن چیزوں کے حق ہونے کو وہ بخوبی جانتے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر ان کا انکار کر دیا۔ اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہوگی۔ ان کے برعکس عرب کے مشرک قبائل جو ان سے یہ باتیں سنا کرتے تھے، اللہ کی توفیق سے آگے بڑھے اور حق کو سینے سے لگا لیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ

Marfat.com

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ (البقرہ ۲:۸۹)

اور اب جو کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے، اس کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے، باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی، باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آ گئی، جسے وہ پہچان بھی گئے تو انھوں نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ہے ان منکرین پر۔

اس آیت کی تشریح میں سید مودودیؒ نے جو حاشیہ لکھا ہے وہ بڑا ایمان افروز ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

اہلِ کتاب کی بدبختی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودی بے چینی کے ساتھ اُس نبی کے منتظر تھے جس کی بعثت کی پیشین گوئیاں ان کے انبیا نے کی تھیں۔ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غلبہ مٹے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو۔ خود اہلِ مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثتِ محمدیؐ سے پہلے یہی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن تکیۂ کلام یہی تھا کہ اچھا، اب تو جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کر لے، جب وہ نبی آئے گا تو ہم ان سب ظالموں کو دیکھ لیں گے۔ اہلِ مدینہ یہ باتیں سنے ہوئے تھے، اسی لیے جب انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے آپس میں کہا کہ دیکھنا، کہیں یہودی تم سے بازی نہ لے جائیں۔ چلو، پہلے ہم ہی اس نبی پر ایمان لے آئیں۔ مگر ان کے لیے یہ عجیب ماجرا تھا کہ وہی یہودی، جو آنے والے نبی کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے، اس کے آنے پر سب سے بڑھ کر اس کے مخالف بن گئے۔

اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "وہ اس کو پہچان بھی گئے"، تو اس کے متعدد ثبوت اسی زمانے میں

Marfat.com

مل گئے تھے۔ سب سے زیادہ معتبر شہادت ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے، جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو میرے باپ اور چچا دونوں آپ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپ سے گفتگو کی۔ پھر جب گھر واپس آئے، تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے، جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد: خدا کی قسم، ہاں۔

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟

والد: ہاں۔

چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: جب تک جان میں جان ہے، اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۹۳، ۹۴۔ بحوالہ: ابن ھشام، ج ۲، ص ۱۶۵، طبع جدید)

اسم گرامی کا اعجاز

امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی ایک روایت بیان کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے مجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں بھیجا، مگر ان سے عہد لیا کہ اگر اس کی زندگی میں محمدؐ کی بعثت ہو تو لازماً ان پر ایمان لائے گا اور ان کی مدد کرے گا۔ یہی عہد اللہ کے نبیوں نے اپنی امتوں سے لیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں نے بھی اہلِ کتاب سے آپؐ کے بارے میں خوش خبریاں سن رکھی تھیں۔ حتیٰ کہ آپ کا نام تک لوگوں کو معلوم تھا۔ جیسا کہ پہلے تذکرہ ہوا، اسی وجہ سے بہت سے لوگوں نے اپنے بیٹوں کے نام اس امید پر محمد رکھے کہ شاید انھی کو اس اعلیٰ اعزاز سے نواز دیا جائے۔ سعید ابن مسیّب بیان کرتے ہیں کہ عرب اہلِ کتاب اور اپنے

Marfat.com

کاہنوں کی زبانی سنا کرتے تھے کہ دیارِ عرب میں ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا نام محمد ہوگا تو نبوت کے لالچ میں انھوں نے اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے۔ بنوسلیم کی شاخ بنی ذکوان میں محمد بن خزاعی بن خُزابہ کا نام بھی محمد تھا۔ وہ یمن چلا گیا اور ابرہہ کے دربار میں اسے بڑی پذیرائی ملی۔ اس نے ابرہہ کا دین اختیار کرلیا اور اسی پر اس کی موت ہوئی۔ اس کی مدح میں اس کے بھائی قیس بن خزاعی نے ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر ہے:

فَذَالِکُمْ ذُو التَّاجِ مِنَّا مُحَمَّدٌ
وَرَایَتُہٗ فی حَومَۃِ الْمَوْتِ تَخفِقُ

ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہم میں سے محمد ہے، جو صاحبِ تاج ہے اور میں نے اسے دیکھا ہے کہ موت کے ہجوم میں بھی اس کی بہادری اور اس کے جھنڈے کے پھریرے کبھی ماند نہیں پڑتے۔ (طبقات ابن سعد، ج۱،ص۱۶۹)

جس شخص کے حق میں یہ شعر لکھا گیا ہے، وہ ہرگز اس کا مصداق نہ تھا۔ یہ مبالغہ آرائی کی انتہا ہے۔ صفاتِ حمیدہ کا مالک تو وہی محمدؐ ہے جسے اللہ نے خاتم النبیین بنایا، سید الاولین والآخرین قرار دیا اور مقامِ محمود پر سرفراز فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَحَبِیْبِکَ مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّی وَعَلٰی اٰلِہٖ واَصْحَابِہٖ۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

حُنفاء

اہم واقعات قبل از وحی

وحی کے آغاز اور نبوت سے قبل بھی بچپن سے لے کر جوانی تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ شرک سے مجتنب اور ہر غیر اخلاقی حرکت سے پاک اور منزہ تھے۔ آپ کا میلان ان لوگوں کی طرف تھا جو بت پرستی سے اپنا دامن بچا کر توحید کے عقیدے پر قائم تھے۔ اس معاشرے میں بت پرستی سے اجتناب کرنا یقیناً ایک مشکل کام تھا، مگر اللہ کے کچھ بندے ہر دور اور ہر نسل میں ایسے رہے ہیں جو عقیدۂ توحید پر قائم تھے۔ ان کو حنفا یا مؤحدین کہا جاتا ہے۔ مورخین نے آپ کے دور میں جن لوگوں کے نام مؤحدین میں شمار کیے ہیں ان میں قُس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل اور عبیداللہ بن جحش خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ بتوں پر چڑھائی گئی نذر و نیاز یا ان کے نام پر ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت بالکل نہیں کھاتے تھے۔

فصیح خطبہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے ملاقات بھی کی اور ان کے خیالات کو پسند کیا۔ ورقہ بن نوفل سے تو آپ کی ملاقات وحی آنے کے بعد بھی ہوئی تھی، جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔ قُس بن ساعدہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا زبردست خطیب تھا۔ اس کے بعض خطبے عکاظ کے میلے میں بھی لوگوں نے سنے۔ اسی طرح کا ایک خطبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زبانی سنا تھا۔ اس خطبے کو مورخین نے نقل کیا ہے۔ اس طویل خطبے کو لکھنے کی بجائے اس کا ایک آدھ فقرہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے: ایھاالنّاس اسمعوا واوعوا، واذا وعیتم فانتفعوا، انه من عاش

Marfat.com

مات، ومن مات فات وکل ماھواٰتٍ آت، مطرو نبات، وارزاق واقوات۔ اے لوگو! سنو اور اسے خوب یاد کرلو۔ جب تم یاد کرلو گے تو تمھارے حق میں فائدہ مند ہوگا۔ بلاشبہ ہر زندہ کا مقدر موت ہے اور جو موت کی وادی میں اتر جائے وہ فانی ہو جاتا ہے اور جو کچھ مقدر ہے وہ ضرور آ کر رہے گا۔ بارش اور روئیدگی، رزق اور خوراک (سب کچھ تقدیر میں لکھا ہے، اس کے مطابق اس کی تقسیم ہوتی ہے)۔

عربوں کی فصاحت و بلاغت

کئی مورخین نے اس موحد کے طویل خطبے بھی نقل کیے ہیں، جن میں بالخصوص امام بغویؒ اور امام بیہقیؒ کے اوراقِ سیرت قابل ذکر ہیں۔ ان خطبوں کے بارے میں اگرچہ علامہ شبلی نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ بعد میں گھڑے گئے ہیں، مگر عربوں کی فصاحت و بلاغت سے کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ سب خطبے قُس بن ساعدہ کے ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ توحید پر قائم تھا، اس میں تو کوئی دو آرا نہیں ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی موٗحد اور حنیف تھے، لیکن آپ باقی حُنفا میں سے بالکل منفرد تھے اور کیوں نہ ہوں ان سب میں سے صرف آپ ہی تو وحی کے نور سے نوازے جانے والے تھے۔ اکثر حنفاء آپؐ کی آمد کے منتظر تھے اور اسی تڑپ میں جان کھپا دی کہ آپؐ کا دور اور آپؐ کی صحبت میسر آ جائے۔

منفرد شخصیت زید بن عمرو

حنفاء میں سب سے اہم نام زید بن عمرو بن نُفَیل کا ہے۔ یہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ [یکے از عشرہ مبشرہ] کے والد گرامی تھے۔ یہ بتوں سے برملا اظہارِ برأت کرتے تھے۔ ان پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ جب مشرکین اپنے بتوں کی تعظیم کے لیے جانور لے کر ان کے استھان پر ذبح کرتے تو اس عمل پر نکیر فرماتے۔ اس کے نتیجے میں کئی مرتبہ ان کا چچا خطاب بن نفیل انھیں برا بھلا کہتا اور بسا اوقات ان پر ہاتھ بھی اٹھاتا۔ اپنے قبیلے کے لونڈوں اور سفہا کو ان کے پیچھے لگا دیتا جو انھیں اذیتیں پہنچاتے۔ اس سب کچھ کے باوجود زید

Marfat.com

بن عمرو اپنے عقیدۂ توحید پر ثابت قدمی سے ڈٹے رہے۔ حنفاء کے حلقے میں کسی دوسری شخصیت کو ایسی مشکل گھاٹیوں سے نہیں گزرنا پڑا جو زید بن عمرو کا مقدر بنیں۔ ظاہر ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا تو آپ پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے گئے وہ الگ اور منفرد موضوع ہے، ان کی مثال تو تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے بچپن میں زید بن عمرو کو دیکھا۔ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ انھوں نے اس موقع پر وہاں موجود قریش کے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: اے معشر قریش! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں زید بن عمرو کی جان ہے، میرے سوا تم میں سے کوئی بھی اس وقت دین ابراہیمی کا پیروکار نہیں ہے۔ پھر بڑی حسرت کے ساتھ کہا: اے اللہ! اگر میں جانتا کہ تیری عبادت کا صحیح طریقہ کیا ہے، تو تیری ذات کی قسم میں اس کے مطابق تیری عبادت کرتا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ سجدے میں گر گئے۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۲۴-۲۲۵)

تلاشِ حق میں سرگرداں!

جناب زید بن عمرو اپنے بڑھاپے کے باوجود تلاشِ حق میں مکہ سے نکل کر عراق وشام کی طرف گئے اور وہاں یہودیت ونصرانیت کے علاوہ صابی مذہب کے پیروکاروں کو بھی دیکھا، مگر ان سب میں ان کو حق نہ مل سکا۔ اسی دوران اس علاقے کے شہر موصل میں ان کی ایک راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس سے بھی کچھ معلومات تو ملیں، مگر تشفی نہ ہوئی۔ پھر بلقاء (دمشق کے نواح میں ایک پہاڑی مقام) کے علاقے میں ایک اور راہب سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: یوں شہروں کی خاک چھاننے کی بجائے تم اپنے شہر میں واپس چلے جاؤ، اللہ کا آخری نبیؐ وہاں مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کی آمد بہت جلد متوقع ہے۔ یہ سن کر وہاں سے واپس چل پڑے۔ راستے میں ایک جگہ قبیلہ لخم کے بدو ڈاکو انھیں ملے، جنھوں نے انھیں لوٹ بھی لیا اور قتل بھی کر دیا۔ آخری وقت میں ان کی زبان پر یہ دعا آئی: اے اللہ! مجھے تیرے سچے نبی کی صحبت حاصل نہیں ہو سکی، میرے بیٹے

Marfat.com

سعید کو یہ سعادت ضرور عطا فرمانا۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۲۹، ۲۳۱-۲۳۲)

ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ

زید بن عمرو کی شہادت کی اطلاع مکہ میں پہنچی تو ان کے خاندان کا ہر فرد غم زدہ ہوا، مگر ورقہ بن نوفل ان کے قتل پر سب سے زیادہ غمگین ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ سانحہ دل دوز تھا۔ آپؐ زید بن عمرو سے ایک خصوصی محبت و شغف کا تعلق رکھتے تھے۔ بہرحال ورقہ بن نوفل نے ان کا جو مرثیہ لکھا وہ بڑا دردناک ہے۔

رَشَدتَ وَ اَنْعَمتَ ابْنَ عَمْرٍو وَ اِنَّمَا
تَجَنَّبْتَ تَنُوراً مِنَ النَّارِ حَامِيَا
بِدِيْنِکَ رَبًّا لَيسَ رَبٌّ كَمِثْلِهٖ
وَتَرْكُکَ اَوْثَانَ الطَّوَاغِیْ كَمَاهِيَا
وَ اِدْرَاكُکَ الدينَ الذی قد طَلبتَه
وَلم تَکُ عَنْ تَوحيد رَبِّک ساهيا
فَاَصبحتَ فی دارٍ كَرِيمٍ مُقامُها
تُعَلَّل فيها بالكرامة لاهيا
تُلاقی خليل الله فيها ولم تَكُنْ
من النَّاس جبَّارًا الی النار هاويا
وَقَدْ تُدرِکُ الْاِنْسَانَ رَحْمَةُ رَبِّهٖ
وَلَوْ كَانَ تَحتَ الْاَرْضِ سِتِّيْنَ وَادِيَا

اے زید بن عمرو! تو نے راہِ ہدایت پائی اور تجھ پر اللہ کی نعمتیں ہوئیں۔ تو خوش قسمت ہے کہ آگ کے تنور سے جس کی شعلے بڑے شدید ہیں، خود کو بچا لیا۔

تو نے یہ کامیابی اس دین کو اختیار کرنے سے حاصل کی جو حقیقی رب کا دیا ہوا ہے، اس رب

Marfat.com

کی کوئی مثل نہیں ہے۔تونے بتوں کو ترک کر دیا کیونکہ ان کی پیروی اللہ کی نافرمانی کے مترادف ہے۔

تجھے یہ شعور حاصل ہوا کہ تونے سچے دین کی تلاش کی اور اسے پالیا اور تو نے کبھی بھی اپنے رب کی توحید کو فراموش نہ کیا۔

پس تو اس گھر کا مستحق ٹھہرا جس میں قیام عزت واحترام کا باعث ہے۔تو اس مقام پر پوری عزت وشان کے ساتھ رونق افروز ہے۔

وہاں تو ابراہیمؑ خلیل اللہ سے جاملا اور ان لوگوں میں سے نہیں جو دنیا میں بغاوت و کبر کا اعلان کرتے ہیں اور آگ کے گڑھے کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

اللہ کا بندہ اپنے رب کی رحمت سے بارآور ہوا اور اگر زمین کے نیچے ستر وادیوں تک بھی اسے دفن کیا جائے تو اللہ کی رحمت اسے اوپر اٹھالے گی۔

(البدایة والنہایة، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۸۲، سیرة ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۳۲)

پیغام توحید بذریعہ اشعار

زید بن عمرو بھی بہت بڑے خطیب اور عظیم شاعر تھے۔ان کے اشعار بھی ان کے عقائد کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں اور توحید ربانی کی زندہ مثال ہیں۔ان کے طویل قصائد جو سیرت نگاروں نے لکھے ہیں، ان میں سے چند اشعار ہم نذر قارئین کرنا چاہتے ہیں۔فرماتے ہیں:

اَرَبًّا وَاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ
اَدِیْنُ اِذَا تُقسمت الاُمورُ
عَزَلْتُ اللّات والعُزّٰی جمیعا
کَذٰلِک یَفْعَل الجَلْدُ الصَّبُوْرُ
فَلَا العُزّٰی اَدِیْنُ وَلَا ابنتَیْھا

Marfat.com

وَلَا صَنَمَیْ بنی عمرٍو اَزُوْرُ
وَلَا هُبُلًا اَدِینُ وَكَانَ رَبًّا
لَنا فی الدَّهرِ اذ حُلُمِی یَسِیْرُ
عَجِبْتُ وفی اللَّیالی مُعْجباتٌ
وفی الاَیَّامِ یَعْرِفُها الْبَصِیْرُ
بِاَنَّ اللّٰه قَدْ اَفْنَی رِجالًا
كَثِیْرًا كان شأْنَهُمُ الفُجُوْرُ
وَاَبْقی آخرین ببرّ قَوْمٍ
فَیَرْبِلُ مِنْهُمُ الطفلُ الصَّغیرُ
وَلٰكِنْ اَعْبُدُ الرَّحْمٰنَ ربی
لِیَغْفِرَ ذَنْبِی الرَّبُّ الْغَفُوْرُ

کیا (سلامت روی یہ ہے) کہ میں ایک رب کی عبادت کروں یا ہزار الٰہوں کی بندگی کا اعلان کروں جیسا کہ لوگوں نے ان کو آپس میں بانٹا ہوا ہے؟

میں نے لات اور عزیٰ سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ جس شخص کو بھی اللہ سنجیدگی اور صبر بخشے وہ یہی راستہ اپنائے گا۔

میں نہ تو عزیٰ کی پرستش کرتا ہوں نہ اس کی دونوں بیٹیوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں۔

میں بنی عمرو کے دونوں بتوں پر بھی کبھی حاضری نہیں دیتا۔

جب میں بالکل بچپن میں تھا اور غنم نامی بت کو ہمارا پروردگار قرار دیا جاتا تھا، میں نے اس غنم کی بھی کبھی پرستش نہیں کی۔

میں اللہ کی قدرتوں پر حیرت میں ڈوب جاتا ہوں۔ دن رات میں کتنے عجوبات ہیں، مگر انھیں صاحبِ بصیرت ہی سمجھ سکتا ہے۔

اللہ نے کتنے ہی نافرمان اور باغی تباہی کے گھاٹ اتار دیے، جنھیں اپنی قوت و کثرت کا

Marfat.com

گھمنڈ تھا۔

اور کئی دیگر لوگوں کو ان کی نیکی کے سبب زندگی اور نعمتیں عطا فرمائیں تا آنکہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے پرورش پاکر کثیر تعداد میں پھیل گئے۔

میں اپنے پروردگار رحمٰن کی عبادت کرتا ہوں تاکہ میرا ربِ غفور میرے سب گناہوں کی بخشش فرمادے۔

مزید ایمان افروز اشعار

اپنے طویل اور موثر قصیدوں میں جناب زید بن عمرو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ان کے اندر قرآن وسنت میں دی گئی ہدایات کی روشنی جھلکتی ہے۔ظاہر ہے کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ان کے قلبِ توحید پرست پر القاہوتی ہوں گی۔علامہ اقبال نے اپنے اشعار کے بارے میں کہا تھا کہ کئی مرتبہ میں سوچتا رہتا ہوں اور کوئی شعر زبان پرنہیں آتا اور بعض اوقات اللہ کی طرف سے ایسی رہنمائی ملتی ہے کہ اشعار خود بخود میری زبان سے ادا ہونے لگتے ہیں۔زید کے اشعار میں دیکھیے کہ اللہ کا یہ موحد بندہ کیسی خالص توحید اور اللہ سے اپنی بندگی کا تعلق نوکِ زبان پرلاتا ہے:

اِلی اللّٰہ اُھدِی مِدْحی و ثنائیا
وقَوْلًا رَصینا لاینی الدَّھرَ بَاقِیَا
الی الملک الاّ علیٰ الذی لیس فوقه
الٰاۃ ولَا رب یکونُ مُدانیا
الاّ ایھا الانسانُ اِیَّاکَ والرَّدٰی
فَانَّکَ لَا تخفی من اللّٰہ خافیا
وَاِیاکَ لَا تجعل مع اللّٰہ غیرہ
فانَّ سبیل الرشد اصبح بادیا

Marfat.com

میں اپنے مالک اللہ کی خدمت میں اپنی مدح وثنا کا ہدیہ پیش کرتا ہوں اور میں ایسی پسندیدہ بات رب ذوالجلال کی خدمت میں عرض کرتا ہوں جس کو گردشِ ایام کمزور اور معدوم نہ کر سکے۔

اس شہنشاہ اعظم کی خدمت عالی میں اپنا ہدیہ پیش کرتا ہوں جس سے بالا کوئی معبود نہیں اور کوئی ایسا پروردگار اور مالک کہیں نہیں پایا جاتا جس میں اس کی صفات کا کوئی ذرہ بھی موجود ہو۔

اے انسان! ہوش میں آ، اپنے آپ کو تباہی سے بچا۔ بلاشبہ تو اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی چھپا نہیں سکتا۔

(اے انسان!) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو شریک کرنے سے ہمیشہ بچ کر رہ۔ راہِ ہدایت تو بالکل واضح اور ظاہر ہو چکی ہے۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۲۶-۲۲۷)

ابراہیمؑ کا سچا پیروکار

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے آنحضورؐ سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن عمرو کے لیے دعائے مغفرت کی جا سکتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ فَاِنَّهٗ یُبْعَثُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ وہ روز قیامت اکیلا ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۲۶)۔

ابن اسحٰق نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زید بن عمرو جب بھی مسجد حرام میں قبلہ رخ ہوتے تو کہتے: لبیک حقًا حقًا تعبدا ورِقًا۔ یعنی اے اللہ! میں حاضر ہوں تو ہی حق ہے، تو ہی عبادت کے لائق ہے اور میں پوری رقت قلبی کے ساتھ تیری ہی عبادت کے لیے خود کو وقف کرتا ہوں۔

عُذْتُ بِمَا عَاذَ بِهٖ اِبْرَاهِیْمُ
مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَهُوَ قَائِمُ

Marfat.com

اے اللہ میں اسی طرح اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں، جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے تیری پناہ طلب کی تھی جبکہ وہ قبلہ رخ تیرے سامنے کھڑے تھے۔(سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۳۰)

ایک صحابی کی گواہی

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے زید بن عمرو بن نفیل کو لوگوں سے یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے یہود ونصاریٰ اور مجوس کے علما سے ملاقاتیں کیں، ملک ملک کی خاک چھانی اور سب لوگوں سے اللہ کے نبی کے بارے میں پوچھا۔ مجھے جو کچھ معلوم ہوا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انا انتظر نبیّنا من ولد اسماعیل، ثم من بنی عبدالمطلب ولَا ارانی ادرکه وانا اؤمن به واصدقه واشهد انه نبی......... میں جس نبی کا منتظر ہوں وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا۔ پھر اسماعیل کی شاخ بنوعبدالمطلب سے اس کا تعلق ہوگا۔ مجھے (اپنے بڑھاپے کی وجہ سے) امید نہیں ہے کہ اس کا زمانہ پاسکوں اور میں اسے دیکھ سکوں لیکن میں اس پر ایمان لاتا ہوں، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ وہ اللہ کا سچا نبی ہے۔ اگر اللہ نے تجھے مہلت دی اور تو نے اس کا دور پایا تو ضرور اس کی بات ماننا اور اسے میرا اسلام عرض کرنا۔ میں تجھے اس کی علامات بتا دیتا ہوں تاکہ تجھے اس کے پہچاننے میں مشکل پیش نہ آئے۔ وہ مناسب قد وقامت کی شخصیت ہے نہ بہت لمبا اور نہ ہی بہت چھوٹا، اس کے جسم پر نہ تو گھنے بال ہیں، نہ بالوں کی قلت ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی سرخی ہے جو کبھی ان سے جدا نہ ہوگی۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ختم نبوت کی مہر ہے۔ اس کا نام احمد ہے۔ وہ اسی شہر میں پیدا ہوگا۔ پھر اس کی قوم اسے یہاں سے نکال دے گی تو وہ ہجرت کر جائے گا۔ (البدایة والنهایة، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۳۸۳)

سلام اور اس کا جواب

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو رسول

Marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زید بن عمرو کی یہ پوری بات بتائی اور ان کا سلام آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا: فردّ علیه السلام و ترحّم علیه وقال قد رائیته فی الجنّة یسحب ذیولا۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کے سلام کا جواب دیا، ان کے لیے اللہ سے رحمت کی دعا مانگی اور فرمایا: میں نے اسے جنت میں دیکھا ہے کہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے چل رہے تھے۔ امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں محمد بن ابی بکر سے بواسطہ فضیل بن سلیمان، موسیٰ بن عقبہ، سالم بن عبداللہ، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات زید سے وحی کی آمد سے قبل ہوئی تھی اور دونوں شخصیات نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ وہ بتوں پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کا گوشت بھی نہیں کھاتے اور جن جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے بھی نہیں چکھتے۔ (صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب ماذبح علی النصب والاصنام، حدیث ۵۴۹۹، البدایة و النهایة، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۳۸۳)

فردِ واحد کو امت کا درجہ

زید بن عمرو ایک ایسی شخصیت ہیں جن کا تذکرہ سیرت کی کتابوں میں اتنا تفصیلاً دیا گیا ہے کہ اگر وہ سارے واقعات جمع کر دیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ ان کی تعریف خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ ایک روایت کے مطابق ان کے بیٹے سعید بن زیدؓ اور بھتیجے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے جواب دیا کہ وہ دین ابراہیمؑ کے پیروکار تھے، شرک سے مجتنب رہے، توحید پر مکمل استقامت دکھائی اور وہ اہلِ جنت میں سے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد امام ابن کثیر اور دیگر سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی اسے سیر الاعلام النبلا میں لکھا ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا: یبعث یوم القیامة امة واحدة۔ یعنی زید بن عمرو قیامت کے دن اکیلا ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔ امام ابن کثیر نے زید کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قبلہ رخ ہو کر نماز کی نیت باندھتے اور کہتے الٰهی واله

Marfat.com

ابراھیم و دینی دین ابراھیم و یسجد۔ یعنی میرا اللہ وہی ہے جو سیدنا ابراہیمؑ کا الٰہ ہے اور میرا دین وہی ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام تھے۔ پھر اس کے بعد وہ سجدے میں گر جاتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی ابن کثیر نقل کرتے ہیں: یحشر ذاک امة وحده بینی وبین عیسیٰ ابن مریم، اسناده جیّد حسن۔ یعنی زید بن عمرو میرے اور عیسیٰ ابن مریم کے درمیان اکیلے ایک امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے۔ علامہ ابن کثیر کے بقول اس کی سند جید اور حسن ہے۔ (البدایة والنهایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۳۸۴)

ائمۂ سیرت کا خراج تحسین

امام ابن کثیر نے زید بن عمرو بن نفیل کے حالات اپنی کتاب میں صفحہ ۳۸۱ سے لے کر ۳۸۵ تک تفصیلاً لکھے ہیں۔ اس میں انھوں نے جناب زید کے اشعار اور طویل قصیدے بھی لکھے ہیں جن میں خالص توحید کا اثبات اور بت پرستی اور شرک کی مکمل مذمت اور نفی ہے۔ باب کا عنوان انھوں نے باندھا ہے: زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنه۔ ابن ہشام نے زید بن عمرو بن نفیل کا تذکرہ اپنی شہرہ آفاق سیرت (القسم الاول) میں صفحہ ۲۲۲ سے لے کر ۲۳۲ تک بڑی شرح وبسط کے ساتھ کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ انھوں نے بھی ان کے بہت سے اشعار لکھے ہیں اور آخر میں ورقہ بن نوفل کی زبانی ان کے قتل پر بہت دردناک مرثیہ بھی لکھا ہے۔ زید بن عمرو کو بلادِ شام سے واپسی پر مکہ پہنچنے سے قبل بلادِ لخم میں ظالم ڈاکوؤں نے شہید کر دیا تھا۔

بت شکن ابراہیمؑ حنیف

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جدالانبیا ہیں۔ آپ کا مقام انبیا ورُسل کے درمیان بھی بلند و بالا ہے۔ آپ نے بت پرست قوم بلکہ بت گر باپ کے گھر میں آنکھ کھولی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز بخشا کہ آپ نے اوائل عمری ہی میں تن تنہا مٹی اور پتھر کے بتوں کو بھی توڑا اور نمرود جو زندہ بت تھا اور جس کے ہاتھ میں بظاہر موت و زندگی بھی تھی اور عہدے اور منصب بھی، اس کی جھوٹی خدائی کو بھی اس کے بھرے دربار میں پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ آگ میں ڈالے گئے مگر استقامت

Marfat.com

میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ آپ کی اولاد میں گمراہی کے دور میں بھی ایسی شخصیات جنم لیتی رہیں جو نبی تو نہیں تھیں مگر دین ابراہیمؑ کی سچی پیروکار اور کلمۂ توحید کی علمبردار بن کر تاریخ میں زندہ جاوید ہوگئیں۔ انھی انمول ہیروں میں سے زید بن عمرو ہیں جنھوں نے مشرکین کے درمیان کھڑے ہوکر کہا تھا کہ میں اپنا چہرہ اس ذات کی طرف پھیر رہا ہوں جو زمین وآسمان کا خالق ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنی بت پرست قوم کے درمیان کھڑے ہوکر علی الاعلان فرمایا:

حق و باطل کی کش مکش

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَ لَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ كَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ (الانعام ۶: ۷۹-۸۱)

میں نے تو یکسو ہوکر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کرلیا ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی تو اس نے قوم سے کہا: کیا تم لوگ اللہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہِ راست دکھادی ہے اور میں تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں، اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہوسکتا ہے، میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ اور آخر میں تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لیے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی واطمینان کا مستحق ہے؟ بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو؟

Marfat.com

آلِ ابراہیمؑ کے ہیرے

آپ کی نسل میں پیدا ہونے والے وہ قیمتی ہیرے جنھوں نے اپنا دامن کفر و شرک کی آلائشوں سے مکمل طور پر محفوظ رکھا، تاریخ ہی میں نہیں جگمگا رہے بلکہ جنت میں بھی وہ فرد واحد ہونے کے باوجود پوری اُمت کا درجہ لے کر جائیں گے۔ ایسے ہی لوگوں میں آپ کی نسل شاخ اسماعیلؑ میں سے ہمارے محبوب اور اللہ کے نبیؐ کے دوست جناب زید بن عمرو بن نفیل بھی ہیں جن کا تذکرہ ہم نے اس باب میں کیا ہے۔ یہ تذکرہ دل کو سرور اور ایمان کو بالیدگی بخشتا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کے درمیان کھڑے ہو کر کہا تھا: (اِنِّیْ وَجَّھْتُ) نیز انھوں نے یہ بھی فرمایا: الشاۃ خلقھااللّٰہ وانزل لھا من السماء وانبت لھا من الأرض، ثم تذبحونھا علی غیر اسم اللہ، انکاراً لذلک واعظاماً لہ۔ ''بکری کو اللہ وحدہ نے پیدا کیا ہے اور اس کے لیے آسمان سے پانی نازل کیا اور زمین سے سبزہ اگایا۔ پھر تم اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو، اللہ کا انکار اور غیر اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے۔'' اسی طرح وہ اپنے ہاتھ اٹھا کر فرمایا کرتے: اللھم انی اُشھِدُکَ اَنِّی علی دینِ ابراھیم۔ یعنی اے اللہ! میں تجھے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں دینِ ابراہیم پر ہوں۔ (البدایۃ والنھایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ۳۸۳-۳۸۴)

نبی اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کے وقت حلال و حرام کے بارے میں جو حتمی احکام دیے ان میں بتوں پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے گوشت کو بھی حرام قرار دیا گیا۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِکُمْ فِسْقٌ ط اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ ط اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ

Marfat.com

غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۝ (المائدہ ۵:۳)

حرام چیزوں کی تفصیل

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا۔ اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ نیز یہ بھی تمھارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعے سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب افعالِ فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمھارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے (لہٰذا حرام و حلال کی جو قیود تم پر عائد کی گئی ہیں ان کی پابندی کرو)۔ البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی چیز کھا لے، بغیر اس کے گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دینِ حق کی تکمیل اور خاتم النبیین اور ان کی امت پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے حکم صادر فرمایا: وماذبح علی النصب یعنی جو جانور بتوں کی نذر و نیاز کے لیے ذبح کیا گیا ہو، وہ حرام ہے۔ اللہ کے یہ عظیم موحد بندے زید بن عمرو اس سے قبل کہہ چکے تھے: لا آکل مما ذبح علی النصب۔ یعنی بتوں پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت میں بالکل نہیں کھاتا۔

امتیاز و اعزاز

بنو عدی قریش کے خاندانوں میں اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کے دو سپوت عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جناب زید بن عمرو کے فرزند ہیں اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے بھتیجے۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ ان کے والد

Marfat.com

کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے باغات میں دیکھا۔ اسی طرح بنوزہرہ اور بنوتیم سے بھی دو دو ہیرے عشرہ مبشرہ کا حصہ ہیں۔ بنوزہرہ سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور بنوتیم سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ۔ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ بھی صحابہ میں شامل ہیں۔

مظلوم بچیوں کا سرپرست

زید بن عمرو کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انھوں نے بہت سی بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا ہے۔ جب انھیں معلوم ہوتا کہ کوئی باپ اپنی نوزائیدہ بچی کو مار ڈالنا چاہتا ہے تو فوراً اس کے پاس پہنچتے اور اسے کہتے: لَا تقتلها اکفیک مئونتها۔ یعنی اس (معصوم) بچی کو مت قتل کرو۔ میں اس کی کفالت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ پھر ان کی کفالت میں وہ بچیاں بڑی ہو جاتیں تو ان کے والدین سے پوچھتے، اگر تم چاہو تو اپنی بچی کو گھر لے جاؤ اور اگر نہ لے جانا چاہو تو میں حسبِ سابق اس کی پرورش اور کفالت کرتا رہوں گا۔ اس طرح کئی بچیوں کی جان اس مؤحد بندۂ خدا نے بچائی۔ اس واقعہ کے ساتھ ابن ہشام نے مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعۃ بن معاویہ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ ان کا بھی یہی معمول تھا۔ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور پایا اور خوش قسمتی سے داخل اسلام ہو کر صحابہؓ کی صف میں شامل ہو گئے۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار پوچھا: یارسول اللہؐ! کیا بچیوں کو قتل سے بچانے کے لیے اس کام میں میرے لیے اجر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں، تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے اور اسی میں سے اللہ کا تم پر یہ احسان ہے کہ اس نے تمھیں اسلام کی دولت سے سرفراز کیا ہے۔ (سیرۃ ابن هشام، القسم الاول، ص ۲۲۵)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

وحی سے قبل اشاراتِ نبوت

نورِ مجسّم

ترمذی شریف میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر شام کا واقعہ موجود ہے کہ شام کے سفر میں بصریٰ کے مقام پر جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے اس کی تمام شاخیں آپ کی کشش سے نیچے جھک آئی تھیں۔ (جامع الترمذی، ابواب المناقب، ج ۲، ص ۲۰۳) بُحیرا راہب کا واقعہ پہلے بھی گزرا ہے، اس موقع پر اسے بالکل یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا انتظار کیا جا رہا ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن جابر بن سمرةؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انی لَاعرف حجرا بمکة کان یُسلّم علیّ قبل ان اُبعث انی لَاعْرِفهُ الآن۔ میں اس پتھر کو بہت اچھی طرح آج بھی پہچانتا ہوں جس کے پاس سے میں مکہ میں نبوت سے قبل گزرتا تھا تو وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل)۔ آپ نورِ مجسّم تھے، تاج نبوت آپ کا منتظر تھا۔ آپ کو شجر و حجر سلام کرتے تھے تو اس میں نہ کوئی اچنبھا ہے، نہ شک و شبہ!

حضرت خدیجہؓ منبعِ خیر

سیدہ خدیجہؓ اپنے اخلاق کے لحاظ سے قبل از اسلام بھی بہت عظیم و برتر تھیں۔ البتہ عربوں کے عام معاشرے اور ماحول کی وجہ سے اس وقت وہ بت پرستی کی مخالف نہیں تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہونے کے بعد زمانۂ قبل نبوت ہی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان کی زندگی بدل دی تھی۔ آپؐ کی ترغیب پر انھوں نے بھی بتوں سے بیزاری کا

Marfat.com

اظہار کر دیا۔ سیّدہ خدیجہ منبعِ خیر تھیں۔ راوی کہتے ہیں: حدثنی جار لخدیجة بنت خویلد انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم وهو یقول لخدیجة ای خدیجة والله لَا اعبد اللات والعزیٰ والله لا اعبد ابدا قال فتقول خدیجة خل اللات خل العزیٰ قال کانت صنمهم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون۔ مجھ سے خدیجہ کے ایک ہمسائے نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہہ رہے تھے: اے خدیجہ بخدا میں کبھی لات وعزیٰ کی پرستش نہیں کروں گا۔ جواب میں حضرت خدیجہ نے کہا: لات اور عزیٰ کا نام بھی نہ لیجیے۔ (یعنی حضرت خدیجہ نے بھی بتوں سے بیزاری کا اظہار کر دیا)۔ عربوں کے ہاں یہ رواج تھا کہ سونے سے پہلے لات اور عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ (مسند احمد، ج ۴، ص ۲۲۲، بحوالہ سیرت النبیؐ، از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۳۶)

بچپن کی دوستی

نبوت سے قبل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب خاص میں سے سب سے نمایاں نام سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان کا اسم گرامی عبداللہ بن عثمان تھا لیکن تاریخ میں ابو بکر کے نام سے معروف ہوئے۔ ان کے والد بھی اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت یعنی ابو قحافہ سے ہی مشہور تھے۔ جناب ابو بکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈھائی سال چھوٹے تھے۔ لڑکپن ہی سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دوستی تھی۔ انھوں نے کبھی زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب نہیں پی تھی اور نہ ہی بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے علاوہ حکیم بن حزام بھی آپ کے حبیب خاص تھے۔ یہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے تھے۔ قریش کے بڑے سرداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

صلہ رحمی

حکیم کے والد حزام بن خویلد حضرت خدیجہ کے بھائی تھے۔ ان کی وفات اس وقت ہوئی جب ان کے بیٹے حکیم بہت ہی چھوٹی عمر کے تھے۔ جناب حکیم بن حزام کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑا انس تھا، مگر اسلام قبول کرنے میں قدرے، بلکہ کافی تاخیر ہوئی۔ حاجیوں کو کھانا کھلانا

Marfat.com

ان کی ذمہ داری تھی۔ دارالندوۃ کی عمارت انھی کے خاندان نے بنوائی تھی اور یہی اس کے مالک تھے۔ حالت کفر میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کا تعلق قائم تھا۔ بعثت کے بعد جتنا عرصہ اسلام سے محروم رہے اس کے دوران بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدردان اور محب تھے۔ حکیم بن حزام کی خوبیوں میں سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ وہ صلہ رحمی کا حق ادا کرتے تھے۔ شعب ابی طالب کے ایامِ محصوری میں بھی ان کی خدمات کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ ہجرت کے وقت جن چودہ نوجوانوں نے دارالندوہ میں کیے گئے فیصلے کے مطابق آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا، ان میں قبائلی حمیت کی وجہ سے حکیم بن حزام بھی شامل تھے، مگر وہ خوش نہیں تھے، بادل نخواستہ ہی انھیں شامل ہونا پڑا۔

قیس بن سائب کی گواہی

بنومخزوم میں سے ایک شخص قیس بن سائب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شراکت دار تھے۔ بہت اچھے اخلاق وعادات کے مالک تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدردان اور آپ کی مروت ومحبت کی وجہ سے آپ کی طرف قلبی میلان رکھتے تھے۔ بعد میں یہ مسلمان بھی ہوئے اور صحابہؓ کی فہرست میں ان کا نام جگمگا رہا ہے۔ انھوں نے بہت لمبی عمر پائی۔ اُسدُالغابۃ کے مطابق سوسال کی عمر میں جب وہ روزہ نہ رکھ سکتے تھے تو روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانے کی بجائے اس سے کئی گنا زیادہ فقرا کو دیتے تھے۔ وہ آپ کی بعثت سے قبل کہا کرتے تھے کہ کاروبار میں جھگڑے ہوجاتے ہیں، مگر کمال ہے کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان کبھی ذرا برابر بھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ (سیرت النبیؐ از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۴۰، بحوالہ الاستیعاب واصابہ، اسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، اردو ترجمہ، ج ۲، حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص ۷۶۲)

نوجوان انصاری کی گواہی

حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی تھے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم بت پرست تھے اور ہمارے درمیان بعض یہودی احبار وعلما جنت دوزخ کا

Marfat.com

تذکرہ کرتے تھے اور اسی تناظر میں آنے والے نبی کا ذکر ہوتا تھا۔ جب ہم ان سے پوچھتے تو وہ مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ وہ وہاں سے آئے گا۔ ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دیتے کہ اس کے آنے پر ہم اس کے ساتھ مل کر تم سے قتال کریں گے۔ پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ وہ یہودی ہمارے درمیان تھے، مگر ان کی بدبختی کہ وہ سب کچھ جاننے اور کہنے کے باوجود ایمان سے محروم رہ گیا اور اللہ کی توفیق سے ہمیں ایمان کی دولت نصیب ہوگئی۔ ہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیش قدمی کرنے میں ذرا دیر نہ کی۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص۲۶۶، سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۱۲)

بدبخت اہلِ کتاب کی محرومی

اسی طرح ایک دوسرے صحابی حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان یہودی بیٹھتے تو کہتے: ''اس نبی کی آمد کا زمانہ قریب ہے جس کے اشارات ہماری کتب میں موجود ہیں۔ ہم اس کے ساتھ مل کر اپنے دشمنوں کو یوں ملیامیٹ کریں گے جس طرح قوم عاد وثمود کی تباہی ہوئی تھی۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے: **فلما بعث اللّٰہ رسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اجبناہ، حین دعانا الی اللّٰہ تعالیٰ، وعرفنا ما کانوا یتوعدّوننا بہ، فبادرناھم الیہ، فآمنا بہ، وکفروا بہ، ففینا وفیھم نزل ھٰؤلاء الآیات من البقرۃ۔** جب اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپؐ نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی تو ہم نے فوراً لبیک کہا، کیونکہ ہمیں یہودیوں کے اقوال اور ان کی طرف سے دی جانے والی دھمکیاں خوب یاد تھیں۔ اسی لیے ہم ان سے پہلے اس کی جانب لپکے۔ وہ (بدقسمت) نہ صرف پیچھے رہ گئے بلکہ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور آپؐ کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ پس ہمارے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی آیات نازل فرمائیں:

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ

Marfat.com

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ (البقرۃ ۲:۸۹)

اور اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے، اس کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟ باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی، باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آ گئی، جسے وہ پہچان بھی گئے تو انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت اِن منکرین پر۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۲٦٦، سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۱۱)

ایک کاہن جو مسلمان ہوا

ابن اسحاق نے عبداللہ بن کعب کی ثقاہت بیان کرنے کے بعد ان سے ایک روایت بیان کی جو انھوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے غلام سے سنی تھی۔ اس کے بقول: ''ہم حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مسجد نبویؐ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یمن کے قبیلہ جب (مذحج کی شاخ) سے تعلق رکھنے والا ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ وہ حضرت عمرؓ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کی نظر اس پر پڑی تو انھوں نے کہا: شاید اس شخص نے ابھی تک شرک نہیں چھوڑا اور لگتا ہے کہ یہ دورِ جاہلیت میں کاہن تھا۔ جب یہ شخص مجلس میں آیا تو اس نے السلام علیکم کہا اور بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ھل اسلمت؟ قال نعم یا امیر المؤمنین۔ یعنی کیا تم نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، اے امیر المومنین! پھر آپ نے پوچھا: کیا جاہلیت میں تم کاہن تھے؟ اس نے کہا: سبحان اللہ یا امیر المومنین! آپ نے مجھ سے ایسا سوال پوچھا ہے جو میری رائے میں آپ نے اپنی رعایا میں سے کسی سے کبھی نہیں پوچھا ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے معذرت کرتے ہوئے کہا: اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ ہم سب زمانہ جاہلیت میں بہت بری حالت میں تھے۔ بتوں کے سامنے سجدے کرتے اور اپنے ہاتھوں سے بنائی

Marfat.com

ہوئی مورتیوں سے عقیدت کے طور پر چمٹ جاتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت عطا کی اور اپنے رسول محترم کے ذریعے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا۔ مہمان نے کہا: امیرالمومنین آپ نے درست فرمایا۔ پھر کہنے لگا: آپ کی یہ بات بھی درست ہے کہ میں دورِ جاہلیت میں کاہن تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ پھر بتاؤ تمھارے ساتھی جن نے تمھیں کیا خبریں دیں۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کم وبیش ایک مہینہ قبل وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تمام جن غم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے دین سے یوں مایوس اور بیزار ہوئے ہیں کہ اب رختِ سفر باندھ کر کہیں بھاگ جانا چاہتے ہیں۔'' (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۰۹-۲۱۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابن ہشام نے اس موقع پر ایک اور دل چسپ واقعہ حضرت عبداللہ بن کعب ہی کی زبانی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک مہینہ یا کم وبیش قبل میں نے دیکھا کہ قریش کے ایک شخص نے اپنے بت پر ایک بچھڑا ذبح کیا۔ ہم انتظار میں تھے کہ ہم سب کو گوشت مل جائے۔ اس دوران بچھڑے کے پیٹ سے (گلا کٹنے کے بعد) عجیب وغریب آوازیں آئیں جس میں میں نے دیگر الفاظ کے علاوہ یہ سنا جیسے کوئی لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کہہ رہا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۱۰-۲۱۱)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

حصہ سوم

پیامِ ربانی

Marfat.com

غارِ حرا اور وحی

ریاضت اور خلوت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آپؐ کی اپنی کیفیت اور مختلف شخصیات کو ملنے والے غیبی اشارات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ نبی آخر الزمان کی بعثت کا وقت آ پہنچا ہے۔ جس عظیم رسول کے تذکرے تورات اور انجیل میں تھے، اس کے بارے میں جگہ جگہ مجالس میں بات چیت ہونے لگی تھی۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عرصے میں خلوت میں بیٹھ کر اللہ رب العالمین کی عبادت اور ذکر وفکر میں مشغول ہوگئے۔ آپؐ نے مکہ کے قریب حرا کی پہاڑیوں میں ایک پرامن اور پرسکون مقام غارِ حرا کو اب اپنا مستقر بنالیا۔ سیدہ خدیجہؓ آپؐ کے لیے کھانے پینے کی چیزیں تیار کرتیں اور آپؐ اپنا یہ زادِ سفر لے کر حرا میں تشریف لے جاتے۔ کئی دن راتیں وہیں قیام رہتا۔ جب خوراک ختم ہو جاتی تو آپ گھر واپس آتے، کچھ دن گھر میں قیام اور امور خانہ کے بارے میں معلومات وانتظامات کے بعد پھر اپنی منزل پر چلے جاتے۔

جبریلؑ کی آمد اور پہلی وحی

اس عرصے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب اور بشارتیں ملنے لگیں۔ آخر ایک رات کو آپؐ نے غارِ حرا میں بیداری کی حالت میں ایک روشنی دیکھی۔ اس روشنی کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے منتظر تو تھے لیکن آپؐ اس روشنی کو دیکھ کر سوچنے لگے کہ اس میں سے کیا برآمد ہوگا؟ اچانک آپ کو آواز آئی: اِقْرأ یہ جبریل امین کی آواز تھی جو اللہ کا پیغام آپ تک پہنچانے کے لیے آئے تھے۔

Marfat.com

یہ آغازِ وحی تھا جو بہت مشکل و مشقت طلب مرحلہ تھا۔ آپؐ نے جواب میں کہا: ما انا بقاری۔ یعنی میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر روشنی میں سے دو ہاتھ نمودار ہوئے اور حضرت جبریل نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر خوب بھینچا۔ پھر انھوں نے کہا پڑھو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی جبریل نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے اپنا سینہ ملا کر آپ کو زور کے ساتھ بھینچا۔ اب جو انھوں نے چھوڑا تو آپؐ نے ان کے ساتھ پڑھنا شروع کیا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴿٥﴾ (العلق ۹۶: ۱-۵)

پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمھارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔ (بخاری، حدیث ۴۷۰، مسلم، حدیث ۲۵۲، البدایۃ والنہایۃ، ج ۱ طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۵)

عظیم انقلاب کی بنیاد

پہلی وحی کے مبارک نزول کے وقت اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ اب قسمتِ نوعِ بشر بدلنے والی ہے۔ شیطان اور اس کی تمام ذریت، باطل نظریات اور جملہ طاغوتی افواج شکست و ریخت سے دوچار ہوں گی اور حق بتدریج باطل کو شکست دیتا ہوا فتح مبین کے مقام پر فائز ہو گا۔ اس موقع پر شیطان کے تلملانے کے واقعات بھی معروف مورخین علامہ ابن کثیر، علامہ طبری، مورخ ابن سعد اور سیرت نگار ابن ہشام نے بیان کیے ہیں۔ ہم ان واقعات کا آگے جا کر تذکرہ کریں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل امین کی پہلی بالمشافہ ملاقات تاریخِ انسانی کا عظیم ترین موڑ ہے۔ یہ آیات بیّنات جن کی تکمیل ۱۱۴ سورتوں اور ۶۶۶۶ آیات میں ہوئی، ان کا افتتاح اسی وحی ربانی سے ہوا۔ قرآن پاک کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ہوا:

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ

Marfat.com

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ (الشعرا ۲۶ء: ۱۹۲-۱۹۷)۔

یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے تا کہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق خدا کو) متنبہ کرنے والے ہیں، صاف صاف عربی زبان میں۔ اور اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ کیا ان (اہلِ مکہ) کے لیے یہ کوئی نشانی نہیں ہے کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

دل کی مضبوطی بے مثال، نرمی بے نظیر

آپ اندازہ کیجیے کہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کتنا مضبوط اور طاقت ور تھا۔ جسم کا سب سے نازک حصہ دل ہی ہے۔ لیکن قربان جائیں اس قلب مصطفیٰ پر جس نے وہ بوجھ اٹھالیا، جس کے اٹھانے سے پہاڑ معذور تھے۔ خود قرآن گواہی دیتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ (الحشر ۵۹: ۲۱) اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی حالت پر) غور کریں۔

ایک جانب یہ مضبوطی اور دوسری جانب یہ نرمی کہ کسی دشمن کو بھی تکلیف میں دیکھتے تو تڑپ اٹھتے۔ چڑیا کو پریشان حال دیکھا تو قلبِ مصطفےٰؐ اتنا مضطرب ہوا کہ اس کی دادرسی کے لیے خیمے سے باہر نکل کر صحابہؓ کو بلالیا اور جب تک اس کے بچے اس کے گھونسلے میں رکھوا نہ دیے چین نہ آیا۔ ایک اونٹ کی دردناک شکایت سن کر جی بھر آیا۔ اس کے سر اور گردن پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور پوچھا کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ جب ایک انصاری صحابی نے بتایا کہ وہ اونٹ کا مالک ہے تو فرمایا: اس بے زبان جانور نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ میرا مالک مجھ سے خدمت پوری لیتا ہے اور مجھے خوراک پوری نہیں دیتا۔ کائنات میں یہ دل ایک ہی تھا اور وہ شخصیت یکتا و منفرد تھی جسے سیدالاولین

Marfat.com

والآخرین، قائد المرسلین اور خاتم النبیین بنائے جانے کا فیصلہ تخلیقِ کائنات سے بھی پہلے ہو چکا تھا۔

نزولِ قرآن میں تدریج کی حکمت

نزولِ قرآن کی مدت ۲۳ سال چار مہینے اور چند ایام ہے، ۱۳ سال مکی زندگی اور کم و بیش دس سال مدنی دور۔ اس عرصے میں قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اور نزولِ قرآن کے ساتھ ہی اس کی کتابت، تحفیظ، تفہیم اور تعمیل و تنفیذ کا سلسلہ بھی مسلسل جاری رہا۔ کافروں نے یہ اعتراض کیا کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہے تو ایک ہی بار کیوں نازل نہیں ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کو بھی نقل کیا اور اس کا مُسکت اور حقیقت پر مبنی جواب بھی دیا۔ ارشاد باری ہے:

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚۛ کَذٰلِکَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا ﴿۳۲﴾ (الفرقان ۲۵: ۳۲) منکرین کہتے ہیں: ''اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اُتار دیا گیا؟'' ہاں ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح ہم تمھارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزا کی شکل دی ہے۔

خلوت سے جلوت

پہلی وحی کے نزول کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت کو چھوڑ کر جلوت کا راستہ اختیار کیا۔ جس رہنمائی اور روشنی کی ضرورت تھی وہ اپنے دامن میں سمیٹی اور پھر اسے دنیا کے ہر شخص تک پہنچانے کے لیے کمرِ ہمت باندھ لی۔ نزولِ وحی کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی کیفیت اور اس پر آپ کو اچھی طرح جاننے والی شخصیات کے تاثرات و تبصرے، نیز الہامی کتابوں کا علم رکھنے والے افراد کے افکار و خیالات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ آپؐ حرا سے جب اپنے گھر کی طرف آئے تو فطری طور پر اس بوجھ کی وجہ سے آپؐ پر کپکپی طاری تھی۔ آنے والے مراحل کے حوالے سے تفصیلات اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک معمولی بوریے پر آرام کیا کرتے تھے تاہم اس زمانے کی بہت بڑی طاقت، مملکت ایران کے بادشاہوں کے قیمتی تاج ان کی امت کے پاؤں کے نیچے تھے۔

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

آپؐ نے غارِ حرا میں راتیں گزاریں۔ تلاشِ حق کی جستجو کی، اس جستجو کے نتیجے میں (قرآن مجید کی شکل میں آپؐ نے مسلمانوں کو مرکز توحید پر جمع کر کے) ایک قوم بنائی، اس کا آئین وضع کیا اور ایک اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد
ہمچو او بطنِ اُمِ گیتی نزاد

آپؐ نے دینی تعلیمات کے ذریعے دنیا کے معاملات کو سنوارا، اس طرح گویا انھوں نے دین کی چابی سے دنیا کا دروازہ کھولا۔ آپؐ کی مثل دنیا میں کوئی اور ہستی پیدا نہیں ہوئی (جس نے دین و دنیا کی ہم آہنگی کا یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہو)۔

در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خواں نشست

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک چھوٹے بڑے میں کوئی تمیز نہ تھی یعنی امیر غریب آپؐ کے نزدیک یکساں تھے۔ (اس کا ثبوت آپؐ کی حیات مبارکہ سے ملتا ہے کہ) وہ ذاتِ عالی مقام (اللہ کے برگزیدہ رسولؐ ہونے کے باوجود) ایک ہی دسترخوان پر اپنے غلام کے ساتھ کھانا کھالیتے تھے۔

Marfat.com

دخترک را چوں نبیؐ بے پردہ دید
چادرِ خود پیشِ روے او کشید

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ غیرت منداور شرم وحیا کا مجسمہ تھے۔آپ نے (ایک معرکے میں گرفتار ہوکر آنے والے) قیدیوں میں ایک بنتِ حوا کو بے پردہ دیکھا تو اپنی چادر اتار کراس کے سر پر ڈال دی۔

آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد
مکہ را پیغام لاتثریب داد

آپؐ کی ذاتِ عالی ایک ایسی ہستی تھی جس نے دشمنوں کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے اور جب مکہ فتح ہوگیا تو آپؐ نے ان تمام لوگوں کو جو آپؐ کے خون کے پیاسے تھے، یہ کہہ کر معاف کردیا: لَاتثریب علیکم الیوم۔(یوسف ۹۲:۱۲)

ما کہ از قیدِ وطن بیگانہ ایم
چوں نگہ نورِ دو چشمیم و یکیم

ہم مسلمان کسی خاص وطن کی حدود وقیود کے اسیر نہیں۔ ہماری مثال نگاہ کی طرح ہے کہ اگر چہ دیکھنے کے لیے آنکھیں دو ہیں لیکن ان کی نظر و بصارت ایک ہی ہے۔

از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنمِ یک صبحِ خندانیم ما

ہم مسلمان اگر چہ حجاز، چین اور ایران مختلف سرزمینوں کے رہنے والے ہیں لیکن ہماری حیثیت ایک مسکراتی ہوئی صبح کی شبنم کی مانند یکساں ہے۔(علامہ اقبالؒ، اسرارِ خودی)

علامہ اقبالؒ کے فارسی کلام میں جو اثر آفرینی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بدقسمتی سے آج ہمارے نوجوان قارئین فارسی زبان سے بالکل نابلد ہو چکے ہیں۔ فارسی میں اسلامی ادب کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، مگر اس سے استفادہ اب نسلِ جدید کے لیے ناممکنات میں سے ہے۔ اسی

Marfat.com

مشکل کے پیشِ نظر ہم نے ان اشعار کا ترجمہ ان کے ساتھ نقل کر دیا ہے، مگر ترجمے میں وہ چاشنی وشیرینی کہاں جو اصل کلام میں ہے۔

یوں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر لمحے پر عربی، فارسی، اردو اور دنیا کی دیگر زبانوں میں بے شمار عاشقانِ رسولؐ نے اپنی شعروشاعری میں عقیدت ومحبت کے پھول پیش کیے ہیں، مگر ہم طوالت کے خوف سے یہاں صرف غارِ حرا کے حوالے سے مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی ایک نعت ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ اس کے دو اشعار پہلے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں ''لولاک لما'' کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا، اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
بوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دُکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈ سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

(ارمغانِ نعت، مرتب شفیق بریلوی، ص ۲۰۲)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

وحی ربانی کی کیفیات

نزول قرآن اور صحیح بخاری

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ سید المرسلین اور محسنِ اعظم ہیں۔ آپ کو تاجِ نبوت پہنانے کے لیے جبریل غارِ حرا میں آئے۔ آپؐ پر پہلی وحی صرف پانچ چھوٹی چھوٹی آیات کی صورت میں نازل ہوئی، جو سورۃ العلق کے آغاز میں ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ کچھ عرصہ توقف کے بعد مسلسل ۲۳ سال جاری رہا۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے کیا ہے۔ جو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر سامعین کو سنائی تھی۔ انما الاعمال بالنیّات..........الیٰ ما ھاجر الیہ۔ یعنی تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جو آدمی جیسی نیت کرے گا ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے ان کی جانب ہجرت کی تو اللہ اور اس کے رسول کے راستے کا مہاجر شمار ہوگا اور جس نے دنیا کمانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے اپنا وطن چھوڑا تو اس کی ہجرت اسی کام کے لیے لکھی جائے گی۔ اس باب کا آغاز انھوں کتاب الوحی (وحی بیان) سے کیا ہے۔ آگے کی احادیث وحی سے متعلق ہیں، مگر پہلی حدیث اس نقطۂ نظر سے نیت کے موضوع پر لکھی کہ یہ کام جو انھوں نے شروع کیا اس میں ان کی نیت اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی رضا اور حدیث نبویؐ کی تدوین وحفاظت اور اشاعت تھی۔

ہر نبی کو وحی سے نوازا گیا

اللہ تعالیٰ نے امام بخاریؒ کے اس عمل کو اتنی قبولیت بخشی کہ ان کی یہ کتاب صحاحِ ستہ میں

Marfat.com

پہلے نمبر پر شمار ہوتی ہے، بلکہ اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ۔یعنی کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب کا درجہ مل گیا۔ حدیث لکھنے سے قبل انھوں نے وحی سے متعلق آیات قرآنیہ میں سے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۶۳ منتخب کر کے لکھی ہے۔ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ۔ آیت مذکور اور اس کے بعد کی آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

اے نبیؐ! ہم نے تمھاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی۔ ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔ ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔ ہم نے موسیٰؑ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔ (النساء ۴: ۱۶۳-۱۶۴)

مشکل ترین وحی

اس کے بعد وحی سے متعلق حدیث نمبر ۲ سے مضمون شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے کل چھ احادیث لکھی ہیں۔ سبھی احادیث کافی طویل ہیں، مگر آخری اور چھٹی حدیث تو ہماری رائے میں صحیح بخاری کی طویل ترین حدیث ہے۔ دوسری حدیث کے مطابق امام بخاری نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت بیان کی ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا: اے اللہ کے رسول آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: کبھی تو اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے، جس طرح گھنٹی بج رہی ہو اور یہ وحی مجھ پر سب سے مشکل ہوتی ہے۔ جب فرشتے کا کہا ہوا پیغام ربانی مجھے یاد ہو جاتا ہے تو یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے سامنے آتا ہے، مجھ سے بات کرتا ہے، میں اس کی کہی ہوئی بات کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتی ہیں کہ شدید سردی کے موسم میں آپؐ پر وحی اترتی اور پھر وحی کی تکمیل ہوتی تو میں دیکھتی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

پیشانی سے پسینہ پھوٹ رہا ہوتا۔

زوجۂ محترمہ سے مکالمہ

تیسری حدیث میں بھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ وحی کا آغاز یوں ہوا کہ آپ سوتے میں اچھا خواب (الرؤیة الصالحة) دیکھتے۔ پھر جب آپ بیدار ہوتے تو صبح کی روشنی میں وہی کچھ ظاہر ہو جاتا جو آپ نے خواب میں دیکھا ہوتا۔ اس عرصے میں آپ کو جلوت کے مقابلے میں خلوت بھلی لگنے لگی۔ اسی عرصے میں آپ غارِ حرا میں خلوت میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ متعدد راتیں اور دن وہیں پر گزارتے اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو اپنے گھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس لوٹتے۔ آگے پھر اس طویل حدیث میں اس پہلی وحی کا ذکر ہے، جس میں جبریل امین روشنی کی صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے تھے اور سورۃ العلق سے نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جب آپؐ پہلی وحی وصول کرنے کے بعد واپس گھر آئے تو آپ کانپ رہے تھے۔ آپ نے اپنی اہلیہ سے کہا: میرے اوپر کوئی کپڑا ڈال دو۔ پھر آپ نے خود کو کمبل میں لپیٹ لیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے پورا قصہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کر دیا۔ پھر پورا قصہ بیان کر کے فرمایا: مجھے اپنے بارے میں کچھ خوف محسوس ہو رہا ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں، ناتواں اور بے بس لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور جو محروم ہیں ان کو اپنی کمائی سے حصہ دیتے ہیں۔ مہمان نوازی کا اہتمام کرتے ہیں اور ہر مصیبت زدہ کی مدد کے لیے تیار رہتے ہیں۔

عالم فاضل قریشی بزرگ

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس گئیں۔ وہ عربوں کے درمیان ہمیشہ موحد اور حنیف کے طور پر مشہور رہے۔ عبرانی زبان جانتے تھے اور

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ عبرانی زبان میں لکھ بھی سکتے تھے۔ وہ بوڑھے ضعیف اور آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے میرے چچا زاد بھائی! ذرا اپنے بھتیجے سے اس کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ تو سنیں۔'' جب آپؐ نے پوری بات سنائی تو ورقہ بن نوفل نے کہا کہ اے میرے بھتیجے! یہ تو وہ ناموس ربانی ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا اور اے کاش! میری زندگی وفا کرتی کہ جب تمھاری قوم تمھیں اپنے شہر سے نکال باہر کرے گی تو میں تمھارا ساتھ دیتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے پوچھا کہ کیا میری قوم کے لوگ مجھ کو یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں اللہ کے جس نبی نے بھی یہ پیغام لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے تو لوگ اس کی جان کے دشمن ہو گئے ہیں۔ اگر میں جیتا رہا تو تمھاری مدد کروں گا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد وحی آنے کا سلسلہ کچھ عرصے کے لیے بند ہوگیا۔

اٹھو اور پیغام پہنچاؤ

جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار میں راستے میں جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان سے ایک صدا سنی۔ جب آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھا وہی فرشتہ (جبریل) جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے اوپر رعب طاری ہوا اور میں واپس اپنے گھر آ گیا اور کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ میں اسی کیفیت میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿٢﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿٦﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿٧﴾ (المدثر ۷۴: ۱-۷) اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

اس کے بعد وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا اور وقتاً فوقتاً جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آتے رہے۔

Marfat.com

مکی دور میں نازل ہونے والی قرآنی آیات میں ایمان واخلاق اور ذاتی تربیت پر زور دیا گیا ہے۔ دنیا کی زندگی کی بے ثباتی اور آخرت کی یقینی آمد نیز اللہ کے فرشتوں، انبیائے کرام، کتب مقدسہ، اور زندگی بعد الموت کی تفاصیل مکی دور کے نازل شدہ حصوں میں ملتی ہیں۔ سابقہ انبیا اور ان کی قوموں کے تذکرے، ان پر نازل ہونے والے عذاب کی کیفیت اور اہلِ ایمان کی نجات وبقا کے تفصیلی واقعات بتکرار بیان ہوئے ہیں۔ مدنی دور میں جہاد وقتال اور قوانین کے متعلق جامع اور تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں۔

حدیث نمبر ۴ میں امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے ذہن میں خیال گزرتا کہ اس میں سے میں کوئی چیز بھول نہ جاؤں۔ آپؐ وحی کے نزول کے ساتھ ہی اپنے ہونٹوں کو ہلاتے اور الفاظ کو دہراتے۔ اس پر اللہ نے ارشاد فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ (القیامۃ ۷۵: ۱۶-۱۹) اے نبیؐ، اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے، لہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت اس کی قراءت کو غور سے سنتے رہو، پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ذمے ہے۔

ان ہدایات ربانی کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان سے کلام ربانی سنتے۔ حضرت جبریل جب پوری وحی سنا چکتے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی آسانی سے اس کو اسی طرح پڑھ لیتے اور ساری آیات آپ کے سینے میں محفوظ ہو جاتیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الوحی)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

دعوتِ حق کا آغاز

ورقہ بن نوفل کا قبول اسلام

غارِ حرا تیری قسمت کا کیا کہنا کہ تیری آغوش میں سراجِ منیر کا سینۂ اطہر نورِ قرآنی سے منور ہوا۔ جبریل امین نے سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات کریمہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مصفّٰی پر القا کیں۔ پہلی وحی آنے کے فوراً بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز کر دیا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہ بات بہت معروف ہے کہ آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نزول وحی کا تذکرہ فرمایا۔ انھوں نے آپؐ کی تصدیق کی۔ پھر دونوں میاں بیوی ورقہ بن نوفل کے پاس گئے تو اس بزرگ قریشی نے اپنے علم کی بنیاد پر آپؐ کی نبوت کا اقرار اور اعلان کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اے کاش! اللہ اسے مہلت دیتا اور وہ مشکل لمحات میں اللہ کے نبیؐ کے شانہ بشانہ راہِ حق میں قربانیاں دیتا۔ علما و محدثین اور مفسرین و مورخین نے ورقہ بن نوفل کے بارے میں اپنی اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔ اکثر نے اس کے قبول اسلام کی رائے ظاہر کی ہے۔ یہ درست معلوم ہوتی ہے، کیونکہ احادیث میں اس واقعے کو جس طرح بیان کیا گیا ہے اس میں ورقہ بن نوفل کے خیالات کے بعد کوئی گنجایش نہیں رہ جاتی کہ وہ قبول اسلام سے پیچھے رہ گئے ہوں۔ البتہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بہت قلیل عرصے بعد، بعض روایات کے مطابق انفرادی اور خفیہ دعوت کا کام شروع کرنے سے بھی قبل، ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا تھا، اس لیے عمومی طور پر ان کے اظہارِ اسلام یا قبول اسلام کے بارے واضح طور پر کچھ نہیں لکھا گیا۔

Marfat.com

نماز کا آغاز

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جب آپ پر ایمان لے آئیں تو اسی وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی طریقے کے مطابق نماز پڑھنا شروع کر دی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئیں۔ علی بن ابی طالب جو آپ کے گھر میں پرورش پا رہے تھے، اس منظر کو دیکھ کر آپ سے پوچھنے لگے کہ آپ لوگ یہ کیا کر رہے تھے؟ ان کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین اللّٰہ الذی اصطفٰی لنفسه، وبعث به رسله، فادعوک الی اللّٰہ وحدہ لاشریک له، والی عبادته، وکفر باللات والعزیٰ۔ یعنی یہ اللہ کا دین ہے، جس کو اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ اللہ نے اپنے ہر رسول کو اسی دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ تمھیں بھی میں اللہ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں، وہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں تمھیں لات وعزیٰ کی پوجا کرنے کی بجائے ان کے انکار کی دعوت دیتا ہوں۔ (البدایة والنھایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۰-۴۷۱)

حضرت علیؓ اور زیدؓ کا قبول اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت بالکل نوخیز لڑکے تھے۔ انھوں نے یہ بات سنی تو عرض کیا کہ میں پہلی بار یہ بات سن رہا ہوں۔ اس کے متعلق میرے لیے اپنے طور پر کوئی حتمی فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ میں اپنے والد ابوطالب سے اس بارے میں پوچھوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال گزرا کہ کہیں نوعمر علیؓ بن ابی طالب اس راز کا لوگوں کے سامنے اظہار نہ کر دیں، جسے ابھی اللہ تعالیٰ نے ظاہر کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے آپؐ نے ان سے فرمایا: اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو کوئی بات نہیں لیکن ابھی اس امر کا کہیں اظہار نہ کرنا۔

اس گفتگو کے بعد ایک رات گزری تو اگلے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اللہ نے ان کے دل کو اسلام کے لیے کھول دیا تھا۔ انھوں نے آتے ہی کہا: کل آپؐ نے مجھے جو بات کہی تھی وہ پھر دہرائیے۔ آپؐ نے فرمایا: ہم اس بات کی گواہی

Marfat.com

دیتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ ہم لات وعزیٰ کا انکار کرتے ہیں، تمام جھوٹے خداؤں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ علی بن ابی طالب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے الفاظ اپنی زبان سے دہرائے اور اسلام میں داخل ہو گئے، مگر انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس معاملے کو خفیہ رکھا۔ انھی ایام میں آپؐ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہؓ نے بھی بغیر کسی حیل وحجت کے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت ابوبکرؓ آغوشِ اسلام میں

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اوپر بیان کردہ صحابہؓ یعنی علیؓ اور زیدؓ سے بھی قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال پوچھا: اے محمدؐ! کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: بلیٰ انی رسول اللّٰہ ونبیهٗ، بعثنی لِاُبَلِّغَ رسالته وادعوک الی اللّٰہ بالحق، فواللّٰہ انه للحق ادعوک یا ابابکر الی اللّٰہ وحدهٗ لَاشریک له، ولَا نعبد غیرهٗ والموالَاة علی طاعته۔ یعنی ''ہاں بے شک میں اللہ کا رسول اور نبی ہوں۔ اللہ نے مجھے اپنے دین کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ اے ابوبکر! میں تمھیں بھی اللہ وحدہٗ لاشریک اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دیتا ہوں، وہی معبودِ حقیقی ہے۔ ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کو ہی باہمی دوستی کی بنیاد بناتے ہیں۔'' اس کے بعد آپ نے قرآن کی نازل شدہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ جناب ابوبکرؓ نے بغیر کسی مزید سوچ بچار کے فوراً آپ کی تصدیق کی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر تحسین فرماتے رہے۔ (البدایة والنھایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۲)

بیت اللہ میں نماز

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی آنے سے پہلے بھی صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کرتے تھے۔ وحی آنے کے بعد آپؐ نے باقاعدہ رکوع وسجود کے ساتھ نماز شروع کی۔ آپ عموماً گھر میں نماز پڑھتے تھے لیکن بیت اللہ میں بھی تشریف لاتے اور وہاں بھی نماز پڑھتے۔ ابن کثیر نے مورخ ابن

Marfat.com

اسحاق کے حوالے سے ایک واقعہ لکھا ہے کہ کوفے کے امرا اور تجار میں سے ایک شخص یحییٰ بن عفیف مکہ میں آیا۔ وہ عباس بن عبدالمطلب کا دوست تھا اور انھی کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرا تھا۔ حضرت عباسؓ اسے اپنے ساتھ لے کر بیت اللہ میں آئے تو ان کے مہمان نے دیکھا کہ ایک خوب صورت اور سرخ آنکھوں والا نوجوان بیت اللہ میں داخل ہوا اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ایک جگہ پہ جم کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ایک نوخیز لڑکا آیا اور اس جوان کے داہنی جانب کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک خاتون آئی اور ان دونوں کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اسی دوران یحییٰ بن عفیف نے دیکھا کہ نوجوان گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھ کے جھک گیا۔ وہ لڑکا اور خاتون بھی اس کے ساتھ اسی انداز میں جھک گئے۔ پھر وہ سجدے میں چلا گیا تو انھوں نے بھی اس کے ساتھ سجدہ کیا۔

کوفی تاجر کی گواہی

عباسؓ ابن عبدالمطلب کے مہمان نے ان سے کہا: یہ بہت عظیم کام ہے۔ عباسؓ نے جواب میں کہا: واقعی یہ بہت بڑا اور عظیم کام ہے۔ عباس بن عبدالمطلب نے اس گفتگو کے بعد اپنے مہمان سے پوچھا کہ کیا تم اس نوجوان کو جانتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ عباس نے اسے بتایا کہ یہ میرے مرحوم بھائی عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا محمدؐ بن عبداللہ ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ اس لڑکے اور اس خاتون کو جانتے ہو؟ تو مہمان نے نفی میں جواب دیا۔ انھوں نے کہا: یہ لڑکا میرے دوسرے بھائی ابوطالب بن عبدالمطلب کا بیٹا علی بن ابی طالب ہے اور یہ خاتون میرے بھتیجے محمدؐ کی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد ہے۔ محمدؐ کا دعویٰ ہے کہ پوری کائنات میں اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یحییٰ بن عفیف نے کہا کہ یہ تو کمال کا دین ہے۔ گویا اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ عبادت گزار، سچے اور قابل قدر لوگ ہیں۔

سابقون فی الایمان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی اطلاع جب ان کے والد ابوطالب کو ملی تو انھوں نے پوچھا: اے علی! کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

Marfat.com

یہ سن کر انھوں نے کہا: اچھی بات ہے تم اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ رہو اور ان کی مدد بھی کرتے رہنا۔ ان دنوں حضرت علیؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپؐ ہی کے زیر کفالت تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی انھی دنوں مسلمان ہوئے تھے اور انھوں نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ قبول اسلام میں سبقت کے حوالے سے مردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نام ہیں۔ (البدایة والنہایة، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۳)

ابوبکرؓ داعی اسلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود مسلمان ہوئے تو اپنے حلقۂ احباب میں بھی خاموشی کے ساتھ دعوت کا کام شروع کر دیا۔ آپ کے احباب کا ایک بڑا وسیع حلقہ تھا۔ آپ سے چھوٹی عمر کے نوجوان قریشی آپ کے حسن خلق اور محبت کی وجہ سے آپ سے بہت مانوس تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی کاوش سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے زبیر بن العوام بن خویلد رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ انھی کے ساتھ بنوامیہ میں سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی اسلام کی آغوش میں آ گئے۔ ان کے علاوہ طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کی صورت میں مکہ کا جوہر قابل دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ ان سب نوجوانوں کے ساتھ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ کی مسرت دیدنی تھی۔ (البدایة والنہایة، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۴، سیرة ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۵۰-۲۵۲)

ننھا عمیرؓ اسلام کی گود میں

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے والدین اپنے شرک میں بڑے پکے تھے۔ ان کے والد کا نام مالک بن اُہیب تھا اور کنیت ابووقاص۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی عمیر بن ابی

Marfat.com

وقاص رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ان کے بھائی کی زندگی میں تبدیلی آئی ہے تو ان سے اس بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے والدین سے الگ لے جا کر انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ننھا عمیر بن ابی وقاص اس وقت دس سال سے بھی کم عمر کا تھا۔ اسلام کی دعوت سن کر بہت خوش ہوا اور کہا: اے میرے برادر محترم! کیا میں بھی اس دین میں داخل ہوسکتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: کیوں نہیں۔ چنانچہ انھوں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب ہجرت مدینہ کا موقع آیا تو عمیر بھی اپنے بھائی کے ساتھ چھوٹی عمر میں ہی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ ہجرت کے وقت ان کی عمر بمشکل چودہ پندرہ سال تھی۔ الاستیعاب کے مطابق جنگ بدر میں شرکت کا شوق تھا، مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ تم بہت چھوٹے ہو۔ جب حضرت سعد نے ان کے جذبۂ جہاد کو دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بھائی کو جہاد پر جانے کی اجازت دے دیجیے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں شریک ہوئے اور دشمن سے خوب لڑے۔ سولہ سال کی عمر میں شہادت پالی۔ انھیں قریش کے طاقت ور ترین جنگ جو عمرو بن عبدِ ودّ نے شہید کیا۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۵۴)

غیر مشروط اطاعت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا تو آغاز میں کافروں کی اذیت کے خوف سے مسلمان نمازیں چھپ چھپ کر پڑھتے تھے۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جا کر نماز پڑھنا بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے، کچھ مشرکین مکہ وہاں آنکلے۔ انھوں نے مسلمانوں اور ان کے دین کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بری طرح مذاق اڑایا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان کافروں کو للکارا۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں مرے ہوئے اونٹ کے شانے کی ایک بڑی ہڈی تھی۔ انھوں نے جب ان کافروں پر حملہ کیا تو یہ وہاں سے کھسک گئے تاہم عبداللہ بن خطل لعنتی کے سر پہ انھوں نے ضرب لگائی اور وہ زخمی ہو گیا،

Marfat.com

مگر ان لوگوں کو ہمت نہیں پڑی کہ واپس پلٹ کر حضرت سعدؓ کا مقابلہ کریں۔ یہ تاریخ اسلام میں کفار کا پہلا خون تھا جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے بہایا گیا تھا۔۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا پتا چلا تو آپؐ نے حضرت سعد سے فرمایا کہ اے سعد! اللہ نے ہمیں ہاتھ روکے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ پس آیندہ ہاتھ نہ اٹھانا۔ فاتح فارس نے اس کے بعد مکی زندگی میں کبھی کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا حالانکہ وہ ہر کافر کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہ ہے مکمل اور غیر مشروط اطاعت! (البدایة والنهایة، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۳)

قریش کے چھ اشرار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں کے ظلم کے مقابلے پر ہمیشہ صبر کیا، مگر ان کی خباثتیں حد سے بڑھ گئیں اور ایک مرتبہ عقبہ بن ابی معیط نے مرے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی لا کر آپؐ کی پشت مبارک پر ڈال دی جبکہ آپ بیت اللہ میں حالت سجدہ میں تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ سے وہ اوجھڑی ہٹائی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر لے جا کر آپ کے کپڑے دھوئے۔ اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظالموں کے بارے میں اللہ سے عرض کیا: اللّٰهم علیک بهذا الملاء من قریش۔ یعنی اے اللہ! قریش کے ان سرداروں کو اپنی گرفت میں لے لے۔ پھر آپؐ نے چھ اشرار [عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عمرو بن ہشام (ابو جہل)، عقبہ بن ابی معیط، اُبی بن خلف اور امیہ بن خلف] کے نام لے کر بددعا کی: اللّٰهم علیک بعتبة بن ربیعة، اللّٰهم علیک بشیبة بن ربیعة، اللّٰهم علیک بابی جهل بن هشام، اللّٰهم علیک بعقبة بن ابی معیط، اللّٰهم علیک بابّی بن خلف، اللّٰهم علیک بامیّة بن خلف۔ یہ سب کے سب بدر کے میدان میں تہ تیغ ہو گئے تھے۔ امام احمد نے عمرو بن میمون کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک دن کے علاوہ اپنے ان دشمنوں کے لیے کبھی بھی بددعا نہیں کی۔ (البدایة والنهایة، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۲۔)

Marfat.com

خوددار ابن مسعود

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو ہذیل میں سے تھے۔ مکہ میں چھوٹی عمر میں آئے۔ وہ یتیم اور غریب تھے، مگر اتنے خوددار کہ کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چراتے اور جو کچھ ملتا اس سے اپنا اور اپنی والدہ ام عبد بنت عبدود کے بسر اوقات کا انتظام کرتے۔ ان کے قبولِ اسلام کا واقعہ مورخین نے یوں بیان کیا ہے کہ یہ مکہ کے باہر ایک وادی میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ دونوں کو بھوک اور پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ جب بکریوں کا ریوڑ دیکھا تو نوعمر چرواہے سے کہا کہ کچھ دودھ ہمیں درکار ہے، اس کی قیمت ہم ادا کریں گے۔ لڑکے نے کہا: یہ بکریاں میری نہیں، میں تو مزدوری پر کام کرتا ہوں۔ مالک کی اجازت کے بغیر آپ کو دودھ کیسے دوں؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا اگر کوئی بکری ایسی ہو جو دودھ نہ دیتی ہو تو وہ ہمیں بتاؤ۔ لڑکے نے ہنستے ہوئے کہا: وہ فلاں بکری ایسی ہے جو دودھ نہیں دیتی۔ آپؐ نے فرمایا: کیا ہم اس کا دودھ نکال سکتے ہیں؟ لڑکے کو یہ سن کر تعجب ہوا، مگر اس نے کہا کہ اس کا دودھ نکالنا چاہتے ہیں تو نکال لیں۔

پڑھا لکھا نوجوان

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ آپ نے بکری کے تھنوں پر اپنا دست مبارک پھیرا تو ان کے اندر دودھ اتر آیا۔ لڑکے نے یہ منظر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ پھر بڑے شوق کے ساتھ کہا: عَلِّمْنِیْ مِمَّا عَلَّمَکَ اللّٰہُ۔ یعنی آپ کے پاس جو علم ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ عطا فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا: اِنَّکَ لَغُلَامٌ مُعَلَّمٌ۔ یعنی تم تو پہلے ہی تعلیم یافتہ نوجوان ہو۔ اسی موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا۔ پھر بکریوں کا یہ چرواہا بکریوں کو ان کے مالک کے پاس چھوڑ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آ گیا۔ سبحان اللہ۔ یہی چرواہا امت مسلمہ کا بہت بڑا محسن بنا

Marfat.com

جو صحابہ کے درمیان قرآن وسنت پر ایک سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ انھی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ جو قرآن پاک کو جبریلؑ کے لہجے میں سننا چاہے وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی تلاوت سن لے۔

راہب کی گواہی

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ آغازِ اسلام میں بُصریٰ کی طرف تجارت کے لیے گئے۔ وہاں انھوں نے دیگر لوگوں کے ساتھ ایک عبادت گاہ میں قیام کیا۔ عبادت خانے کے راہب نے ان لوگوں سے پوچھا: اے اہلِ عرب! کیا تمھارے درمیان اہلِ حرم میں سے بھی کوئی شخص موجود ہے؟ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جی ہاں میں خود اہلِ حرم میں سے ہوں۔'' اس نے پوچھا: کیا تمھارے درمیان ایک شخص احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کا اعلان کر دیا ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اگرچہ احمد بھی تھا، مگر آپ زیادہ معروف محمدؐ ہی کے نام سے تھے۔ اس لیے طلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کون احمد؟'' راہب نے وضاحت کی کہ احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ اس پر طلحہ سمجھ گئے کہ اس کی مراد محمد بن عبداللہ ہیں۔ جب انھوں نے کہا کہ ہاں میں اسے جانتا ہوں تو وہ راہب بولا: ''اسی مہینے میں وہ خدا کی طرف سے مبعوث ہونے والے تھے۔ وہ خدا کے آخری نبی ہیں۔ مکہ سے وہ سرسبز وشاداب کھجوروں کی سرزمین کی طرف ہجرت کریں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم ان پر ایمان لانے والے پہلے لوگوں میں شامل ہو گے۔''

روشن ہیرے

طلحہ جب واپس مکہ لوٹے تو اپنے دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں محمدؐ بن عبداللہ نے نبوت کا اعلان کیا ہے اور میں نے ان کی رسالت کی تصدیق کی ہے۔ اس پر طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت وتبلیغ کا کام جاری رہا۔ اوپر بیان کردہ صحابہ کے بعد وہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ عنہ (جن کا پورا نام عامر بن عبداللہ بن جراح ہے)، سعید

Marfat.com

بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ جیسے عظیم نوجوانوں کے پاس گئے۔ یہ سب ان کے معتمد ساتھی تھے۔ ان سب کو انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت اور ان پر اپنے ایمان لانے کی خبر دی تو وہ بھی سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ یہ مکہ کے بہت قیمتی ہیرے تھے، جو اسلام کے دامن میں آگئے۔ ان کے کارناموں سے تاریخ اسلام میں قیامت تک روشنی پھیلتی رہے گی۔ (البدایة والنهایة، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۴)

جنت البقیع کا پہلا مکین

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے دو بھائی قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مظعون بھی حلقۂ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مہاجرین صحابہ میں سے پہلے شخص ہیں جو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ ان کی طبعی وفات میدان بدر سے واپسی پر ہوئی۔ یہ پہلے مہاجر صحابی ہیں جنھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ یہ صاحبِ ہجرتین بھی ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ آپ ایک بڑے خاندان میں سے ہونے کے باوجود زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی شراب کے قریب نہیں پھٹکے تھے۔ ان کا قول ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ وہ کسی کی طرف سے شراب کی دعوت پر فرمایا کرتے تھے: ''لا اشرب شرابا یذهب عقلی ویضحک بی من هو ادنی منی۔ یعنی میں ایسا مشروب بالکل نہیں پیوں گا جس سے میری عقل ماؤف ہوجائے اور جو مجھ سے کم تر لوگ ہیں وہ بھی میرے اوپر ہنسنے لگیں۔'' (سیرة ابن هشام، القسم الاول، ص ۲۵۳)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

قریبی رشتہ داروں کو دعوت

اعزہ واقربا کو دعوت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ انفرادی دعوت کے ساتھ اپنے خاندان اور قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرا دیں۔ حکم ربانی ہے:

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ (الشعراء۲۶: ۲۱۴-۲۲۰)

اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ، اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمھاری پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ، لیکن اگر وہ تمھاری نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اور اس زبردست اور رحیم پر توکل کرو جو تمھیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اٹھتے ہو، اور سجدہ گزار لوگوں میں تمھاری نقل وحرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس حکم کے آنے کے بعد علامہ ابن کثیر کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کے اوپر چڑھ کر سب قبائل کو پکارا اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ہماری رائے میں صفا کا خطاب بعد میں ہوا، پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر پر اپنے خاندان کے لوگوں کو دعوت پر بلایا تھا۔ بہرحال تقدیم وتاخیر کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہم یہاں دونوں واقعات کو ترتیب وار بیان کر رہے ہیں۔

Marfat.com

رشتہ داروں کی ضیافت

قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم ملنے پر آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے علی! ایک ضیافت کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں ہم اپنے خاندان کو اسلام کی طرف بلائیں گے۔ ابن کثیر نے آپ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: يَا عَلِيّ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَمَرَنِىْ أَنْ أُنْذِرَ عَشِيْرَتِيَ الْأَقْرَبِيْنَ فَاصْنَعْ لَنَا يَا عَلِيّ شَاةً عَلٰى صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ، واعدّ لنا عُسَّ لَبَنٍ، ثُمَّ اجْمَعْ لِيْ بَنِيْ عبدِالمطلب۔ یعنی اے علی! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے خوف سے ڈراؤں اور اسلام کی دعوت دوں۔ پس تم کھانے کے لیے ایک برتن میں بکری کا گوشت پکا کر لے آؤ اور دوسرے میں دودھ کا مشروب لے آؤ اور بنوعبدالمطلب کو بلاؤ اور جمع کرو۔ (البداية و النهاية، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۹)

کھانے اور مشروب میں برکت

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے کھانے پینے کا اہتمام کرنے کے بعد اپنے دادا کی اولاد کو بلایا تو تقریباً چالیس یا ایک آدھ کم، زیادہ افراد جمع ہو گئے۔ ان میں خاص طور پر ابوطالب، حمزہ، عباس اور خبیث ابولہب قابل ذکر ہیں۔ میں جو کھانا لایا تھا وہ تقریباً ڈھائی تین سیر کے درمیان ہو گا۔ اسی طرح دودھ کی بھی اتنی ہی مقدار ہو گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سے ایک لقمہ لے کر اپنے دانتوں سے چبایا اور پھر اسے کھانے کے اطراف میں رکھ دیا۔ میں نے جب کھانا دسترخوان پر سجا دیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُلُوا بِسْمِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کا نام لے کر تناول فرمایئے۔ میں نے دیکھا کہ تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اَسْقِهِم یاعلی۔ اے علی! اب مہمانوں کو مشروب پلاؤ۔ میں نے سب کو دودھ پلایا تو سبھی نے سیر ہو کر پیا۔ بخدا یہ ایک معجزہ ہی تھا کیونکہ میں نے اتنے کم طعام اور اتنے قلیل مشروب سے کبھی اتنے لوگوں کو پیٹ بھر کر کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔

جب آپؐ نے ان رشتہ داروں کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنا چاہی تو آپ کا بدبخت چچا

Marfat.com

ابولہب آپؐ کی بات سننے سے پہلے ہی پکار اٹھا۔ لوگو! اس سے بچو، اس نے تم پر جادو کیا ہے جو اتنے کم کھانے سے تم سب سیر ہو گئے ہو۔ اس نے اتنا شور مچایا کہ ساری مجلس کو خراب کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے روز پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آؤ آج پھر اپنے خاندان کی دعوت کریں۔ چنانچہ آپؐ نے مسلسل تین اور بعض روایات کے مطابق چار دن تک یہ سلسلہ جاری رکھا، مگر ہر مرتبہ ابولہب یہ کہتا کہ اس شخص نے تم پر جادو کر دیا ہے، اس سے دور ہو جاؤ۔

اتمامِ حجت

بالآخر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دن اپنی دعوت ان الفاظ میں اہلِ مجلس کو پہنچا دی: یا بنی عبدالمطلب! انی واللّٰہ ما اعلم شابًا من العرب جاء قومَهُ بافضل مما جئتكم به، انی قد جئتكم بامر الدنيا والآخرة۔ یعنی اے بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم میرے علم میں عرب کا کوئی نوجوان ایسا نہیں ہے جو اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر تحفہ اور پیغام لے کر آیا ہو جو میں لے کر آیا ہوں۔ بے شک میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اور کامیابی لے کر آیا ہوں۔

ابولہب کے شور شرابے کے باوجود آپ نے اتمام حجت کر دیا اور پھر اپنی بات میں یہ اضافہ فرمایا: وانی قد جئتكم بخير الدنيا والآخرة، وقد امرنی اللّٰہ ان ادعوكم اليه، فايكم يوازرنی على هذا الأمر على ان يكون اخی۔ میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی کامیابیاں لے کر آیا ہوں اور اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اس کی طرف دعوت دوں۔ اب بتاؤ اس کام میں کون میرا بھائی اور دست و بازو بن کر میری مدد کرے گا۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۰)

چچا لعین بھتیجا مکین

بڑی عمر کے لوگ یا تو ابولہب کے ساتھ مل کر آپؐ کا مذاق اڑا رہے تھے یا خاموش تھے۔ حضرت حمزہ نے بھی ابھی تک اسلام قبول نہ کیا تھا بلکہ انھوں نے دعوت پر زیادہ سنجیدگی سے ابھی

Marfat.com

غور ہی نہ کیا تھا۔ وہ نہ مخالف تھے نہ حامی۔ اس نازک گھڑی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ کے رسول! میری عمر بہت تھوڑی ہے، میری ٹانگیں کمزور ہیں جو کانپ رہی ہیں اور میری آنکھوں میں آشوب ہے، مگر اے اللہ کے نبی! میں اعلان کرتا ہوں کہ میں آپ کا دست و بازو اور وزیر بن کر آپؐ کے ساتھ کھڑا رہوں گا۔ یہ سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی کلائی اپنے دست مبارک میں پکڑ کر پیار بھرے انداز میں فرمایا: یہ میرا سچا اور کھرا بھائی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس کی بات سنا کرو اور اس پر عمل کیا کرو۔ یہ سن کر ابولہب اور دیگر لوگوں نے تمسخر اڑاتے ہوئے جناب ابوطالب سے کہا: سنو ابوطالب! تمھیں حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے اس ننھے ناسمجھ بیٹے کی سمع واطاعت میں لگ جاؤ۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۰)

ابولہب پر اس کی خباثتوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی حق پرستی کی بدولت بہت بلند مقام عطا فرمایا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی اور ان کے مناقب میں ارشاد فرمایا: علی، اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو علی سے محبت ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۲) پھر تاریخ گواہ ہے کہ دعوتِ حق کے اس کٹھن اور مشکل کام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس چھوٹی عمر میں کیے گئے اپنے اعلان کو سچ کر دکھایا۔ کوئی موقع ایسا نہیں آیا جب جان کی بازی لگانا پڑی تو وہ ذرہ برابر بھی ہچکچائے ہوں۔ جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ گرا، وہاں شیر خدا نے اپنا خون گرایا۔ رضی اللہ عنہ وکرّم اللہ وجہہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی دور میں اپنے خاندان کے لوگوں سے پوچھا کہ اگر میں راہِ حق میں اپنی جان قربان کر دوں اور میرے ذمے کسی کا کوئی قرض ہو تو کون ادا کرے گا اور میرے اہل وعیال کی سرپرستی کون کرے گا؟ اس پر آپؐ کے رشتہ داروں میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ یہ

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اسلام اور پیغمبر اسلامؐ سے بے پناہ محبت وعقیدت کا ثبوت ہے حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کے مطابق وہ بہت کم عمر تھے اور ان کے پاس کوئی دولت اور سرمایہ نہیں تھا۔ فی الحقیقت اسلام ہی ان کا سرمایہ تھا اور ایمان ان کی دولت اور اس سے بڑے سرمائے اور دولت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایک موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا:

عن حبشی بن جنادہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی منی وانا من علی ولا یودی عنی الّا انا او علی۔ حضرت حبشی بن جنادہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی میرا ہے اور میں علی کا ہوں اور اپنی طرف سے میں خود ادائیگی کروں گا یا علی کرے گا۔ (ترمذی، کتاب المناقب، ابن ماجہ، افتتاح الکتاب، فضل علی بن ابی طالب، مسند احمد)

وعظ ونصیحت اور تربیت

قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے اپنے گھر پر دعوت کا اہتمام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے بالکل ابتدائی دور میں کیا تھا۔ لیکن اس آیت کو جب بھی آپ پڑھتے تو آپؐ پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اپنے خاندان کے لوگوں کے سامنے خطاب فرمایا: یا فاطمة بنت محمدؐ، یا صفیة بنت عبدالمطلب، یا عباس بن عبدالمطلب یا بنی عبدالمطلب لا املک من اللہ شیئا سلونی من مالی ماشئتم۔ (مسلم)۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بنی عبدالمطلب کو عمومی طور پر اور اپنے تین قریب ترین رشتہ داروں بیٹی فاطمہؓ، پھوپھی صفیہؓ، چچا عباسؓ کے نام لے کر خصوصی طور پر فرمایا کہ قیامت کے دن میں کسی معاملے پر قادر نہیں ہوں گا (یعنی تمھارے اعمال تمھارے کام آئیں گے)۔ رہا دنیا کا مال ودولت تو میرے پاس جو کچھ بھی ہے تم مانگو گے تو میں تمھیں دوں گا۔ (البدایة والنہایة، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۹)

Marfat.com

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور کا خطاب ہے جبکہ آپ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے تھے اور آپ کی تینوں صاحب زادیاں حضرت زینب بنت محمدؐ، حضرت رقیہ بنت محمدؐ اور حضرت ام کلثوم بنت محمدؐ رضی اللہ عنہن وفات پا چکی تھیں۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری سالوں کی بات ہے۔ اس مثال نبویؐ میں ہمارے لیے بڑا درس ہے کہ اپنے اعزہ واقربا کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے بھرپور کوشش اور تذکیر وتربیت زندگی بھر جاری رکھنی چاہیے۔ ساتھ ہی اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اعزہ واقربا میں جو امداد کا مستحق ہو، استطاعت بھر اس کے ساتھ دل کھول کر مالی تعاون کرنا چاہیے۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

دعوتِ حق کا ابتدائی دور

دارِارقم میں اجتماع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ تھوڑے ہی سہی، مگر جو لوگ ابتدا میں اسلام کے دامن میں آ رہے تھے ان میں سے ہر ایک انتہائی قیمتی ہیرا تھا۔ کچھ عرصے تک آپؐ کے صحابہؓ کی تعداد تیس، چالیس کے درمیان پہنچ گئی۔ اسی دور کی بات ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ان نفوسِ قدسیہ نے ایک اجتماع کیا۔ غالباً یہ حضرت ارقم بن ابی ارقم کا گھر تھا، جہاں یہ مبارک اکٹھ ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جوشِ ایمان کے تحت کہا کہ یارسول اللہ! اب ہمیں کھل کر اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا: یَا اَبَا بَکْرٍ اِنَّا قَلِیْلٌ یعنی اے ابوبکر! ہم تعداد میں ابھی بہت تھوڑے ہیں۔ اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ فی الحال ہم خاموشی سے اپنی دعوت لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار اس بات پر اصرار کرتے رہے تا آنکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو ٹھیک ہے، آپ لوگ بیت اللہ میں جا کر نماز ادا کیا کریں، لیکن سب ایک جگہ نہیں، بلکہ مختلف مقامات پر۔ چنانچہ مسلمان دس دس کا اسرہ (خاندان) بنا کر حرم کی طرف نکلے اور اپنی اپنی ٹولیوں میں مسجد کے مختلف کونوں میں بیٹھ گئے۔

حرم میں پہلا دعوتی خطاب

ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ایک تقریر فرمائی۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے قریب ہی تشریف فرما تھے۔ حرم شریف میں دعوتِ اسلام کے

Marfat.com

حوالے سے یہ پہلا خطاب تھا۔ اس کی پاداش میں کفار آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ سب مسلمانوں کو زدوکوب کیا، لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر نشانۂ انتقام بنایا۔ عتبہ بن ربیعہ اس حملے میں سب سے پیش پیش تھا۔ مسلمانوں کو ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا ورنہ اس روز سرزمین حرم خون میں نہا جاتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنوتیم کے لوگوں نے سنا تو وہ دوڑ کر آئے۔ یہ لوگ مسلمان نہیں تھے اور یوں بھی یہ قبیلہ چھوٹے قبائل میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنی خاندانی عصبیت کی بنیاد پر کفار کے مقابلے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حمایت کی۔ طاقت ور قریشی سرداروں نے بنوتیم کے ان لوگوں کو بھی مارا پیٹا۔ تاہم وہ ان کا مقابلہ کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چادر میں لپیٹ کر ان کے گھر لے گئے۔ شہر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خبر پھیل گئی کہ ان کو کفار نے قتل کر دیا ہے۔ بنوتیم کے لوگ بیت اللہ میں آئے اور انھوں نے کہا: واللہ لِئَنْ مات ابوبکر لنقتلن عتبة بن ربيعة۔ یعنی خدا کی قسم! اگر ابوبکر ان زخموں سے فوت ہو گیا تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ شام کو بنوتیم کے لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی خبر گیری کے لیے جا رہے تھے۔

شمعِ رسالت کا پروانہ

بنوتیم کے لوگوں نے دیکھا کہ ابوبکر اگرچہ بے ہوش ہیں، مگر ان کی سانس چل رہی ہے۔ انھوں نے اپنے لعاب اور منہ میں آنے والے پانی سے ان کے زخموں کو تر کرنا شروع کیا۔ غالباً عربوں کے ہاں لعاب دہن کو اینٹی سیپٹک (Anti Septic) اور اینٹی بائیوٹک (Anti Biotic) سمجھا جاتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں پھر آپؓ کے ہونٹ ہلے اور سب سے پہلے آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں؟ اہلِ خانہ اور بنوتیم کے دیگر لوگوں نے کہا کہ تمھیں اپنی فکر نہیں تم محمدؐ بن عبداللہ کے بارے میں فکرمند ہو۔ آپ کے اصرار پر لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ خیریت سے ہیں۔ حضرت

Marfat.com

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ نے تھوڑا تھوڑا کر کے کچھ کھلانا چاہا تو انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے اپنی والدہ سے عرض کیا: امی جان! آپ ام جمیل بنت خطاب کے پاس چلی جائیں اور ان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال معلوم کریں۔ وہ ام جمیل کے پاس گئیں تو وہ کہنے لگیں: میں نہ تمھارے بیٹے کو جانتی ہوں نہ محمدؐ بن عبداللہ کو۔ ویسے میں تمھارے احترام میں تمھارے بیٹے کی عیادت کے لیے تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔

خدمتِ اقدس میں حاضری

جب ام جمیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو ان کی حالت کے باوجود ان کی اپنے حبیبؐ کے بارے میں فکرمندی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور وعدہ کیا کہ وہ جا کر رسول اللہ کی خیریت کسی سے دریافت کریں گی اور آپ کو اطلاع دے دیں گی۔ چنانچہ انھوں نے آ کر بتایا کہ محمدؐ بن عبداللہ بالکل خیریت سے ہیں اور دارِ ارقم میں مقیم ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ انھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا جائے۔ اس زخمی حالت میں ان کے اصرار پر آپ کی والدہ اور ام جمیل انھیں اپنے ساتھ لے کر دارِ ارقم پہنچیں۔ اس دوران ام جمیل کے دل میں بھی اسلام کی محبت پیدا ہوگئی اور اس نے کہا: وَاللّٰهِ اِنَّ قَوْمًا نَالُوْا هٰذَا مِنْكَ لَاَهْلُ فِسْقٍ وَكُفْرٍ وَانی لَاَرْجُوْا اَنْ يَّنْتَقِمَ اللّٰهُ لک منهم۔ یعنی جن بدکار لوگوں نے آپ کو بلاوجہ زخمی کیا، وہ اہل فسق و کفر ہیں مجھے یقین ہے کہ اللہ ان سے آپ کا انتقام ضرور لے گا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ا، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۴)

مقدس بوسے

جب یہ دونوں خواتین دارِ ارقم میں پہنچیں تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیریت دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور آپ کو سینے سے لگایا۔ پھر آپ کا ماتھا چوما اور آپ کی آنکھوں

Marfat.com

سے بے ساختہ آنسو نکلنے لگے۔ اس منظر کو دیکھ کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شدید رقت طاری ہوگئی اور سب رونے لگے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اور چہرے کو چومنے لگے۔ یہ مقدس بوسے دنیا و مافیہا سے کہیں زیادہ قیمتی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول! مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہے کہ کفار میرے سامنے آپ کو برا بھلا کہتے رہے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لیے راستے کھولے گا۔

نیک نہاد منبعِ خیر

حسن اتفاق ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کی کوکھ سے جنم لیا جن کا نام اور لقب دونوں پاکیزہ تھے۔ نام بَرّہ تھا یعنی نیک، نیک نہاد، نیکی پسند اور عرف ام الخیر تھا یعنی سرچشمۂ نیکی و خیر۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میری والدہ، برّہ ہیں (وہ ام الخیر کے نام سے معروف تھیں)۔ آپ انھیں اسلام کی طرف دعوت دیجیے اور اللہ سے دعا بھی کیجیے کہ آپؐ کی دعا سے اللہ انھیں دوزخ کی آگ سے نجات عطا فرمادے۔ فَدَعَا لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَاهَا اِلَى اللّٰهِ فَاَسْلَمَتْ ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ابی بکر کے حق میں اللہ سے دعا کی، پھر انھیں دین حق کی طرف دعوت دی تو انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (البدایة والنهایة، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۴)

قسم کا پاس اور گھر واپسی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ کا قبول اسلام حضرت ابوبکر کے لیے تو باعث مسرت و اطمینان تھا ہی خود نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبول اسلام سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی والدہ اور ام جمیل بنت خطاب کے ساتھ واپس اپنے گھر آگئے اور اس اطمینان کے بعد کہ آپؐ بخیریت ہیں، کچھ کھایا پیا۔ اس سے قبل جب انھیں کھانے کے لیے کوئی چیز

Marfat.com

پیش کی جاتی تو وہ کہتے: فَاِنَّ وَاللّٰهِ عَلَیَّ اَنْ لَّا اَذُوْقَ طَعَامًا وَّلَا اَشْرَبُ شَرَابًا حَتّٰی اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یعنی خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہ کوئی چیز کھاؤں گا، نہ کچھ پیوں گا جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ لوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد ہی انھوں نے کھانے پینے کی کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس واقعہ کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ایک ماہ تک اپنے انتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دارِ ارقم میں مقیم رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلام کی قوت کے لیے ایسے اسباب فراہم کیے کہ دشمنانِ اسلام پر ہیبت طاری ہوگئی۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۴)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

کوہِ صفا پر دعوتِ حق

جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں، صفا کا خطاب اس وقت ہوا جب آپؐ پر سورۃ الحجر کی آیات نازل ہوئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ہانکے پکارے دعوت پہنچا دو

فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ (الحجر ۱۵: ۹۲-۹۸)

قسم ہے تیرے رب کی! ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ پس اے نبیؐ! جس چیز کا تمھیں حکم دیا جا رہا ہے اسے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروا نہ کرو۔ تمھاری طرف سے ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں۔ عنقریب انھیں (اپنے کرتوتوں کے انجام کا) پتا چل جائے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں ان سے تمھارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے۔ (اس کا علاج یہ ہے کہ) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس کی جناب میں سجدہ بجا لاؤ۔

یا صباحاہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اس حکم پر کوہِ صفا کی طرف آئے اور اس کے اوپر چڑھ کر

Marfat.com

بلند آواز سے پکارا: یا صباحاہ۔ عربوں کے ہاں یہ معروف طریقہ تھا کہ جب کسی اہم خبر سے لوگوں کو مطلع کرنا ہوتا یا کسی خطرے کی اطلاع دینی ہوتی تو یہ لفظ بولتے۔ بلند آواز سے یا صباحاہ کہنے کے بعد آپ نے پکارا۔ اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی لوی! (یہ تین نام جو آپ نے لیے تو گویا اپنے دادا سے آپ شروع ہوئے اور پھر اوپر کی پشت میں اپنے جد امجد فہر کا نام لیا اور پھر اس سے بھی اوپر لوی کا نام پکارا۔ گویا تمام قریش کے قبائل اس پکار کے مخاطب تھے۔) چنانچہ آپ کی پکار سن کر سب لوگ جمع ہو گئے۔ آپ صفا کے اوپر کھڑے تھے، سب لوگ صفا کے نیچے گوش بر آواز تھے۔

داعی اور دعوت

اس موقع پر آپؐ نے دعوت پیش کرنے سے پہلے خود اپنے آپ کو مجمع عام کے سامنے پیش کیا۔ گویا داعی کی ذات اور کردار، دعوت کی زندہ مثال ہونی چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے تمھارے درمیان زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے، کیا تم نے مجھے سچا پایا ہے یا جھوٹا؟ سب پکار اٹھے ہم نے آپ کو سچا اور امانت دار پایا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ پہاڑ کی پرلی جانب ایک بہت بڑا لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا: اگرچہ ہمیں ایسا کوئی لشکر نظر نہ بھی آئے لیکن آپ کہیں تو ہم تصدیق کریں گے کیونکہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔ یعنی میں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے کے لیے تمھاری طرف بھیجا گیا ہوں کہ تم اس سے بچ جاؤ۔ اس موقع پر بھی ابولہب لعین نے بڑے شدید ردِّعمل اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: تبًّا لک سائر الیوم اما دعوتنا الّا لھذا؟ یعنی دن بھر تمھارے اوپر بربادی چھائی رہے۔ اس (فضول کام) کے لیے تم نے ہمیں یہاں جمع کیا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۷۹، طبقات ابن سعد، ج۱، ص ۱۹۹-۲۰۰)

Marfat.com

دشمن کا جواب خود خدا کی زبانی

اس کے جواب میں خُلقِ عظیم کے مالک اور بہت حوصلے والے رسولِ خدا نے کوئی جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا، مگر کائنات کے خالق اور مالک، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابولہب کا نام لے کر اس پر لعنت کی۔ آپ کے بڑے بڑے مخالفین اس دور میں موجود تھے۔ ان میں سے کئی ایک کا نام لیے بغیر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی مذمت کی ہے۔ مفسرین نے ان تمام مقامات پر اپنی تفاسیر میں جو حاشیے لکھے ہیں ان میں آپ کے ان مخصوص دشمنوں کے ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ واحد شخص جس کا نام لے کر قرآن میں اس کی تباہی و بربادی اور اس کے لعنتی و جہنمی ہونے کا تذکرہ آیا ہے وہ یہی بدبخت ہے۔ ویسے ولید بن مغیرہ، عمرو بن ہشام (ابوجہل)، نضر بن حارث، عاص بن وائل اور بعض دیگر کفار پر بھی لعنت بھیجی گئی ہے، مگر قرآن کے الفاظ میں ان کا نام مذکور نہیں ہے۔ اس دشمن اسلام کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥
(اللھب ۱۱۱:۱-۵)

ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہوگیا وہ۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اس کے ساتھ) اس کی جورُو بھی، لگائی بجھائی کرنے والی، اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔

بدترین دشمنان کا تذکرہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں مکہ کے سبھی کفار سرگرم تھے۔ تاہم کچھ لوگوں کو آپ سے بہت زیادہ عناد تھا۔ مورخین نے ان کے نام بھی لکھے ہیں۔ یہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد بھی کرتے تھے، آپ کے خلاف پراپیگنڈا بھی کرتے اور من گھڑت الزامات بھی لگاتے تھے اور آپ کو جسمانی اذیت پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ بدترین دشمنوں کے جو نام

Marfat.com

بیان ہوئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ شدید دشمن اکیس افراد تھے:

۱۔ابوجہل، عمرو بن ہشام	۲۔ابولہب بن عبدالمطلب
۳۔الاسود بن عبدیغوث	۴۔الحارث بن قیس بن عدی
۵۔الولید بن المغیرہ	۶۔ابوسفیان صخر بن حرب
۷۔امیہ بن خلف	۸۔ابی بن خلف
۹۔ابوقیس بن الفاکہ ابن المغیرہ	۱۰۔العاص بن وائل
۱۱۔النضر بن الحارث	۱۲۔منبہ بن الحجاج
۱۳۔زہیر بن ابی امیہ	۱۴۔السائب بن صیفی بن عابد
۱۵۔الاسود بن عبدالاسد	۱۶۔العاص بن سعید بن عاص
۱۷۔عقبہ بن ابی معیط	۱۸۔العاص بن ہاشم
۱۹۔ابن الاصدی الہذلی	۲۰۔الحکم بن ابی العاص
۲۱۔عدی بن الحمراء	

ولید بن مغیرہ

ان میں سے سب سے زیادہ دشمنی ابوجہل، ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط کی طرف سے رونما ہوتی تھی، جبکہ عتبہ، شیبہ اور ابوسفیان بھی دشمن تو تھے، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیگر قریشی سرداروں کی طرح بدگوئی اور گستاخی نہیں کرتے تھے۔ علامہ ابن کثیر کے مطابق ولید بن مغیرہ ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ نے اس کے سامنے قرآن کی کچھ آیات بھی تلاوت کیں۔ وہ ان آیات سے متاثر ہوا۔ جب ابوجہل کو اپنے چچا کے بارے میں یہ احساس ہوا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے تو اس کے پاس گیا اور اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک لمبی گفتگو کی۔ ولید کی کئی کیفیتیں تاریخ میں بیان ہوئی ہیں۔ اس نے

Marfat.com

ابوجہل کے ملامت پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کرلی۔ وہ بڑا مال دار انسان تھا اور مال خرچ بھی کرتا تھا۔ جب اس کی رائے میں تبدیلی آئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی زمانے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کوتسلی دی کہ آپ کسی کی کوئی فکر نہ کریں اپنا کام دلجمعی سے جاری رکھیں۔ ارشاد باری ہے:

مال واولاد کا فتنہ

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ (المدثر ۷۴: ۱۱-۳۰)

چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے پیدا کیا، بہت سا مال اس کو دیا، اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیے، اور اس کے لیے ریاست (سرداری) کی راہ ہموار کی، پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔ میں تو اسے عن قریب ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔ ہاں، خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر (لوگوں کی طرف) دیکھا۔ پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا، پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر جادو جو پہلے سے چلا آرہا ہے، یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔ عن قریب میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے دوزخ؟ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے۔ کھال جھلس دینے والی۔ انیس کارکن اس پر مقرر ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۹۲-۴۹۳)

Marfat.com

خبیث ہمسائے سوہانِ روح

جن اکیس کفار کے نام اوپر مذکور ہیں ان میں سے صرف دو افراد کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی اور یہ ہیں ابوسفیان بن حرب اور الحکم بن ابوالعاص۔ یہ خوش نصیب صحابہ کی پاکیزہ صف میں شامل ہو گئے اور ان کے سارے سابقہ گناہ دُھل گئے۔ ان افراد میں سے دو آپ کے دائیں اور بائیں جانب رہنے والے پڑوسی تھے اور وہ آپؐ کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كنت بين شرِّ جارين، بين ابى لهب وعقبة بن ابى معيط۔ یعنی میرے دو بدترین ہمسائے جن کے درمیان میرا گھر تھا، ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: یہ اتنے خبیث تھے کہ پاخانہ اور غلاظت اور دیگر ناپاک چیزیں لا کر میرے دروازے کے سامنے پھینک دیتے تھے۔ پھر میں انھیں وہاں سے ہٹاتا اور کہتا: يا بنى عبدمناف ایُّ جوار هذا۔ اے بنی عبدمناف! یہ کیسا حقِ ہمسائیگی ہے؟ (طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۲۰۰-۲۰۱)

داعیانِ دعوتِ حق

سورۂ الحجر اور سورۂ الشعراء کے ان احکام کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ اور ظاہری دونوں طریقوں سے دعوت پہنچانے لگے۔ آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر صحابہ خاموشی سے اپنے جاننے والوں کے درمیان دعوت حق کا کام کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بیشتر صحابہ کا طریقۂ دعوت خفیہ تھا۔ اسی طرح سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی بڑی محنت کر رہے تھے، مگر خاموشی کے ساتھ۔ البتہ تین صحابہ عمر بن خطاب، حمزہ بن عبدالمطلب اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم خفیہ دعوت بھی پہنچاتے تھے اور موقع محل کے مطابق اس کا علانیہ اظہار بھی کرتے تھے۔ ان پر ہاتھ اٹھانے کی کسی مائی کے لعل میں ہمت نہ تھی۔ (طبقات ابن سعد، ج ا، ص ۲۰۰)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

بد بخت جوڑا

بیٹیوں کا دُکھ

ابولہب کا تذکرہ پچھلے باب میں بھی ہوا ہے۔ یہ شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی دشمنی کا مظاہرہ کرتا تھا کہ باقی سب اس کے مقابلے میں ہیچ تھے۔ یہی نہیں اس کی بیوی بھی اپنی بدبختی اور شقاوت میں تمام حدیں پھلانگ جاتی تھی۔ آغازِ نبوت سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے منسوب تھیں۔ بعض روایات کے مطابق نکاح بھی ہو چکے تھے، مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو ابولہب اور اس کا پورا گھرانہ آپ کا بدترین دشمن بن گیا۔ ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں۔ انھوں نے نہ صرف طلاق دی بلکہ عتیبہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید گستاخی بھی کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹیوں کی وجہ سے اس موقع پر شدید صدمہ پہنچایا گیا۔ ہر بیٹی کے والدین اس دکھ کا بخوبی احساس کرسکتے ہیں، مگر رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم صبر کا بحرِ بیکراں تھے۔ یہ واقعہ تفاسیر، تاریخ اور احادیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔ (تفہیم القرآن، جلد ۶ تفسیر سورۃ اللھب، ص ۵۲۲)

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ

ابولہب اور اس کی بیوی باؤلے کتے کی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگے رہتے تھے۔ سورۂ لہب میں دونوں میاں بیوی کی تباہی و بربادی کا اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ فرمایا ہے۔ ان پر قیامت کے دن تک لعنت بھیجی جاتی رہے گی۔ اس واقعہ کی تفصیلات تو بہت ہیں، مگر ہم مختصر طور پر

Marfat.com

چند باتیں یہاں پر نذرِ قارئین کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ اللّھب نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی امّ جمیل بن حرب بہت سیخ پا ہوئی۔ وہ غصے کی حالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھا اور وہ گاتی آ رہی تھی:

مُذَمَّمًا اَبَیْنَا
وَ دِیْنَہٗ قَلَیْنَا
وَ اَمْرَہٗ عَصَیْنَا

نقلِ کفر کفر نباشد۔ وہ کم بخت اللہ کے نبیؐ کی ہجو میں کہہ رہی تھی۔ ''جس شخص کی مذمت کی جاتی ہے (نعوذ باللہ) ہم نے اس کا انکار کر دیا ہے، ہم اس کے دین کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہم اس کے حکم کو ٹھکراتے ہیں۔''

آنکھیں اندھی ہو گئیں

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس دشمنِ خدا کو آتے ہوئے دیکھا تو کہا: ''یارسول اللہ! یہ بدبخت آ رہی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ آپؐ پر ہاتھ اٹھائے گی اور گستاخی کرے گی۔'' آپؐ نے فرمایا: ''فکر نہ کرو وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی'' اور آپؐ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں ارشاد فرمایا ہے: ''اے نبیؐ! جب آپ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں تو ہم آپؐ کے درمیان اور منکرینِ آخرت کے درمیان واضح پردہ حائل کر دیتے ہیں۔'' [بنی اسرائیل ۱۷:۴۵]

امّ جمیل بڑھتی ہوئی آئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''ابوبکر! تمھارا ساتھی کہاں ہے؟ اس نے میری ہجو کہی ہے۔'' ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برجستہ جواب دیا: ''اس بیت اللہ کے مالک کی قسم! میرے ساتھی نے تیری ہجو بالکل نہیں کہی۔'' یہ سن کر وہ پلٹی۔ حضور صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم تو اسے دکھائی ہی نہ دیے اور وہ یہ کہتی ہوئی گھر لوٹی: ''قریش اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی غلط بیانی نہیں کی کیونکہ اس کی ہجو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، بلکہ ربّ کعبہ نے خود کی ہے۔

گستاخیِ رسول ناقابلِ معافی جرم

ابولہب کے بیٹے عتیبہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو گستاخی کی اس کا تذکرہ بھی سیرت کی کتابوں میں تفصیلاً آیا ہے۔ ابن عساکر نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ اس کے راویوں میں عثمان بن عروہ بن زبیرؒ ہیں۔ انھوں نے یہ واقعہ اپنے والد عروہؒ سے سنا اور انھوں نے ہبار بن اسودؓ سے سنا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ابولہب اور اس کا بیٹا تجارت کے لیے ملک شام کی جانب روانہ ہوئے۔ میں نے بھی ان کے ساتھ رخت سفر باندھا۔ سفر پر روانگی سے قبل عتیبہ نے کہا: ''بخدا میں محمد کے پاس جاؤں گا اور اس کے رب کے بارے میں اس کے عقائد کی وجہ سے اسے ضرور اذیت پہنچا کر رہوں گا۔'' اس کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: ''اے محمد! میں اس کا انکار کرتا ہوں جس کے بارے میں تم کہتے ہو: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴿۹﴾ [النجم ۵۳: ۸،۹]۔ وہ قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔''

اس بدبخت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درشت کلامی اور گستاخی کے علاوہ ایک اور بہت بڑا جرم کیا کہ چہرۂ انور کی طرف تھوکا، مگر وہ ناپاک تھوک وجہِ اطہر پہ گرنے کی بجائے دور جا گرا۔ اس کی گستاخی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: ''اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ'' یعنی اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دے۔

شیروں کا گڑھ

عتیبہ اپنے خیال میں بڑا کارنامہ سرانجام دے کر اپنے باپ کے پاس آ گیا۔ ابولہب نے پوچھا: ''پیارے بیٹے! تو نے اسے کیا کہا؟'' اس نے بتایا کہ میں نے یہ اور یہ کہا۔ اس نے پوچھا:

Marfat.com

''اس پر محمد نے کیا کہا؟'' عتیبہ نے بتایا کہ اس نے یہ بد دعا دی ہے (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے)۔ یہ سنتے ہی ابولہب کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا: ''اے بیٹے! خدا کی قسم، اس کی بد دعا سے میں تمھیں محفوظ نہیں سمجھتا۔'' ہبار مزید بیان کرتے ہیں کہ ہم سفر شام کے لیے روانہ ہوئے اور ابراہ کے مقام پر ہم نے قیام کیا۔ وہاں ایک گرجا گھر تھا، اسی میں ہم اترے۔ گرجا گھر کے پادری نے ہم سے کہا: ''عرب بھائیو! تم یہاں کیسے آ نازل ہوئے ہو، یہ تو بڑی خطرناک جگہ ہے، یہاں شیر یوں گھومتے پھرتے ہیں جیسے عام علاقوں میں بکریاں!''

گستاخ کا انجام

یہ سن کر ابولہب کے اوسان خطا ہو گئے اور اس نے ہم سے کہا: ''تم جانتے ہو کہ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ میرے مقام و مرتبے سے بھی تم واقف ہو اور میرے تم پر جو حقوق ہیں ان سے بھی بے خبر نہیں ہو۔ اس شخص (محمد رسول اللہ ﷺ) نے میرے بیٹے کو بد دعا دی ہے، جس سے میں سخت فکر مند ہوں۔ پس تم سارا سامان اس گرجا گھر کے صحن میں جمع کر دو اور اس کے اوپر میرے بیٹے کا بستر لگا دو۔ پھر اس سامان کے ارد گرد تم سب سو جاؤ۔'' ہبار کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ رات جب سو گئے تو جنگل سے شیر آیا۔ ہم سب کے چہروں کو اس نے سونگھا مگر کسی کو کچھ نہ کہا۔ پھر سامان کے بلند ڈھیر پر چڑھ گیا، عتیبہ کے چہرے کو سونگھا اور اسے چیر پھاڑ دیا، پھر اس کا سر کھول دیا۔ ابولہب کا برا حال تھا اور وہ کہے جا رہا تھا: ''میں جانتا تھا میرا بیٹا محمد کی بد دعا سے کبھی نہیں بچ سکے گا۔'' جنگل کا شیر خالقِ ارض و سما کے حکم کا پابند تھا، اس نے اپنا کام کر دکھایا اور خالق کے باغی کچھ نہ کر سکے۔

بدکرداروں کا انجام

عتیبہ، ابولہب اور اس کی بیوی تینوں کا بہت برا انجام ہوا۔ ابولہب چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوا اور گل سڑ کر مر گیا۔ اس کی لاش تین دن تک پڑی رہی کوئی اس کے قریب نہ پھٹکتا تھا۔ لوگوں کو ڈر تھا کہ جو قریب جائے گا اسے چھوت کی وہی بیماری لگ جائے گی جس سے وہ مرا ہے۔ جب بدبو

Marfat.com

پھیل گئی تو لوگوں نے اس کے اہل وعیال کو عار دلائی۔ اس پر انھوں نے ان طعنوں سے تنگ آ کر کچھ حبشیوں کو اجرت دے کر اس کی لاش اٹھوائی جنھوں نے اسے لمبی لکڑیوں پر رکھ کر ایک گڑھے میں پھینکا اور اوپر سے دور کھڑے ہو کر یوں پتھر پھینکے جیسے اسے رجم کیا جا رہا ہو۔ اس کی بیوی جو ام جمیل کے نام سے معروف تھی ابوسفیان کی بہن تھی۔ اس کا نام اروی بنت حرب تھا۔ وہ بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مری اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ڈال کر اسے جہنم میں پھینکا گیا ہے۔ وہ اپنے قیمتی ہار پر فخر کیا کرتی تھی اور ڈینگیں مارتی تھی کہ میں یہ قیمتی ہار بیچ کر محمدؐ کی مخالفت میں لگا دوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی گردن میں وہ طوق ڈالا جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔

رحمت کا گہوارہ

اسلام کا دامن کتنا وسیع ہے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوصلے کتنے بلند ہیں کہ آپ کے بدترین دشمن بھی جب سچی توبہ کر کے آپ کے پاس آئے تو آپ نے کسی کو عار نہیں دلائی، بلکہ ان کے قبول اسلام پر آپ خوشی سے سرشار ہو گئے۔ بدترین دشمنوں کی اولاد آپ کے پاس آئی تو آپ نے انھیں دھتکارنے کی بجائے سینے سے لگایا۔ ابولہب کے بیٹے عتبہ نے حالت کفر میں اپنے باپ کے زیر اثر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو طلاق دے دی تھی، تاہم اس کی کوئی گستاخی تاریخ میں مذکور نہیں جس طرح اس کے بدبخت بھائی کی ہرزہ سرائی اوپر منقول ہے۔ لیکن فتح مکہ کے موقع پر آپؐ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسے اور اس کے بھائی معتب کو لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے قبول اسلام کی خواہش ظاہر کی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی مبارک باد پیش کی جنھوں نے اپنے بھتیجوں کو کفر کی ضلالت سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لا کھڑا کیا۔

مرحبا یا اختی!

واضح رہے کہ ابولہب کی بیٹی درّہ بنت ابی لہب فتح مکہ سے بھی پہلے ہجرت کر کے مکہ سے

Marfat.com

مدینہ پہنچیں اور اسلام لائیں۔ آپؐ نے ان کی بہت تعظیم وتوقیر کی اور انھیں اپنے گھر میں مہمان بھی رکھا۔ یہ ابولہب کی بیٹی تھی، مگر آپؐ فرما رہے تھے، میری بہن آئی ہیں۔ میری بہن کو خوش آمدید مرحبا! کفر واسلام کی کشمکش میں یہ واقعات بڑے ایمان افروز ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے ان میں بہترین دروس ہیں۔ کیا شان ہے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی! جس دشمن نے آپؐ کی بیٹیوں کو دکھ پہنچا کر آپ کو بھی اذیت سے دوچار کیا، اس کی بیٹی کا یہ اکرام واحترام، یہ استقبال وتعظیم! سبحان اللہ!!

ان واقعات کی تفصیلات ہم نے مندرجہ ذیل مآخذ سے بالاختصار جمع کی ہیں: تفسیر ابن کثیر، جلد ہفتم، دارالاندلس، ص ۴۰۰-۴۰۱۔ البداية والنهاية، ج ششم، مکتبہ المعارف، ص ۲۷۱، المعجزات المحمديه، از وليد الاعظمی، اردو ترجمہ: معجزات سرورِ عالمؐ، ص ۳۱-۳۲ اور ۳۸-۳۹، الجامع لاحكام القرآن للقرطبی، الجزء العشرون، طبع دارالکتب العربی، قاہرہ، ص ۲۳۴-۲۳۶، تفہیم القرآن، ج ۶، تفسیر سورۃ اللھب، سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۳۵۵-۳۵۶۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

ابن ام مکتومؓ کا قبولِ اسلام

خدیجۃ الکبریٰ کے ماموں زاد

حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ابتدائی اہل ایمان میں سے ہیں۔ ان کا اصلی نام عمرو بن قیس بن زائدہ تھا۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ، ام مکتوم کے والد قیس بن زائدہ کی حقیقی بہن تھیں۔ یہ پیدائشی نابینا تھے۔ مکتوم کا معنی نابینا ہے یعنی وہ شخص جس کی آنکھوں سے ہر چیز پوشیدہ ہو۔ نابینا ہونے کے باوجود انتہائی ذہین اور بلند حوصلہ نوجوان تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ان کی رشتہ داری بھی بنتی ہے۔ ان کو قبول اسلام کے بعد اس بات کا بے انتہا شوق تھا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ سلم کی مجلس میں بیٹھا کریں، آپؐ سے قرآن سن کر اسے یاد کرلیا کریں اور آپؐ کے اقوال واحادیث کو بھی ذہن میں بٹھالیا کریں۔ ان کو کفار کی طرف سے اذیتیں پہنچانے کا کوئی واقعہ تاریخ میں منقول نہیں ہے۔ البتہ کفار ان کو ایک بے حیثیت اور بے ضرر انسان سمجھتے تھے۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۳۶۳)

نابینا صحابی کی شان

اسلام کے ابتدائی زمانے میں جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابھی کفار نے قطع تعلق نہیں کی تھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں سے نشست کیا کرتے تھے اور انھیں اسلام کی طرف راغب کرنے کی کوشش جاری رہتی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی کہ بااثر لوگ اسلام کی طرف آئیں تاکہ اسلام کی قوت کا باعث بنیں۔ ایک مرتبہ آنحضور صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں قریش کی چند اہم شخصیات بیٹھی تھیں اور آپؐ ان سے تبادلۂ خیالات کررہے تھے۔ اتنے میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اپنے معمول کے مطابق آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور آتے ہی آپؐ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ! مجھے تعلیم دیجیے۔ اس واقعہ کی طرف قرآن پاک کی سورۂ عبس میں اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو اعزاز بخشا کہ ان کے حق میں آیات نازل کیں۔ درج ذیل آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓى ۙ﴿1﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿2﴾ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۙ﴿3﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿4﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿5﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿6﴾ وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿7﴾ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ﴿8﴾ وَ هُوَ يَخْشٰى ۙ﴿9﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ﴿10﴾ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ﴿11﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ﴿12﴾ (عبس ۸۰: ۱-۱۲)

وہ ترش رُو ہوا اور بے رُخی برتی، اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آ گیا۔ تمھیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؟ جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو، حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور جو خود تمھارے پاس دوڑا آتا ہے اور (اللہ سے) ڈر رہا ہوتا ہے، اس سے تم بے رخی برتتے ہو۔ ہرگز نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے۔

مفتی محمد شفیعؒ کا حاشیہ

تمام مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا پورا واقعہ بیان کیا ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

شانِ نزول میں جو واقعہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی کا نقل کیا گیا ہے، اس میں بغوی نے یہ مزید روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نابینا ہونے کے سبب یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ کسی دوسرے سے گفتگو میں مشغول ہیں، مجلس میں داخل ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کو آواز دینی شروع کی اور بار بار آواز دی۔ (مظہری) اور ابن کثیر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آیت قرآن پڑھوانے کا سوال کیا اور اس سوال کے فوری جواب دینے پر اصرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ کے کفار سرداروں کو دین کی تبلیغ کرنے اور سمجھانے میں مصروف تھے۔ یہ سردار تھے، عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل ابن ہشام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع پر عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا اس طرح خطاب کرنا اور ایک آیت کے الفاظ درست کرنے کے معمولی سوال پر فوری جواب کے لیے اصرار کرنا ناگوار ہوا، جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پکے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش تھے۔ دوسرے اوقات میں بھی سوال کرسکتے تھے۔ ان کے جواب کے موخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا خطرہ نہ تھا۔ بخلاف روسائے قریش کے کہ یہ لوگ نہ ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا کلمہ پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ آپ کی بات سن رہے تھے، جس سے ان کے ایمان لانے کی توقع کی جاسکتی تھی اور ان کی بات کاٹ دی جاتی تو ایمان ہی سے ان کی محرومی ظاہر تھی۔ ان مجموعۂ حالات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے رخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا اور جو گفتگو تبلیغِ حق کی روسائے قریش کے ساتھ جاری تھی اس کو جاری رکھا۔ اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورۂ عبس کی یہ آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں، جس میں آپ کے طرزِ عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر آپ کو ہدایت کی گئی۔

موہوم اور یقینی کا فرق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل اپنے اجتہاد پر مبنی تھا کہ جو مسلمان آدابِ مجلس کے خلاف طرزِ گفتگو اختیار کرے اس کو کچھ تنبیہ کی جائے تاکہ آئندہ وہ آدابِ مجلس کی رعایت کرے، اس کے لیے آپ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے رخ پھیر لیا اور دوسری بات یہ تھی کہ بظاہر حال کفر و شرک سب سے بڑے گناہ ہیں ان کے ازالے کی فکر مقدم ہونا چاہیے، بمقابلہ دین کے فروعی

Marfat.com

احکام کی تعلیم کے جو عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہٗ چاہتے تھے، مگر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے اس اجتہاد کو درست قرار نہیں دیا اور اس پر متنبہ فرمایا کہ یہاں قابل غور یہ بات تھی کہ ایک شخص جو آپ سے دینی تعلیم کا طالب ہو کر سوال کر رہا ہے اس کے جواب کا فائدہ تو یقینی ہے اور جو آپ کا مخالف ہے، آپ کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتا اس سے گفتگو کا فائدہ موہوم ہے۔ موہوم کو یقینی پر ترجیح نہ ہونا چاہیے اور عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہٗ سے جو آداب مجلس کے خلاف بات سرزد ہوئی ان کا عذر قرآن نے لفظ اَعْمٰی کہہ کر بتلا دیا کہ وہ نابینا تھے۔ اس لیے اس کو نہ دیکھ سکتے تھے کہ آپؐ اس وقت کس شغل میں ہیں، کن لوگوں سے گفتگو چل رہی ہے، اس لیے وہ معذور تھے، مستحق اعراض نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی معذور آدمی سے بے خبری میں کوئی بات آداب مجلس کے خلاف ہو جائے تو وہ قابل عتاب نہیں ہوتا۔

تکریم رسولؐ

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی، عَبَسَ کے معنی ترش روئی اختیار کرنا یعنی چہرہ سے اظہار ناگواری کرنا اور تَوَلّٰی کے معنی رخ پھیر لینے کے ہیں۔ اس جگہ موقع اس کا تھا کہ یہ الفاظ آپ کو بصیغہ خطاب کہے جاتے کہ آپ نے ایسا کیا۔ لیکن قرآن کریم نے صیغۂ خطاب کے بجائے صیغۂ غائب اختیار کیا جس میں عتاب کی حالت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام ملحوظ رکھا گیا اور صیغۂ غائب اختیار کر کے یہ ابہام کیا کہ جیسے یہ کام کسی اور نے کیا ہو۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ کام آپ کے شایان شان نہیں، اور دوسرے جملے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عذر کی طرف اشارہ فرما دیا: وَمَا یُدْرِیْكَ (یعنی آپ کو کیا خبر) اس میں بتلا دیا کہ اعراض کی وجہ یہ پیش آئی کہ آپ کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ یہ صحابی جو کچھ دریافت کر رہے ہیں اس کا اثر یقینی ہے اور غیروں سے گفتگو کا اثر موہوم۔ اس دوسرے جملے میں صیغۂ غائب چھوڑ کر صیغہ خطاب کا اختیار فرمانے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور دل جوئی ہے کہ اگر بالکل خطاب کا صیغہ استعمال نہ ہوتا تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس طرز عمل کی ناپسندیدگی ترکِ خطاب کا سبب بن گئی جو آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے لیے ایک ناقابل برداشت رنج والم ہوتا۔ اس لیے جس طرح پہلے جملہ میں خطاب کے بجائے غائب کا صیغہ استعمال کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم ہے اسی طرح دوسرے جملے میں خطاب کرنا بھی آپ کی تکریم اور دل جوئی ہے۔

لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىۤ۔ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰىؕ یعنی آپ کو کیا معلوم کہ یہ صحابی جو بات دریافت کر رہے تھے اس کا فائدہ متیقن تھا کہ آپ ان کو تعلیم دیتے تو یہ اس کے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیتے اور کمال حاصل کر لیتے اور یہ بھی نہ ہوتا تو کم از کم اس ذکر اللہ سے وہ ابتدائی نفع اٹھاتے کہ اس سے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف کی ترقی ہو جاتی۔ لفظ ذِکْریٰ کے معنی کثرت ذکر کے ہیں۔ (کذا فی الصحاح)

ابرار واتقیا

یہاں قرآن کریم نے دو جملے اختیار فرمائے يَزَّكّٰى اور يَذَّكَّرُ، پہلے کے معنی پاک صاف ہو جانے کے ہیں اور دوسرے کے معنی نصیحت حاصل کرنے اور ذکر سے متاثر ہونے کے ہیں۔ پہلا مقام ابرار واتقیا کا ہے، جو اپنے نفس کو ظاہری اور باطنی ہر قسم کی گندگیوں سے پاک صاف کر لیں اور دوسرا مقام طریقِ دین پر چلنے کے ابتدائی حال کا ہے کہ مبتدی کو اللہ کی یاد دلائی جاتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت وخوف اس کے دل میں متحضر ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ ان کو تعلیم دینا نفع سے کسی حال خالی نہیں تھا۔ خواہ نفع کامل ہو جاتا کہ تزکیہ نفس مکمل حاصل کر لیتے یا ابتدائی نفع حاصل ہوتا کہ اللہ کی یاد اور عظمت وخوف ان کے دل میں بڑھ جاتا اور دونوں جملے بحرف تردید یعنی اَوْ کے ساتھ استعمال کیے گئے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک حال ضرور حاصل ہوتا اس میں اصطلاحی مانعۃ الخلو ہے یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں نفع جمع ہو جائیں کہ ابتدا تذکر ہو اور اس کے بعد تزکیہ، مانعۃ الجمع نہیں کہ دونوں جمع نہ ہو سکیں۔ (مظہری)

تبلیغ وتعلیم کے لیے ایک اہم اصول قرآنی: اس موقع پر یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو کام بیک وقت آ گئے، ایک مسلمان کو تعلیم اور اس کی تعظیم اور دل جوئی،

Marfat.com

دوسرے غیر مسلموں کی ہدایت کے لیے ان کی طرف توجہ۔ قرآن کریم کے اس ارشاد نے یہ واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے۔ دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے اہم اور مقدم ہے۔

اس میں ان علما کے لیے ایک اہم ہدایت ہے جو غیر مسلموں کے شبہات کے ازالے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر بعض ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک شبہات یا شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان کو اس قرآنی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کی حفاظت اور اصلاحِ حال کو مقدم رکھنا چاہیے، اکبر مرحوم نے خوب فرمایا:

بے وفا سمجھیں تمھیں اہلِ حرم اس سے بچو
دَیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی۔

بعد کی آیتوں میں قرآن کریم نے اسی بات کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿۶﴾ یعنی جو شخص آپ سے اور آپ کے دین سے استغنا اور بے رخی برت رہا ہے آپ اس کے تو درپے ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو جائے حالانکہ یہ آپ کے ذمے نہیں، اور اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ پر کوئی الزام نہیں، اور جو شخص دوڑتا ہوا طلبِ علمِ دین کے لیے آیا اور وہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا بھی ہے آپ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اس میں واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی کہ مسلمانوں کو تعلیم اور اصلاح و تربیت کر کے ان کو پکا مسلمان اور قوی مومن بنانا یہ غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے زیادہ اہم اور مقدم ہے اس کی فکر زیادہ چاہیے۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن، از مفتی محمد شفیعؒ، مطبوعہ ۱۹۸۳ء، ص ۶۷۲-۶۷۵)

سیّد مودودیؒ کا حاشیہ

سورۂ عبس کی تفسیر لکھتے ہوئے گزشتہ صدی کے ایک دوسرے عظیم مفسرِ قرآن مولانا

Marfat.com

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں ان آیات کی شان نزول اور پس منظر کا تذکرہ یوں کیا ہے:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مکہ معظمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے میں ابن ام مکتوم نامیؓ ایک نابینا [صحابی] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ سے اسلام کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ مداخلت ناگوار ہوئی اور آپؐ نے ان سے بے رخی برتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اس تاریخی واقعہ سے اس سورہ کا زمانہ نزول بآسانی متعین کیا جاسکتا ہے۔

اولاً: یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بالکل ابتدائی دور کے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ تصریح کرتے ہیں کہ اَسْلَمَ بِمَكَّةَ قَدِيْمًا اور هُوَ مِمَّنْ اَسْلَمَ قَدِيْمًا۔ یعنی یہ ان لوگوں میں سے تھے جو مکہ معظمہ میں بہت پہلے اسلام لائے تھے۔

ثانیاً: حدیث کی جن روایات میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اسلام لاچکے تھے اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی طرف مائل ہوچکے تھے اور تلاشِ حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ انھوں نے آکر عرض کیا تھا:

یارسول اللّٰه، ارشدنی، یارسول اللہ! مجھے سیدھا راستہ بتایئے۔ (ترمذی، حاکم، ابن حبان، ابن جریر، ابویعلیٰ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ آکر قرآن کی ایک آیت کا مطلب پوچھنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللّٰه! علمنی مما علمک اللّٰه۔ یارسول اللہ! مجھے وہ علم سکھایئے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم)۔ ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول اور قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم کر چکے تھے۔ دوسری طرف ابن زید آیت ۳ کے الفاظ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰیٓ کا مطلب لَعَلَّہٗ یُسْلِم۔ شاید کہ وہ اسلام قبول کر لے، بیان کرتے ہیں۔ (ابن جریر)۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا یہ ارشاد بھی ہے کہ تمھیں کیا خبر شاید وہ سُدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؟ اور یہ کہ جو خود تمھارے پاس دوڑ کر آتا ہے اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے، اس سے تم بے رخی برتتے ہو۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس وقت ان کے اندر طلبِ حق کا گہرا جذبہ پیدا ہو چکا تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہدایت کا منبع سمجھ کر آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے تھے کہ ان کی یہ طلب یہیں سے پوری ہوگی، اور یہ بات ان کی حالت سے ظاہر ہو رہی تھی کہ انھیں ہدایت دی جائے تو وہ اس سے مستفید ہوں گے۔

ثالثاً: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جو لوگ اس وقت بیٹھے تھے، مختلف روایات میں ان کے ناموں کی صراحت کی گئی ہے۔ اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانے میں پیش آیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان لوگوں کا میل جول ابھی باقی تھا اور کش مکش اتنی نہ بڑھی تھی کہ آپ کے ہاں ان کی آمد و رفت اور آپ کے ساتھ ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہو گیا ہو۔ یہ سب امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ سورۃ بہت ابتدائی زمانے کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔

بظاہر کلام کے آغاز کا اندازِ بیان دیکھ کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ نابینا سے بے رخی برتنے اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف توجہ کرنے کی بنا پر اس سورۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے۔ لیکن پوری سورۃ پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل عتاب کفار قریش کے ان سرداروں پر کیا گیا ہے جو اپنے تکبر اور ہٹ دھرمی اور صداقت سے بے نیازی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ حق کو حقارت کے ساتھ رد کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا صحیح طریقہ بتانے کے ساتھ ساتھ اس طریقے کی غلطی سمجھائی گئی ہے جو اپنی

Marfat.com

رسالت کے کام کی ابتدا میں آپ اختیار فرما رہے تھے۔ آپ کا ایک نابینا سے بے رخی برتنا اور سرداران قریش کی طرف توجہ کرنا کچھ اس بنا پر نہ تھا کہ آپ بڑے لوگوں کو معزز اور ایک بے چارے نابینا کو حقیر سمجھتے تھے، اور معاذ اللہ یہ کوئی کج خُلقی آپؐ کے اندر پائی جاتی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی۔ بلکہ معاملے کی اصل نوعیت یہ ہے کہ ایک داعی جب اپنی دعوت کا آغاز کرنے لگتا ہے تو فطری طور پر اس کا رُجحان اس طرف ہوتا ہے کہ قوم کے بااثر لوگ اس کی دعوت قبول کرلیں تاکہ کام آسان ہو جائے، ورنہ عام بے اثر، معذور یا کمزور لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑ سکتا۔ قریب قریب یہی طرزِ عمل ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اختیار فرمایا تھا جس کا محرّک سراسر اخلاص اور دعوتِ حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا نہ کہ بڑے لوگوں کی تعظیم اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر کا تخیّل۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھایا کہ اسلامی دعوت کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے، بلکہ اس دعوت کے نقطۂ نظر سے ہر وہ انسان اہمیت رکھتا ہے جو طالبِ حق ہو، چاہے وہ کیسا ہی کمزور، بے اثر، یا معذور ہو، اور ہر وہ شخص غیر اہم ہے جو حق سے بے نیازی برتے، خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لیے آپ اسلام کی تعلیمات تو ہانکے پکارے سب کو سنائیں، مگر آپ کی توجہ کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جن میں قبولِ حق کی آمادگی پائی جاتی ہو، اور آپ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ آپ اسے اُن مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ سمجھتے ہوں کہ ان کو آپ کی نہیں بلکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۶، دیباچہ سورۂ عبس، ص ۲۵۰-۲۵۲)

اللہ کی کتابِ حق

دونوں عظیم مفسرین حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور سیّد مودودیؒ نے اس موضوع پر نہایت پُر مغز تحریریں لکھی ہیں۔ ان کے اندر دونوں بزرگوں نے پورا پس منظر بھی بیان کیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلام کو تقویت پہنچانے کی کاوشوں کا بھی احاطہ کیا ہے۔ بعض مستشرقین اور نام نہاد سکالرز وقتاً فوقتاً فتنے اٹھاتے رہتے ہیں۔ وہ قرآن مجید کے خالص کلام ربانی ہونے پر ذہنوں کو

Marfat.com

الجھاؤ میں ڈالنے کی شرانگیز کوششوں کی جسارت بھی کرتے ہیں۔ یہ آیات اور ان کے علاوہ قرآن پاک کے بہت سے دیگر مقامات پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العالمین نے جن امور پر متوجہ کیا ہے وہ اس بات کی بھی علامت ہیں کہ اللہ خود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تربیت وتزکیہ کے مرحلوں سے گزارتا تھا۔ آپؐ کا معلّم اور مربی خود خالق کائنات ہے۔ قرآن مجید کا منزّل من اللہ ہونا، اس کے معجز نما کلام ومضامین کے علاوہ بالخصوص اس موضوع پر نازل ہونے والی آیات کی روشنی میں بالکل واضح ہے۔ اللہ رب العالمین نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات پر قرآن پاک میں متوجہ کرتے ہیں تو ساتھ آپؐ سے اپنی محبت واپنائیت اور رسولِ برحق ہونے کی عظمت کو بھی واضح کردیتے ہیں۔

اللہ کی نظر میں بڑا کون؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سردارانِ قریش کی ذہنیت اور سوچ کیا تھی، وہ قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مرتبہ پیش کش کرتے تھے کہ آپ اپنی مجلس سے کم تر اور حقیر لوگوں کو نکال دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ کفار اپنے تئیں بڑا سمجھتے تھے اور اہلِ ایمان، بلالؓ، صہیبؓ، عمارؓ، خبابؓ اور دیگر بلند پایہ صحابہ کو کم تر جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھی مواقع پر قرآن مجید میں یہ آیات نازل فرمائیں:

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ (الانعام ۶:۵۲)

اور جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوش نودی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں (اے نبیؐ!) انھیں اپنے سے دور نہ پھینکو۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں۔ اس پر بھی اگر تم انھیں دور پھینکو گے تو ظالموں میں شمار ہوگے۔

Marfat.com

رضائے الٰہی کے طلب گار

سورۂ انعام کی طرح سورۃ الکہف میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو بتایا ہے کہ خالق کائنات کی نظروں میں انھی کا مقام ہے جو صبح وشام اسے پکارتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی کے سامنے سر جھکانا گوارا نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ (الکہف ۱۸:۲۸)

اور (اے نبیؐ!) اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح وشام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو، جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط وتفریط پر مبنی ہے۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا مقام عالی

رہا یہ سوال کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کوئی گرے پڑے آدمی تھے تو یہ انتہائی بے وزن تخیل ہے۔ ان کا پیدائشی نابینا ہونا ایک معذوری ضرور ہے، مگر ان کا خاندانی مقام ومرتبہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اسلام میں سابقون صحابہ میں ان کا نام ہے۔ ان کا خاندان قریش کے معزز گھرانوں میں سے تھا۔ انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ بھی تعلیم وتدریسِ قرآن کا فرض ادا کرتے تھے۔ نابینا ہونے کے باوجود انتہائی بلند ہمت اور پرعزم انسان تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم مدینہ ہی میں رہو۔ انھوں نے کہا: میں اللہ کی رضا چاہتا ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس موقع پر سورۃ النساء کی یہ آیات نازل فرمائیں:

Marfat.com

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ (النساء ۴: ۹۵-۹۶)

مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے لیے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے، مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے، ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

معلّم اور موذن

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قتال و جہاد کے معرکوں میں شامل ہونے والے مجاہدین کے درجات عالیہ اور فضائل بیان کیے ہیں وہیں سب مخلص اہلِ ایمان کے لیے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جو معذور تھے، وہ بلا عذر گھر بیٹھنے والوں میں سے تو نہیں ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم وبیش تیرہ مرتبہ مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ یہ وہ مواقع تھے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوے میں تشریف لے گئے۔ (اسدالغابة فی معرفة الصحابة، اردو ترجمہ، ج ۲، حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص ۶۶۴-۶۶۵)۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ موذن کی ذمہ داری بھی ادا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تہجد کی نماز سے قبل اذان پڑھا کرتے تھے، جبکہ

Marfat.com

عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تہجد کا وقت ختم ہونے پر اذان پڑھتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (رمضان المبارک میں) جب بلالؓ کی اذان سنو تو سحری کھا لیا کرو۔ جب ابن ام مکتومؓ کی اذان سنو تو کھانا پینا بند کر دیا کرو۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر، ج ۷، سورۂ عبس، مطبوعہ دارالاندلس، ص ۲۱۳۔ بروایت عبداللہ بن عمرؓ)

نابینا صحابی میدانِ قتال میں

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ زندگی کے آخری دنوں میں عملاً قتال و جہاد میں بھی شریک ہوئے اور اپنی دیرینہ خواہش پوری کر لی۔ مورخین کے مطابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۱۴ھ میں ایران کے مقابلے پر قادسیہ کی جنگ میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ سالارِ لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے آپ نے مطالبہ کیا کہ مجھے اس سخت جنگ میں جھنڈا دے دیجیے۔ اس وقت انھوں نے زرہ پہن رکھی تھی اور انھوں نے فرمایا کہ میں ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا، ویسے بھی مجھے حملہ آور نظر نہیں آ رہے ہوں گے کہ میں آگے پیچھے ہوں۔ چنانچہ انھوں نے جھنڈا لیا اور اپنی جگہ پر ڈٹ گئے۔ اس معرکے میں وہ شہید ہوئے۔ سیکڑوں دیگر صحابہ بھی ان کے ساتھ شہید ہوئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا کہ انھوں نے جھنڈا نہایت ہی مضبوطی کے ساتھ پکڑ رکھا تھا۔ تیسرے دن مسلمان فوج نے شاندار فتح پائی اور اسی روز حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی ہوئی۔ (اسد الغابة فی معرفة الصحابة، اردو ترجمہ، ج ۲، حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص ۶۶۴-۶۶۵)۔

---❀---❀---❀---

Marfat.com

مظلومینِ مکہ اور ابوبکرؓ کی تجارت

ابوبکرؓ کی عظمت کو سلام

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کمالات وفضائل اس قدر زیادہ ہیں کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا: میں نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ دنیا میں اتار دیا ہے، سوائے ابوبکرؓ کے، اس کے احسانات اتنے زیادہ ہیں کہ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مال دار تاجر تھے۔ اپنے اخلاق وکردار کے حوالے سے اتنے پاکیزہ کہ دورِ جاہلیت میں بھی ان کے اجلے دامن پہ کوئی ذرا سا دھبہ نظر نہیں آتا۔ نہ کبھی شراب پی، نہ کبھی فحش کاموں میں حصہ لیا۔ البتہ آبائی مذہب کے مطابق کلمۂ توحید سننے سے پہلے تک اسی مذہب پر تھے۔ جونہی کلمۂ حق سن کر وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو ''تجارت مع اللہ'' میں سرگرم ہوگئے۔ اس تجارت میں کسی خسارے کا کبھی کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ اس تجارت میں سراپا نفع ہی نفع ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے مال دیا تھا تو اس کے ساتھ بہت بڑا دل بھی دیا تھا۔ انھوں نے اپنا مال خرچ کرکے مکہ کے مستضعفین کو ظالموں کے چنگل سے آزاد کروایا۔ ہر بندۂ مومن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت کو سلام کرتا ہے اور کیوں نہ ہو آپؓ کے مناقب ختمی مرتبت نے یوں بیان فرمائے کہ ان کا ثانی صحابہ کی جماعت میں کوئی نہ تھا۔

بلالؓ کی عزیمت اور حریت

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی غلام تھے۔ ان کا آقا اسلام کا بدترین دشمن امیہ بن خلف تھا۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہوئے تو انھیں بے پناہ اذیتیں پہنچائی گئیں۔ انھیں پاؤں میں

Marfat.com

رسّا باندھ کر سنگلاخ وادیوں میں گھسیٹا جاتا تھا۔ چلچلاتی دھوپ میں گرم پتھروں پر لٹا کر ان کے اوپر بھاری سلیں رکھ دی جاتی تھیں۔ ان کا آقا انھیں کہتا: لا تزال ھکذا حتی تموت او تکفر بمحمد، تعبد اللات والعزی، فیقول، وھو فی ذالک البلاء، احدٌ احدٌ۔ یعنی تو اسی کیفیت میں موت سے ہم کنار ہو جائے گا۔ جان بچانا چاہو تو محمدؐ کا انکار کرو اور لات وعزیٰ کی عبادت کرو۔ اس شدید ابتلائی کیفیت میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسلسل بلند آواز سے احد احد پکارتے رہتے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کاوش سے مسلمان ہوئے تھے۔ ایک دن وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور امیہ بن خلف سے کہا: الا تتقی اللہ فی ھذا المسکین؟ حتی متی؟ یعنی کیا تو اس مسکین کو ایذائیں پہنچانے سے اللہ کا خوف نہیں کھاتا؟ کہاں تک اس کو ایذا پہنچاؤ گے؟ جواب میں امیہ بن خلف نے جل بھن کر کہا: تو ہی ہے جس نے اس کو بگاڑا ہے۔ اب تو اس کو بچانا چاہتا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں میں اس کو بچانا چاہتا ہوں۔ میرے پاس اس سے زیادہ طاقت ور ایک حبشی غلام ہے جو تیرے دین پر بھی ہے۔ میں تمھیں وہ دے دیتا ہوں، اس کے بدلے میں تم مجھے بلال دے دو۔ چنانچہ طے ہو گیا اور اس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزادی ملی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں غلام کی بجائے اپنا بھائی بنالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرنے کے لیے فرمایا کرتے تھے: بلال سیّدُنا واعتقہ سیّدُنا۔ یعنی بلال ہمارا آقا ہے اور اسے ہمارے آقا (ابوبکرؓ) نے غلامی سے آزاد کرایا تھا۔

غلاموں اور کنیزوں کا سرپرست

اس سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ غلام اور کنیزیں رہا کر چکے تھے۔ ان میں سے حضرت عامر بن فہیرہ، ام عبیس، زنیرہ سبھی کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا، حضرت نہدیہ اور ان کی بیٹی کو بھی بنو عبدالدار کی ایک خاتون سے آپؓ نے خرید لیا۔ اس خاتون نے اتنی زیادہ قیمت

Marfat.com

مانگی کہ اس کے خیال میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ادا نہیں کر سکے گا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی منہ مانگی قیمت ادا کر دی اور پھر ان دونوں صحابیات سے فرمایا: انتما حرتان یعنی تم دونوں (ماں بیٹی) آزاد ہو۔ اسی طرح قبول اسلام سے پہلے عمر بن خطابؓ کی ایک کنیز تھی جو مسلمان ہو گئی۔ عمر اسے بے پناہ ایذائیں پہنچاتے۔ پھر کہتے: میں ذرا سانس لے لوں اور دوبارہ تمھاری پٹائی کروں گا۔ یہ وہ دور تھا جب عمر اسلام سے نابلد بلکہ اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کنیز کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ اللہ کے بے نوا بندوں کی یہ سرپرستی اخلاق صدیقی کا تابناک پہلو ہے۔

آیاتِ ربانی میں تحسین و رضا

ان بے بس کنیزوں اور مجبور غلاموں کو آزاد کرانے پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سرمایہ خرچ کر رہے تھے۔ ان کے والد ابوقحافہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، انھیں اس بات کا بڑا ملال تھا کہ ان کا بیٹا دولت ضائع کر رہا ہے۔ انھوں نے کہا: اے ابوبکرؓ! تجھے اگر غلام خریدنے ہی ہیں تو طاقت ور نوجوان خرید جو تیرے اور تیری قوم کے کام آئیں اور تمھاری قوت کا باعث بنیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یَا اَبَتِ اِنَّمَا ارید ما ارید، لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ یعنی اے میرے والد محترم! میں جو کچھ چاہتا ہوں، اسی کے لیے کوشاں ہوں اور میری چاہت اللہ رب العزت (کی رضا) کے علاوہ کچھ نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان ہی میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۃ اللیل میں ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝۱۲ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝۱۳ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝۱۴ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۝۱۵ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۶ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝۱۷ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝۱۸ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۝۱۹ اِلَّا

Marfat.com

ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰى ۝٢٠ وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰى ۝٢١ (اللیل ۹۲: ۵-۲۱)۔

جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولتیں دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے پر ڈال دیں گے۔ اور اس کا مال آخر اس کے کس کام آئے گا جب کہ وہ ہلاک ہوجائے گا۔ بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے اور درحقیقت آخرت اور دنیا، دونوں کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس میں نے تم کو خبردار کردیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ اس میں نہیں جھلسے گا، مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور اس سے دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ وہ تو صرف اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے اور ضرور وہ (اس سے) خوش ہوگا۔

دہکتے انگارے اور ایمان کی حرارت

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ جو بنوزہرہ کے حلیف تھے اور جن کا تعلق قبیلہ بنوتمیم سے تھا، بھی سابقون الاولون میں سے ہیں۔ ان کو دورِ جاہلیت میں ایک غارت گری کے دوران غلام بنالیا گیا تو بنوخزاعہ کی ایک خاتون ام انمار بنت سباع نے انھیں مکہ کے بازار میں خرید لیا۔ ان کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر اس خاتون نے اس نوجوان کو آزاد کردیا۔ اس خزاعی خاتون کی وجہ سے کئی لوگ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو خزاعی بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے آزادی ملنے کے بعد قریش کے قبیلے بنوزہرہ کے ساتھ دوستی کا حلف باندھ لیا۔ یہ تلواریں اور دیگر اسلحہ بنانے کے ماہر تھے۔ ان کی کنیت ابویحییٰ اور ابوعبداللہ بیان کی گئی ہے۔ انھیں قبول اسلام کے بعد بہت شدید اذیتیں پہنچائی گئیں۔ انھیں دہکتے انگاروں پر لٹا دیا جاتا تھا، جس سے ان کا جسم جل گیا اور اس پر مستقل نشان پڑ گئے

Marfat.com

تھے۔ یہ اپنے دین پر ایسے ثابت قدم تھے کہ کفار کے مظالم اس ثابت قدمی کے سامنے مات کھا گئے۔ (اسدالغابة فی معرفة الصحابة، اردو ترجمہ، ج۱، حصہ ہفتم، مکتبہ خلیل، ص۶۱۹ - ۶۲۲، الاصابة فی تمیز الصحابة، لابن حجر العسقلانی، ج۲، مطبوعہ دار صادر بیروت، ص۴۱۶)

جنتی خاندان آلِ یاسرؓ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی ان نوجوانوں میں شامل ہیں جو ابتدا میں مسلمان ہوئے۔ ان کے گھرانے کو یہ شرف حاصل ہے کہ پورے مکہ میں صرف یہی گھر تھا جو مکمل طور پر اسلام میں داخل ہوگیا۔ اس گھر میں ایک بھی کافر و مشرک نہیں تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ سمیہؓ کے علاوہ ان کے بھائی حویرث بن یاسرؓ اور عبود بن یاسرؓ جن کا نام عبداللہ بھی بیان ہوا ہے، سبھی مسلمان تھے۔ بنو مخزوم ان کو بڑی ایذائیں پہنچاتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق یہ لوگ مکہ میں باہر سے آ کر آباد ہوئے تھے اور بنو مخزوم کے حلیف تھے۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ابوجہل کے چچا ابوحذیفہ ہشم بن مغیرہ کی کنیز تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پورے خاندان کو اذیتیں برداشت کرتے دیکھتے تو فرماتے: اصبروا یا اٰلَ یاسر فان موعدکم الجنة۔ یعنی اے آلِ یاسر صبر کرو بلاشبہ جنت تمہارا ٹھکانہ ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، مسند النساء، باب السعین (سمیة، ۲۴/۳۰۳)

تاریخ اسلام کی پہلی شہادت

ایک مرتبہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللّٰہ! لقد بلغ منا العذاب کلَّ مَبْلَغٍ۔ یعنی اے اللہ کے رسول! ہم پر آخری حد تک عذاب توڑا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابوالیقظان! صبر سے کام لو۔ پھر آپؐ نے ان کے حق میں دعا کی: اللّٰھُمَّ لَاتُعَذِّبْ اَحَدًا مِنْ اَھْلِ عَمَّارٍ بالنار۔ یعنی اے اللہ! عمار کے گھر والوں میں سے کسی کو بھی آگ کا عذاب نہ دینا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے نیزہ مار کر

Marfat.com

شہید کردیا تھا۔ یہ تاریخ اسلام کی پہلی شہادت ہے۔ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے آخری الفاظ تھے: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَة۔ یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگئی ہوں۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۳۱۹-۳۲۰)

حاکمِ ایلہ کا فرزند

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے والد ایلہ کے حاکم تھے۔ انھیں ایک حملے اور غارت گری کے دوران رومیوں نے چھوٹی عمر میں گرفتار کرلیا۔ پھر کوئی شخص ان کو لے کر مکہ آیا اور انھیں فروخت کردیا۔ چونکہ فروخت کرنے والا رومی تھا اس لیے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ بھی صہیب رومی مشہور ہوگیا۔ انھیں عبداللہ بن جدعان نے خریدا۔ ان کو دیگر صحابہ کی طرح بڑی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ انھوں نے بھی جس صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اس کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تحسین فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ صہیب کو کبھی کسی سودے میں گھاٹا نہیں ہوگا۔ ہجرت کے سفر پر نکلے تو قریش نے ساری پونجی چھین لی، مگر عاشقِ صادق نے مال کی ذرا پروانہ کی اور مدینہ کے راستے پر ثابت قدمی سے چلتا رہا اور منزل سے ہم کنار ہوگیا۔ نہ پژمردگی نہ افسوس! (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۶۱)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

قریش کی مخالفت اور اسلام کی پیش قدمی

نایاب ہیرے آغوش اسلام میں

مکہ میں ضعفا کے قبول اسلام کے ساتھ بڑے خاندانوں کے چشم و چراغ بھی اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ ان میں مصعب بن عمیرؓ جو بنو عبدالدار میں سے تھے، سخت آزمائشوں سے گزرے۔ قبل از اسلام ان کی زندگی شہزادوں کی سی تھی۔ اسلام کی پاداش میں جب گھر سے نکالے گئے تو جوتے اور کپڑے بھی اتروا لیے گئے۔ اسی حالت میں دارِ ارقم میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثار کو اس حالت میں دیکھ کر بے ساختہ رونے لگے۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ سے پوچھا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ دنیا کے مال و دولت اور عیش و عشرت کے ساتھ مصعب نے کیا کیا؟ صحابہ نے عرض کیا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ آپ نے فرمایا: اس نے دنیا اور اس کی دل فریبیوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت پر قربان کر دیا ہے۔ مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر وہاں سے واپس آئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بطور معلّم و مبلّغ اور مدرّسِ قرآن مدینہ تشریف لے گئے۔

مورخ ابن ہشام کے الفاظ میں: بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم مصعب بن عمیر مع اھل یثرب و اَمَرہ ان یُقرئھم القرآن ویُعَلِّمھم الاسلام ویفقّھھم فی الدین فکان یُسمّٰی المقرئُ بالمدینۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اہلِ یثرب کے ساتھ بطور معلّم بھیجا۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ انصار کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم سے روشناس کرائیں اور ان کے اندر دین کی مکمل سمجھ پیدا کریں۔ مدینہ میں انھیں استاد القرآن کہا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کو اس سرزمین پر پہلی اسلامی ریاست ہونے کی

Marfat.com

سعادت حاصل ہوئی۔ یہ ریاست فوج یا اسلحے سے فتح نہیں کی گئی تھی، بلکہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی دعوت نے اسے فتح کیا۔(سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول،ص ۳۲۲ تا ۳۲۵، ۳۶۵اور ۴۳۴)

شانِ سکندری سے شانِ قلندری تک

قبولِ اسلام کے بعد جب گھر والوں نے انھیں گھر سے نکال دیا تو انھوں نے اپنی سابقہ شان وشوکت کو ٹھکرا دیا اور اسلام کی خاطر ہر مشکل جھیلنے کے لیے تیار ہوگئے۔ کھردرے کمبل میں لپٹے ہوئے ننگے پاؤں وہ دارِ ارقم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ مکہ والوں نے ان کی شانِ سکندری بھی دیکھی تھی، اب شانِ قلندری میں دیکھا تو دنیا دار پکار اٹھے کہ اس نوجوان کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ لیکن اہلِ ایمان اور اہلِ آسمان جانتے تھے کہ یہ شان پہلی شان وشوکت کے مقابلے میں کہیں عظیم تر ہے۔ ان سب مشکلات کے باوجود وہ اپنے اسلام پر بہت مضبوطی سے ثابت قدم رہے۔ مکی زندگی کی مشکلات جھیلنے کے بعد ہجرت کی اور پھر عسرت ہی کے دور میں غزوہ احد میں یہ فرشتہ صفت بندۂ خدا شہادت کی خلعت پہن کر عازمِ جنت ہوگیا۔ رضی اللہ عنہ۔(تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب: روشنی کے مینار، حضرت مصعب بن عمیرؓ)

آلِ جحش

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، ابواحمد عبد ابن جحش رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ بن جحش جو آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور بنو عبد شمس کے ساتھ ان کا دوستی کا معاہدہ تھا، بھی ابتدائی مسلمانوں میں شامل ہیں۔ ان تینوں بھائیوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ان کی بہن تھیں، جن کی شادی پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ پھر جب نباہ نہ ہوسکا اور دونوں کے درمیان طلاق واقع ہوگئی تو اللہ نے اپنے حکم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کردیا اور انھیں ام المومنین کا شرف حاصل ہوگیا۔(سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۷ تا ۴۰ میں

Marfat.com

تفصیل دیکھی جا سکتی ہے)۔

ہماری ماں امّ حبیبہؓ

ابوسفیان کی بیٹی رملہ بنت ابی سفیان (ام حبیبہ رضی اللہ عنہا) عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ وہ اولین اہلِ ایمان میں سے ہیں۔ وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ اپنا گھربار چھوڑ کر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئی تھیں۔ عبیداللہ بن جحش بدقسمتی سے حبشہ جا کر نصرانی ہو گیا اور اسی حالت میں مر گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو حبشہ بھیجا اور نجاشی بادشاہ سے جو اس وقت مسلمان ہو چکا تھا، کہا کہ وہ خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (جو ام حبیبہؓ کے قریبی عزیز تھے) سے بات کر کے ام حبیبہؓ کو آپ کا پیغام برائے نکاح پہنچائیں۔ چنانچہ نجاشی بادشاہ نے بات کی تو حضرت ام حبیبہؓ نے رضامندی ظاہر کی۔ پھر بادشاہ نے آپ کی طرف سے چار سو دینار (سونے کا سکہ جسے اشرفی کہا جاتا ہے) حق مہر اپنی جیب سے ادا کیا اور بہت سے زیورات بھی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو پہنائے۔ اس غریب الدیاری میں خاوند کے مرتد ہو جانے کا غم یوں اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا۔ حبیبہ رضی اللہ عنہا عبیداللہ بن جحش سے حضرت رملہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں۔ وہ بھی صحابیہ ہیں۔ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جب مدینہ پہنچیں تو خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استقبال کیا۔
(سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۲۴)

قائد المہاجرین جعفر طیارؓ

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ بھی ابتدائی مسلمانوں میں شامل ہیں۔ چونکہ آپ کے والد ابوطالب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرست اور اسلام کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے، اس لیے حضرت جعفر کو اپنے گھر میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی، تاہم مکہ کی عمومی فضا جس میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی دشمنوں نے ہاتھ اٹھانا شروع کر دیا تھا، ان کے لیے مشکلات کا باعث بن گئی۔ انھیں دھمکیاں ملتی تھیں، مگر وہ ان کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ ان کی بہادری اور دانش مندی ضرب المثل ہے۔ حبشہ میں اہلِ

Marfat.com

ایمان کی قیادت اور بادشاہ کے دربار میں اسلام کی نمائندگی ان کا عظیم کارنامہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ دس سال بڑے تھے۔ (اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ چار بھائی تھے اور چاروں میں سے ہر ایک کے درمیان دس دس سال کا فرق ہے۔ عقیل حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے اور طالب حضرت عقیل رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔) قبول اسلام کے وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۰، ۲۱ سال تھی۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکل وصورت اور اخلاق وعادات میں بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ ''وَکَانَ اشبه النّاس خَلقًا وَخُلقًا بِرَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم. ہجرت حبشہ میں یہی مہاجرین حبشہ کے قائد تھے ۔ بہادر اور دانا جعفر واقعی ہر قسم کی قائدانہ صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔

حبشہ سے واپسی پر جنگ موتہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کمانڈر مقرر کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ جنگ موتہ میں اسلامی فوجوں کی کمان کرتے ہوئے بہادری سے لڑے اور شہید ہوگئے۔ شہادت سے قبل دشمنوں نے ان کے دونوں بازو کاٹ دیے تھے، مگر انھوں نے جھنڈا گرنے نہیں دیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی خبر جبریل کے ذریعے سنی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر رضی اللہ عنہ کو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے دو پر عطا فرما دیے ہیں اور وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ شہادت کے بعد ہی ان کو جعفر طیّار کا خطاب ملا تھا۔

عتبہ، ولید اور ابوجہل کے گھروں میں اسلام

عتبہ بن ربیعہ جو قبیلہ بنوعبدشمس کا اہم فرد اور قریش کے بڑے سرداروں میں سے تھا، اسلام کا بڑا دشمن تھا۔ اس کا بیٹا ابوحذیفہ بن عتبہ بھی سابقون الاولون میں سے ہے۔ ابوحذیفہ کے ایمان لانے کے بعد خاندان نے اس کا بائیکاٹ کر دیا، مگر انھوں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ بنومخزوم کے سپوت الولید بن الولید بن المغیرہ (حضرت خالد بن ولید کے بھائی، دونوں باپ بیٹے کا ایک ہی نام تاریخ میں مذکور ہے)، سلمہ بن ہشام (ابوجہل کے بھائی) اور عیاش بن ابی ربیعہ (ابوجہل

Marfat.com

کے ماں جائے بھائی) جب مسلمان ہوئے تو ان کے سردارانِ قبیلہ نے انھیں اذیتیں پہنچانا شروع کیں۔ جب ان پر ظلم ڈھایا گیا تو انھوں نے آپس میں ایکا کر کے کہا کہ ہم قتل بھی ہو جائیں تو اپنا دین نہیں چھوڑیں گے۔ اس پر ہشام بن مغیرہ نے کہا کہ ان میں سے کسی کو قتل نہ کرنا ورنہ میں اس کے قتل کا بدلہ لیے بغیر نہ رہوں گا۔ یعنی جان سے نہ مارنا، ویسے ان کو تنگ کرتے رہو اور اذیتیں پہنچاتے رہو۔ یہ لوگ بھی اذیتیں برداشت کرتے رہے اور حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی، مگر اسلام چھوڑنے کی ہر ترغیب کو ٹھکرا دیا اور ہر ترہیب کے جواب میں ڈٹ کر کہا کہ ہمیں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہے۔ جو چاہو کر لو، ہم مسلمان ہیں اور آخری دم تک مسلمان ہی رہیں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۳۲۰-۳۲۱)

بے مثال جوڑا

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جن کا نام عبداللہ بن عبدالاسد تھا، بنو مخزوم میں سے تھے۔ وہ جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی اہلیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا نام ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ تھا بھی داخل اسلام ہو گئیں۔ یہ بھی بنو مخزوم میں سے تھیں۔ سابقون الاولون ہونے کا شرف دونوں میاں بیوی کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ دونوں حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں بھی شامل ہیں۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم اور بے مثال جوڑا ہے جن کے واقعات پڑھ کر ایمان میں تازگی اور ایقان میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے سلمہ بن عبداللہ کی وجہ سے میاں بیوی ابوسلمہ اور ام سلمہ کے نام سے معروف ہیں۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بدر کے میدان میں زخمی ہوئے تھے۔ ان کا زخم مندمل ہو گیا، لیکن ایک سال بعد پھر اس زخم میں پیپ پڑ گئی۔ اسی کی وجہ سے ۳ھ میں ان کی شہادت ہو گئی۔ ان کی شہادت کے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور ان کو بھی ام المومنین ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

عظیم فرزند اسلام ارقم!

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی کاوشوں سے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تھے۔

Marfat.com

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے والد اسد کی کنیت ابوالارقم تھی۔اس وجہ سے وہ ارقم بن ابی الارقم کے نام سے معروف ہیں۔ یہ ابوجہل کے قبیلے بنومخزوم میں سے تھے اور ان کا گھر مکہ کے بہت بڑے گھروں میں سے ایک تھا۔اسی گھر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے ابتدائی دور میں کافروں کی دست برد سے اپنے آپ اور اپنے صحابہ کو بچا کر تعلیم وتربیت کا کام کرتے رہے۔ دارِارقم کو تاریخ میں لازوال شہرت ملی ہے۔اسی گھر میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آ کر مسلمان ہوئے تھے۔اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے والے صحابہ کو چھوڑ کر انتالیس مرد اہلِ ایمان موجود تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں چالیسویں نمبر پر شمار ہوتے ہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان سے تین روز قبل مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ، ابن ہشام کے مطابق صحابہ کی صف میں دسویں نمبر پر ہیں۔اولین ہجرت کرنے والوں میں بھی شامل ہیں۔ان کا ایک دوسرا اعزاز یہ ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حلف الفضول میں بھی شریک تھے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی بڑی پکی دوستی تھی۔ یہ اتفاق دیکھیے کہ جس روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اسی روز ان کی بھی وفات ہوئی۔ ارقم، اے عظیم فرزند اسلام! تجھے کن الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کریں۔تو نے عظمتوں کی ہر چوٹی سر کی۔رضی اللہ عنک ورضیت عنہ۔(سیرۃ ابن ہشام، القسم الاول، ص ۲۵۲-۲۵۳)

دیگر سابقون الاوّلون میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ ان کو ان کے خاندان کے بڑے سرداران شدید ایذائیں پہنچاتے تھے۔وہ ہر قسم کے ابتلا کے باوجود ایک لمحے کے لیے بھی اپنے ایمان میں متزلزل نہ ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، زبیر بن العوّام رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

خوش بخت بناتِ اسلام

مرد صحابہ کے علاوہ جو خواتین سابقون الاولون میں شامل ہیں ان میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے

Marfat.com

بعد اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہا، فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا، سمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا، لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا، ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا، عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، ام عبیس رضی اللہ عنہا، زنیرہؓ، نہدیہ اور ان کی بیٹی کے نام تاریخ میں مذکور ہیں۔ قبول اسلام کے وقت حضرت عائشہ اور بنتِ نہدیہ کی عمر تو چند سال سے زیادہ نہیں تھی۔ یہی خوش نصیب روحیں سابقون الاوّلون ہیں، یہی بہار کے پہلے پھول ہیں، رضی اللہ عنهم ورضو عنه۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

ابوجہل کی جہالت اور آنحضورؐ کی عظمت

کفار اور نماز

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے وحی آنے کے بعد کافی عرصے تک کھلے عام دعوت کا کام نہیں کیا۔ اللہ کی ہدایات کے مطابق آپؐ نے یہ حکمت اختیار کی۔ اس عرصے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں اور بیت اللہ شریف میں اسلامی طریقے کے مطابق نمازیں پڑھنا شروع کر دی تھیں۔ آپؐ نماز میں قیام اور رکوع و سجود کرتے تھے جبکہ کفار کے نزدیک نماز کے اندر ان میں سے کوئی چیز نہیں تھی۔ ان کی نماز تو سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ (الانفال ۸:۳۵) بیت اللہ کے پاس ان لوگوں کی نماز کیا ہوتی ہے؟ بس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے ہیں۔ پس اب لو، اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے اس انکارِ حق کی پاداش میں جو تم کرتے رہے ہو۔

رکوع اور سجود، حکم ربانی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام جنھوں نے اللہ کے گھر کی تعمیر کی تھی، وہ بھی اس گھر کی تعمیر کے دوران اللہ کے سامنے جو نمازیں پڑھتے تھے ان میں رکوع اور سجود سب کچھ موجود تھا۔ ہر نبی کو رکوع اور سجود کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ

Marfat.com

السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾ (البقرۃ ۲: ۱۲۵) اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو، اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک تمام انبیائے کرام کی نمازوں میں رکوع وسجود تھے۔ حضرت مریمؑ کو اللہ نے حکم دیا: یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّکِ وَاسۡجُدِیۡ وَارۡکَعِیۡ مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾ (آلِ عمران ۳: ۴۳) اے مریمؑ! اپنے رب کی تابع فرمان بن کر رہ، اس کے آگے سربسجود ہو، اور جو بندے اس کے حضور جھکنے والے ہیں ان کے ساتھ تو بھی جھک جا۔

ابوجہل کی گستاخانہ جسارت

عام قریش نے تو اسلامی طریقے کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا مگر زیادہ توجہ نہیں کی۔ البتہ ابوجہل کی رگِ جاہلیت پھڑک اٹھی۔ اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں دیکھا تو لوگوں سے کہا: کیا محمدؐ زمین پر اپنا منہ ٹکاتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ اس پر اس نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا: اگر میں نے اس کو اس طرح عبادت کرتے دیکھا تو اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور اس کا چہرہ زمین پر رگڑ دوں گا۔ ابوجہل کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ وادیٔ مکہ میں وہ جو چاہے کرسکتا ہے، کوئی اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ وقت کے فراعنہ نے ہر دور میں ایسا ہی رویہ اختیار کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان متکبرین کو ڈھیل تو دیتا ہے، مگر جب اس کی پکڑ آتی ہے تو ان کی ساری اکڑفوں کافور ہوجاتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ہر دور کے اہلِ حق کے لیے ہر قسم کے حالات میں رہنمائی موجود ہے۔

اللہ کے فرشتے

ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل نے دیکھ لیا۔ وہ اپنے اسی

Marfat.com

برے ارادے کے ساتھ اپنی مجلس سے اٹھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ کچھ فاصلے ہی پر تھا کہ یکا یک لوگوں نے اسے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے چہرے کی حفاظت کے لیے اپنے ہاتھوں سے حرکتیں کرنے لگا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تجھے یہ کیا ہو گیا تھا۔ اس نے کہا: میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی ایک خندق حائل ہو گئی تھی اور کوئی ایسی خوف ناک چیز نمودار ہوئی جس کے بہت تیز، چمک دار پر تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی نماز میں محو تھے۔ بعد میں آپؐ نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب پھٹکتا تو اللہ کے فرشتے اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ ہے جو مسند احمد، صحیح مسلم، سنن نسائی اور دیگر محدثین نے نقل کی ہے۔ اللہ کے لشکر تو ہر وقت زمین و آسمان کے ہر چپے پر اس کے احکام کی بجا آوری کے لیے مستعد اور کمر بستہ رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوجہل نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دی کہ میں نے اگر تمھیں بیت اللہ میں اس طرح نماز پڑھتے دیکھ لیا تو تیری گردن پر پاؤں رکھ کر رگڑ دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر اس دشمن خدا نے یہ حرکت کی تو اللہ کے فرشتے سب کی آنکھوں کے سامنے اسے آ پکڑیں گے۔ (بحوالہ: بخاری، ترمذی، نسائی)۔

جھوٹی پیشانی والا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی ایک اور روایت ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم پر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل ادھر آ نکلا اور اس نے کہا: اے محمدؐ! کیا میں نے تم کو اس کام سے منع نہیں کیا تھا؟ پھر اس نے دھمکیاں دینا شروع کیں۔ اس کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑے سخت لہجے میں اسے جھڑکا۔ (اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ) وہ اور تو کچھ نہ کر سکا، البتہ یہ دھمکی دی: محمدؐ! تم کس بل بوتے پر مجھے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم! اس وادی میں میرے حمایتی سب سے زیادہ ہیں۔ سورۃ العلق کی آخری آیات اسی مضمون

Marfat.com

کو بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰیۙ۝۹ عَبْدًا اِذَا صَلّٰیؕ۝۱۰ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤیۙ۝۱۱ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰیؕ۝۱۲ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰیؕ۝۱۳ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰیؕ۝۱۴ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ ﳔ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِۙ۝۱۵ نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍۚ۝۱۶ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗۙ۝۱۷ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَۙ۝۱۸ (العلق ۹۶: ۹-۱۸) تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھتا ہو؟ تمھارا کیا خیال ہے اگر (وہ بندہ) راہِ راست پر ہو یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو؟ تمھارا کیا خیال ہے اگر (یہ منع کرنے والا شخص حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہو؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ہرگز نہیں اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے، اس پیشانی کو جو جھوٹی اور سخت خطا کار ہے۔ وہ بلالے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے۔

(البدایة و النهایة، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۲)

مفسرین کے یادگار کارنامے

تفسیر ابن کثیر میں علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے ان آیات کی تشریح میں ابوجہل کا پورا واقعہ نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے۔ اسی طرح سید مودودیؒ نے بھی سورۃ العلق کے شانِ نزول میں اس پورے واقعہ کا جامع خلاصہ پیش کیا ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اس تاریخی واقعہ کی تمام تفاصیل نہایت خوب صورت انداز میں سورۃ العلق کی تفسیر میں قلمبند کی ہیں۔ شائقین کے لیے ان تمام تفاسیر میں بہت قیمتی علمی ہیرے جمع کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مفسرین و محدثین کو ان عظیم الشان کاموں پر بہترین اجر عطا فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر، المجلد السابع، دارالاندلس، بیروت، ص ۳۲۷-۳۲۹، تفہیم القرآن، جلد ششم، دیباچہ سورۃ العلق، ص ۳۹۴-۳۹۵، معارف القرآن، جلد ہشتم، تفسیر سورۃ العلق، ص ۷۸۸-۷۸۹)

Marfat.com

اراشی اور ابوجہل

اسی طرح آغازِ اسلام کے زمانے میں ایک اور بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ اراش کے علاقے سے ایک تاجر مکہ آیا، وہ اپنا اونٹ بیچنا چاہتا تھا۔ اس نے ابوجہل کے ساتھ اپنے اونٹ کا سودا کیا۔ قیمت طے ہوگئی، ابوجہل نے اونٹ لے لیا، مگر جب اجنبی آدمی نے قیمت کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کر دیا اور اسے جھڑکیاں دیں۔ وہ بیچارہ پریشان ہوگیا کہ اب کیا کرے۔ آخر بیت اللہ میں گیا اور قریش کی مجلس میں جا کر اس نے کہا: یامعشر قریش! من رجل یُعْدِیْنِی علیٰ ابی الحکم بن هشام؟ فانی غریب و ابن سبیل و قد غلبنی علی حقی۔ اے سردارانِ قریش! آپ میں سے کون ابوالحکم بن ہشام سے میرا حق دلوائے گا؟ میں اجنبی اور مسافر ہوں اور اس نے (مجھ پر رعب جما کر) میرا حق چھین لیا ہے۔ اہلِ مجلس کو شرارت سوجھی، انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے کہا: وہ شخص جو حرم کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے اس کے پاس چلے جاؤ اور اپنی مشکل بیان کرو، وہی تمھارا حق دلوا سکتا ہے۔ (البدایة و النهایة، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۳)

میں ہوں محمدؐ!

اجنبی مسافر ان کی بات سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا اور اپنی مشکل بیان کی۔ اس دوران اہلِ مجلس نے ایک شخص کی ذمہ داری لگائی کہ وہ جا کر دیکھے کہ ابوجہل کے ہاتھوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزرتی ہے؟ یہ اجنبی مسافر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنی مشکل بیان کی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بلا جھجک اس کے ساتھ ابوجہل کے گھر کی طرف چل پڑے۔ اب اہلِ مجلس منتظر تھے کہ اب دیکھیں کیا بنتا ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اراشی کی بات سنی، پھر اس کو ساتھ لیے ہوئے ابوجہل کے دروازے پر پہنچے اور دستک دی۔ اس نے کہا کون؟ آپؐ نے فرمایا: میں ہوں محمدؐ، ذرا باہر نکلیے۔ وہ اپنے گھر سے باہر نکلا اور دروازہ کھولا تو اس کا چہرہ یوں فق ہوگیا گویا اس میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اعطِ هذا الرجل حقه۔ یعنی اس شخص کا حق اسے ادا کردو۔ یہ سن کر ابوجہل گھر کے اندر گیا

Marfat.com

اور اونٹ کی طے شدہ قیمت پوری کی پوری لاکر اراشی کے حوالے کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد مخبر مجلس میں پہنچا تو لوگوں نے اس سے پوچھا: بتاؤ بھئی کیسا رہا؟ تو اس نے کہا: عجبا من العجب۔ خدا کی قسم! آپ کو کیا بتاؤں ایسی عجیب صورت حال میں نے دیکھی کہ بیان کرنا مشکل ہے۔ محمدؐ نے ابوالحکم سے کہا کہ اس شخص کا حق ادا کر دو تو اس نے بلا چوں چرا اس کا حق ادا کر دیا۔ اسی دوران وہ اراشی بھی مجلس میں آ پہنچا اور اس نے لوگوں کو بھی دعائیں دیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا: جزاہ اللہ خیراً۔ اللہ اسے جزائے خیر دے کہ اس نے میرا حق دلوا دیا۔

بزدل کہیں کا!

کچھ دیر کے بعد ابوجہل جب مجلس میں آیا تو لوگوں نے کہا: تمھارا بیڑا غرق ہو یہ تمھیں کیا ہوگیا کہ ہم نے تو تمھیں اتنا بزدل کبھی نہیں پایا تھا، جتنا تم نے اپنے آپ کو آج ظاہر کیا۔ اس نے کہا: تمھارا ستیاناس ہو۔ خدا کی قسم! جوں ہی اس نے میرے دروازے پر دستک دی اور میں نے اس کی آواز سنی تو میرے اوپر عجیب رعب طاری ہوگیا۔ جب میں اس کے سامنے آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے سر کے اوپر فضا میں ایک سانڈھ اونٹ معلّق ہے۔ میں نے آج تک اتنی خوفناک چیز نہیں دیکھی۔ اس کی کوہان، اس کے جبڑے اور اس کے دانت اتنے خوفناک تھے کہ بخدا مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ مجھے چبا ڈالے گا۔ (البدایۃ و النھایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۸۳)

معجزات اور ابتلا

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے وہ معجزے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اب آپ دیکھیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اپنے نبی کی حفاظت ملائکہ کے ذریعے سے یوں فرمائی کہ دشمن بری طرح سے پسپا ہوگیا۔ لیکن اس کارِ نبوت کی ادائیگی میں وہ منزلیں بھی آئیں جب اللہ کے نبی کو سخت ترین آزمائش و ابتلا میں سے گزرنا پڑا۔ طائف کا بازار ہو، یا شعب ابی طالب، احد کا میدان ہو یا حنین کا معرکہ، ہر مقام پر اللہ کے نبیؐ ناقابل بیان مشکلات سے دوچار ہوئے۔ یہاں بھی اللہ چاہتا تو ان مشکلات کو ٹال دیتا، مگر اللہ کے نبی کو قیامت کے دن تک لوگوں کے لیے اسوۂ حسنہ کے طور پر رہنمائی کرنا تھی۔ اس لیے اللہ نے اپنے نبی کو ایسی کٹھن

Marfat.com

گھاٹیوں سے گزارا کہ ان کی اتباع کرنے والے یہ نہ کہیں کہ آپؐ پر تو کبھی کوئی آزمائش آئی ہی نہ تھی، ہم آزمائشوں کا مقابلہ کیسے کریں؟

استقامت اور سکینت

انبیائے کرام کو معجزات عطا کیے جاتے تھے۔ سیدنا محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں، آپؐ کے بعد نبوت بھی ختم اور معجزات بھی، البتہ کرامات کا سلسلہ جاری ہے۔ اہلِ حق پر ہر دور میں آزمائشیں آتی رہیں۔ آج کا دور بالخصوص امت مسلمہ کے بعض حصوں پر بہت بھاری ہے۔ مصر و شام، بنگلہ دیش، کشمیر، غزہ و فلسطین، میانمار (برما) ہر جگہ کلمہ گو اور اسلامی تحریکوں کے قائدین و کارکنان ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ان حالات میں جو لوگ ثابت قدم ہیں وہ اس سکینت کی وجہ سے ہیں جو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر نازل کی جاتی ہے۔ اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح الفاظ میں یوں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ (حٰمٓ السجدۃ ۴۱: ۳۰-۳۲)

جن لوگوں نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمھیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمھاری ہوگی، یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

عتبہ بن ربیعہ کی آنحضورؐ سے ملاقات

کفار کی پریشانی

جب مکہ میں کفر اور اسلام کے درمیان کش مکش زوروں پر پہنچی تو قریش نے محسوس کیا کہ ان کے تمام مظالم کے باوجود خود ان کے اپنے گھروں سے، ان کے بچے اور بچیاں اسلام کی طرف کھنچے چلے جارہے ہیں۔ جہاں اہلِ ایمان مظالم کی وجہ سے تنگی میں تھے، وہیں اسلام کی پیش قدمی کے نتیجے میں اہلِ کفر کی صفوں میں بھی شدید بے چینی اور اضطراب تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام تو کفار پر بجلی بن کر گرا۔ ان حالات میں کفار کی مجلس میں ایک دن گفتگو ہو رہی تھی۔ تمام سردار دارالندوہ میں بیٹھے ہوئے تھے جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کے ایک جانب اکیلے تشریف فرما تھے۔ اچانک عتبہ بن ربیعہ کو ایک خیال سوجھا۔ اس نے کہا: یامعشر قریشٍ الّا اقوم الیٰ محمدٍ فاکلمه...... اے سردارانِ قریش! کیا یہ مناسب نہیں کہ میں محمدؐ کے پاس جاؤں اور اس سے بات چیت کروں، تاکہ اسے اس کام سے روکا جائے جس کا بیڑا اس نے اٹھا رکھا ہے؟ انھوں نے کہا: بَلٰی یا ابا الولید، قُم الیه فکلمه۔ ہاں اے ابوالولید! اچھی بات ہے جاؤ اور اس سے بات کر کے افہام و تفہیم کا کوئی راستہ نکالو۔

سودے بازی؟

عتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کے پاس بیٹھ کر کہا اے میرے بھتیجے! تو جانتا ہے کہ پوری قوم کے درمیان تیری بڑی عزت تھی اور تو نسب کے لحاظ سے بھی بہت اعلیٰ مقام پر ہے۔ اب تو اپنی قوم کے پاس ایک ایسی سخت بات لے کر آیا ہے جس کے نتیجے میں تو نے ان

Marfat.com

کے اندر تفرقہ ڈال دیا ہے۔ تو اپنی قوم کے خداؤں کا انکار کرتا ہے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو کفر قرار دیتا ہے۔ گویا وہ سب کے سب گمراہ تھے۔ میری بات غور سے سنو میں تمھارے سامنے ایک پرکشش پیش کش کر رہا ہوں شاید تم اسے قبول کرلو اور مسائل حل ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کی بات غور سے سنی اور فرمایا: قل یا ابا الولید اسمع۔ اے ابوالولید! جو کہنا چاہتے ہو کہیے میں ضرور تمھاری بات سنوں گا۔ عتبہ نے کہا: اے بھتیجے! تیری قوم نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے کہ اگر تو کثرت مال چاہتا ہے تو ہم تیرے لیے اتنا مال فراہم کردیتے ہیں کہ تو سب سے زیادہ امیر ہو جائے، اگر تو سرداری چاہتا ہے تو ہم تجھے سردار مان لیتے ہیں اور اگر تو محسوس کرتا ہے کہ تجھے کوئی بیماری لاحق ہوگئی ہے یا کسی جن نے تمھارے اوپر کوئی اثر ڈالا ہے تو ہم تیرے علاج معالجے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس میں جتنا مال خرچ ہوگا ہم لگا دیں گے، یہاں تک کہ تو شفا پا جائے۔ اگر تو کسی بھی خاتون سے شادی کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کا اہتمام کیے دیتے ہیں۔ اس کے بدلے میں ہم تم سے توقع رکھتے ہیں کہ تم اس کام کو چھوڑ دو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالولید! تم نے اپنی پوری بات کرلی ہے یا کچھ مزید بھی کہنا ہے؟ اس نے کہا: بس میں نے اپنی بات پہنچا دی۔ آپؐ نے فرمایا: میرا جواب سنو۔ یہ کہہ کر آپ نے سورۂ حٰمٓ السجدہ کی تلاوت شروع کی۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۲۹۳-۲۹۴، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، دارالکتب علمیہ بیروت، ص ۴۲۸-۴۲۹، البدایۃ والنھایۃ، ج ۱، طبع دار ابن حزم، بیروت، ص ۴۹۳-۴۹۴)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

سید مودودیؒ نے سورۂ حٰمٓ السجدہ کے دیباچے میں اس پورے واقعہ کو نہایت موثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر تلاوت شروع کی اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا۔ آیت سجدہ (آیت ۳۸) پر پہنچ کر آپؐ نے سجدہ کیا، پھر

Marfat.com

سر اٹھا کر فرمایا: اے ابوالولید! میرا جواب آپ نے سن لیا، اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ عتبہ اٹھ کر سردارانِ قریش کی مجلس کی طرف چلا تو لوگوں نے دور سے اس کو دیکھتے ہی کہا: خدا کی قسم عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے، یہ وہ صورت نہیں جسے وہ لے کر گیا تھا۔ پھر جب وہ آ کر بیٹھا تو لوگوں نے کہا: کیا سن آئے؟ اس نے کہا: بخدا! میں نے ایسا کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا۔ خدا کی قسم! نہ یہ شعر ہے، نہ سحر ہے نہ کہانت۔ اے سردارانِ قریش! میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام کچھ رنگ لا کر رہے گا۔ فرض کرو، اگر عرب اس پر غالب آ گئے تو اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے تم بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے۔ لیکن اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی تمھاری بادشاہی اور اس کی عزت تمھاری عزت ہوگی۔ سردارانِ قریش اس کی یہ بات سنتے ہی بول اٹھے: ولید کے ابا! آخر اس کا جادو تم پر بھی چل گیا۔ عتبہ نے کہا: میری جو رائے تھی وہ میں نے تمھیں بتا دی، اب تمھارا جو جی چاہے کرتے رہو۔ (ابن ھشام، ج ۱، ص ۳۱۳، ۳۱۴)

صداقت کا اعتراف

اس قصے کو متعدد دوسرے محدثین نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے، جن میں تھوڑا بہت لفظی اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضور تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے: فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿۱۳﴾ [حٰم السجدۃ ۴۱: ۱۳] (اب اگر لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تمھیں عاد اور ثمود کے عذاب جیسے ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں) تو عتبہ نے بے اختیار آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: خدا کے لیے اپنی قوم پر رحم کرو۔ بعد میں اس نے سردارانِ قریش کے سامنے اپنے اس فعل کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ لوگ جانتے ہیں محمدؐ کی زبان سے جو بات نکلتی ہے پوری

Marfat.com

ہو کر رہتی ہے، اس لیے میں ڈر گیا کہ کہیں ہم پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔ [تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۹۰-۹۱] (تفہیم القرآن، ج ۴، دیباچہ سورہ حٰم السجدۃ، ص ۴۳۴-۴۳۵) گویا بدترین دشمن کو بھی یہ اعتراف تھا کہ محمد ﷺ جو بات زبان سے نکالتے ہیں وہ بے وزن اور بے بنیاد نہیں ہوتی، بلکہ سچی اور محکم ہوتی ہے۔

بعض روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عتبہ بن ربیعہ نے بھی سجدہ کیا۔ جب اسے قریش کے سرداروں نے اس پر عار دلائی تو اس نے کہا: ''یامعشر قریش قد سمعت قولاً واللہ ماسمعت مثلہ قط واللہ ماھو بالشعر ولا بالسحر ولا بالکھانۃ۔ اے سردارانِ قریش! خدا کی قسم آج جو میں نے کلام سنا ہے اس جیسا کلام اس سے قبل میں نے کبھی نہیں سنا۔ خدا کی قسم! وہ شعر نہیں، نہ ہی جادوگری ہے اور نہ ہی کہانت۔'' یعنی وہ اس بات کو بیان کر رہا تھا کہ اس کلام کے اندر اتنی تاثیر ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں اور اس کی تاثیر سے اس نے بلا سوچے سمجھے اپنا سر سجدے میں رکھ دیا۔

پیش کش کا جواب

عتبہ کی پیش کش کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آیات پڑھی ہیں ان میں واضح طور پر اللہ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اسلام کے اس دعوتی کام میں کوئی سودے بازی ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿٣٢﴾ (حٰم السجدہ ۴۱: ۳۰-۳۲)

جن لوگوں نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے اور وہ پھر اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر

Marfat.com

فرشتے نازل ہوتے ہیں اوران سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمھیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمھاری ہوگی، یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔

اہلِ ایمان کی استقامت پر ملنے والے انعامات کا تذکرۂ ایمان افروز کرنے کے بعد داعی، دعوت اور اس دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے طریقۂ کار پوری جامعیت کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ یہ کام بڑا صبر آزما ہے، مگر جو اس راستے کا راہی بن جائے اس کی خوش قسمتی پر خود قرآن گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۳۳-۳۵)

اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اے نبیؐ! نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی، مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔ اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

مشیّت الٰہی

اللہ تعالیٰ کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔ عتبہ نے کئی مواقع پر ایسی باتیں کہیں، جس سے اس کی

Marfat.com

عقل و دانش بھی ظاہر ہوتی ہے اور صلح جوئی وصلہ رحمی کا بھی احساس ہوتا ہے، مثلاً اوپر جو واقعہ بیان ہوا ہے اس میں عتبہ کا مشورہ کتنا صائب تھا۔ اسی طرح بدر کے میدان میں جب یہ سب لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر آئے تو آپؐ نے لشکر کفار کی طرف دیکھا۔ عتبہ نے اپنے سر پر سرخ عمامہ پہن رکھا تھا اور اس وقت وہ ایک قیمتی سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ان یکن فی احد من القوم خیر فعند صاحب الجمل الاُحمر ان یطیعوہ یرشدوا۔ یعنی اس سارے لشکر میں اگر کسی کے اندر کوئی خیر اور بھلائی ہے تو سرخ اونٹ والے کے پاس ہی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ لوگ اس کی بات مان لیں تو راہِ راست پر آ جائیں۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۶۲۱)

حکیمانہ تجویز، جاہلانہ جواب

اس موقع پر حکیم بن حزام نے بھی عتبہ سے بات کی اور کہا کہ عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا ہے تیرا حلیف تھا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تو اس کا خون اپنے ذمے لے لے اور سب لوگوں کو مشورہ دے کہ لڑے بغیر واپس چلے جائیں۔ عتبہ نے اس کی بات سنی تو اس نے کہا: یہ بات درست ہے۔ اس لیے میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ہو گی تو ہمیشہ کے لیے باہمی نفرت وکراہت دلوں کے اندر رہے گی۔ ہر شخص کہے گا کہ فلاں نے میرے بھائی، باپ، بیٹے، بھتیجے یا بھانجے کو قتل کیا ہے، میں اسے کیونکر معاف کر سکتا ہوں۔ اس لیے عقل مندی اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ جنگ نہ کی جائے۔ ابوجہل تک جب یہ بات پہنچی تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے جل بھن کر کہا کہ عتبہ کی بزدلی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ وہ راہِ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اس کا بیٹا (ابوحذیفہ) دوسری صف میں ہے اور وہ اس کی وجہ سے بھی کمزوری دکھا رہا ہے۔ اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں کہ اس پر محمدؐ کا جادو کام کر گیا ہے، مگر ہم تو اس گروہ کا خاتمہ کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ ساتھ ہی اس نے پرجوش انداز میں کہا: کلا واللّٰہ لا نرجع حتّٰی یحکم اللّٰہ بیننا وبین محمد۔ خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک ہمارے اور محمدؐ کے درمیان اللہ

Marfat.com

فیصلہ نہ کر دے۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۶۲۲ - ۶۲۳) حکیمانہ تجویز کا جواب جس جہالت کے ساتھ دیا گیا، بد بخت قوم نے اسی کو قبول کیا اور حکمت و دانائی کو مسترد کر دیا۔

حمیّتِ جاہلیہ

جب عتبہ نے ابوجہل کی یہ بات سنی تو اس کی بھی حمیت جاہلیہ بھڑک اٹھی۔ اس نے کہا: حنظلیہ کا بیٹا اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ جب لڑائی شروع ہو گی تو قوم دیکھے گی کہ کس نے اپنی تلوار کے جوہر دکھائے ہیں۔ حنظلیہ ابوجہل کی والدہ کا نام ہے۔ اس کا نام اسماء بنت محرّبہ تھا اور اس کے آباؤ اجداد میں دارم بن مالک بن حنظلہ کا نام آتا ہے۔ اسی حنظلہ کی طرف نسبت سے ابوجہل کی ماں حنظلیہ بھی مشہور تھی۔ پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹے ولید بن عتبہ کے ساتھ سب سے پہلے عتبہ ہی میدان جنگ میں اترا۔ بے چارہ بدنصیب تھا ورنہ اس نے کئی مواقع پر جو باتیں کہیں انھیں پڑھتے ہوئے دل میں خیال گزرتا ہے کہ وہ ہدایت کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔ حکیم بن حزام تو خوش نصیب تھا کہ عتبہ سے بات کرنے کے بعد اس نے کہا: میں تو اس لڑائی کا حصہ نہیں بنوں گا۔ پھر وہ واپس مکہ چلا گیا اور فتح مکہ کے وقت اسے اسلام کی توفیق اور درجۂ صحابیت کی سعادت مل گئی۔ وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا چچیرا بھائی تھا۔ (ایضاً)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

کفارِ مکہ کی عصبیت جاہلیہ

معاندینِ حق کو چیلنج

حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار قرآن سن کر لاجواب ہو جاتے تھے، مگر عصبیت جاہلیہ انھیں حقیقت کو قبول کرنے کی بجائے انکار کے راستے پر ڈال دیتی تھی۔ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ان معاندینِ حق کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ انسانی کلام ہے تو پھر اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ اور اپنے تمام مددگاروں کو اپنے ساتھ شامل کر لو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان ہی نہیں جن بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں تو اس قرآن کی مثل ایک چھوٹی سی سورت بھی نہیں لا سکتے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۸)

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

سورۂ ہود میں فرمایا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ (ہود ۱۱:۱۳-۱۴)

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو، اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی

Marfat.com

ہوئی دس سورتیں تم بنالاؤ اور اللہ کے سوا اور جو جو (تمھارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلالو، اگر تم (انھیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو۔ اب اگر وہ (تمھارے معبود) تمھاری مدد کو نہیں پہنچتے تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ پھر کیا تم (اس امرِ حق کے آگے) سرِتسلیم خم کرتے ہو؟

یہاں دس سورتوں کا چیلنج دیا گیا ہے جس کے جواب میں منکرینِ حق بے بس ہو گئے۔ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چلو دس نہیں تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۸﴾ (یونس ۱۰:۳۸)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو، اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورت اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلالو۔

کلام اللہ کا مقابلہ خلق کے بس میں کہاں

مندرجہ بالا تینوں سورتیں مکی ہیں۔ مدنی سورتوں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین اور اہلِ کتاب کو چیلنج کیا ہے کہ وہ سب مل کر اس سوال کا جواب دے دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ ہرگز کبھی اس کا جواب نہیں دے پائیں گے۔ یہ چیلنج قیامت کے دن تک ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوۡا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾ (البقرۃ ۲:۲۳-۲۴)

اور اگر تمھیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلالو،

Marfat.com

ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو، مدد لے لو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے تو ڈرو اس آگ سے، جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر، جو مہیا کی گئی ہے منکرینِ حق کے لیے۔

عجمی اور عربی مبین؟

جب یہ لوگ بے بس ہو گئے تو اپنا جھوٹا پراپیگنڈہ پھر بھی نہ چھوڑا۔ کبھی کہتے کہ محمدؐ بن عبداللہ پر جن حاوی ہو گئے ہیں جو اس کی زبان سے یہ کلام ادا کراتے ہیں۔ کبھی کسی انسان کی طرف یہ کلام منسوب کر دیتے اور بڑی بے شرمی کے ساتھ بعض غیر عرب شخصیتوں کا نام لیتے کہ وہ محمدؐ کو یہ پٹی پڑھاتے ہیں۔ قرآن نے ان کے اس لغو الزام کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ سورۂ النحل میں ارشاد ربانی ہے:

وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ (النحل ۱۶: ۱۰۱-۱۰۳)

جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں......اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے......تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھڑتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ان سے کہو کہ اسے تو روح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور فرمان برداروں کو زندگی کے معاملات میں سیدھی راہ بتائے اور انھیں فلاح و سعادت کی خوش خبری دے۔ ہمیں معلوم ہے یہ لوگ تمھارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے، حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے

Marfat.com

اس کی زبان عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔

جھوٹ کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی اس لیے وہ پینترے بدلتا رہتا ہے۔ یہ غیر عرب کون تھا جو مشرکین کے خیال میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھاتا تھا، اس کے بارے میں بھی وہ مختلف اوقات میں مختلف اشخاص کے نام لیتے تھے۔ ابن کثیر، ابن ہشام اور ابن سعد سبھی نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور سب نے ان ناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

عجمی کون تھا؟

روایات میں مختلف اشخاص کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ کفارِ مکہ ان میں سے کسی پر یہ گمان کرتے تھے۔ ایک روایت میں اس کا نام جبؔر بیان کیا گیا ہے جو عامر بن الحضرمی کا ایک رومی غلام تھا۔ دوسری روایت میں حویطب بن عبدالعزیٰ کے ایک غلام کا نام لیا گیا ہے جسے عائش یا یعیش کہتے تھے۔ ایک اور روایت میں یسار کا نام لیا گیا ہے جس کی کنیت ابو فکیہہ تھی اور جو مکہ کی ایک عورت کا یہودی غلام تھا۔ ایک اور روایت بلعان یا بلعام نامی ایک رومی غلام سے متعلق ہے۔ بہرحال ان میں سے جو بھی ہو، کفار مکہ نے محض یہ دیکھ کر کہ ایک شخص توراۃ و انجیل پڑھا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ سلم کی اس سے ملاقات ہے، بے تکلف یہ الزام گھڑ دیا کہ اس قرآن کو دراصل وہ تصنیف کر رہا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے اپنی طرف سے خدا کا نام لے لے کر پیش کر رہے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین آپ کے خلاف افترا پردازیاں کرنے میں کس قدر بے باک تھے، بلکہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ لوگ اپنے ہم عصروں کی قدر و قیمت پہچاننے میں کتنے بے انصاف ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے تاریخ انسانی کی ایک ایسی عظیم شخصیت تھی جس کی نظیر نہ اس وقت دنیا بھر میں کہیں موجود تھی اور نہ آج تک پائی گئی ہے۔ مگر ان عقل کے اندھوں کو اس کے مقابلے میں ایک عجمی غلام، جو کچھ

Marfat.com

توراۃ وانجیل پڑھ لیتا تھا، قابل نظر آ رہا تھا اور وہ گمان کر رہے تھے کہ یہ گوہرِ نایاب اس کوئلے سے چمک حاصل کر رہا ہے۔(تفہیم القرآن، ج ۲ ص ۵۷۳-۵۷۴)

قرآن کی اثر آفرینی

اخنس بن شریق مکہ میں مقیم تھا، مگر نسلاً بنو ثقیف میں سے تھا اور بنو زہرہ کا حلیف تھا۔ مکہ کے بااثر لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور ابوسفیان کی دوستی تھی۔ یہ تینوں اسلام کے خلاف تھے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ رات کے وقت جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تہجد کے لیے اٹھتے اور قدرے بلند آواز میں قرآن کی تلاوت فرماتے تو یہ تینوں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت باہر بیٹھ کر سنتے۔ مورخ ابن ہشام کے بقول تینوں الگ الگ مقامات پر بیٹھ کر تلاوت سنا کرتے تھے اور کسی ایک کو بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی تلاوت سن رہا ہے۔ فاخذ کل رجل منهم مجلسا یستمع فیه، وکل لایعلم بمکان صاحبه، فباتوا یستمعون له، حتی اذا طلع الفجر تفرقوا...... یعنی یہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر قرآن سنتے تھے اور کسی کو بھی دوسرے کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا تھا۔ طلوع فجر کے قریب یہ اٹھ کے چلے جاتے...... پس ایک دن راستے میں ایک دوسرے سے ملے اور ہر ایک نے دوسرے کو ملامت کی اور کہا یہ کام بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ہمارے بے وقوف لوگوں کو اس کا علم ہو گیا تو وہ دیوانہ وار اسلام قبول کرلیں گے۔ (سیرۃ ابن ھشام، القسم الاول، ص ۳۱۵)

یہ عہد و پیمان کرنے کے باوجود اگلی رات پھر ہر ایک قرآن سننے کے لیے نکلا۔ تین راتیں اسی طرح سے گزریں۔ تیسرے دن آپس میں انھوں نے کہا: لانبرحُ حتی نتعاهد الّا نعود: فتعاهدوا علی ذالک، ثم تفرقوا۔ یعنی اب ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ معاہدہ نہ کرلیں کہ آئندہ یہ حرکت نہیں کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ آج کے بعد ہم میں سے کوئی بھی قرآن سننے کے لیے نہیں آئے گا۔ (ایضاً ص ۳۱۵)

Marfat.com

خاندانی عصبیت وحسد

یہ سب کچھ ہوگیا تو اگلے دن اخنس بن شریق نے اپنا عصا پکڑا، ابوسفیان کے پاس آیا اور اس سے کہا: اے ابوحنظلہ! مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ محمدؐ سے جو کچھ تم نے سنا اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: ابوثعلبہ! مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ اس کلام میں کیا کہا گیا ہے۔ یہ سن کر اخنس بن شریق نے کہا: خدالگتی کہو یہ تو بے مثل کلام ہے۔ اس کے بعد یہ دونوں ابوجہل کے گھر گئے۔ اخنس نے اس سے بھی وہی سوال کیا جو ابوسفیان سے کیا تھا۔ اصل سوال کا جواب دینے کی بجائے ابوجہل نے غصے میں آکر کہا: ہم نے بنی عبد مناف کا ہر میدان میں مقابلہ کیا ہے اگر انھوں نے بہادری کے کارنامے سرانجام دیے ہیں تو ہم اس میدان میں ان سے آگے نکل گئے ہیں۔ حاجیوں کی خدمت اور مہمانوں کی ضیافت اگر انھوں نے کی تو ہم نے ان سے بڑھ کر کی۔ اگر انھوں نے لوگوں کو سواریاں فراہم کیں تو ہم نے بھی یہ کام کیا۔ اب وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے درمیان ایک نبی آگیا ہے۔ ہم ہرگز اس بات کو قبول نہیں کریں گے۔ اگر ہم اسے نبی مان لیں تو پھر ہماری سرداری کہاں رہے گی۔ (البداية والنهاية، ج ۱، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۴۹۴-۴۹۵)

پہلی نظر

حضرت مغیرہ بن شعبہ جو طائف کے رہنے والے ثقفی تھے، مکہ آئے اور ابوجہل کے ساتھ ملاقات کی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابوجہل کے ساتھ ایک راستے پر جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک نوجوان آتا ہوا مجھے نظر آیا۔ قریب آکر اس نے کہا: یاابالحکم، هلم الی الله والیٰ رسوله، ادعوک الی الله۔ یعنی اے ابوالحکم! اللہ اور اس کے رسول کی طرف آجاؤ میں تمھیں اللہ ہی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ یہ سن کر ابوجہل غصے سے تلملا اٹھا اور اس نے کہا: اے محمد! تم وہی تو ہو جو ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو، تم مجھ سے توقع رکھتے ہو کہ میں تمھاری تصدیق کروں۔ سن لو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے پہلی مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی

Marfat.com

موقع پر دیکھا تھا۔ وہ پہلی نظر اتنی متاثر کن تھی کہ یہ ثقفی سردار زندگی بھر اسے فراموش نہ کرسکا۔ (ایضاً، ص ۴۹۵)

احمقانہ تمسخر

ایک اور واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ مکہ میں کسی مقام پر ابوجہل اور ابوسفیان بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ سلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ کو دیکھ کر ابوجہل نے ازراہِ تمسخر ابوسفیان سے کہا: اے بنوعبدشمس! کیا یہ نوجوان، تم میں سے نبی مبعوث ہوا ہے؟ چونکہ ابوسفیان کا نسب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عبدمناف پر مل جاتا تھا۔ اس لیے ابوجہل نے اس سے یہ بات کی۔ ابوسفیان بھی ابوجہل کی طرح اس وقت تک منکر حق تھا، لیکن اس موقع پر اس کی رگِ حمیت جاگ اٹھی اور اس نے کہا: تمھیں ہمارے درمیان نبی کے مبعوث ہونے پر کیوں تعجب ہے؟ کیا تمھارے خیال میں نبی ان لوگوں کے درمیان آنا چاہیے تھا جو ہم سے کم تر درجے اور مقام کے حامل ہیں؟ ابوجہل نے کہا: واہ ابوسفیان! سب بزرگوں کو چھوڑ کر ایک لڑکے کو اس مقام پر فائز کیا گیا ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سنیں اور فرمایا: اے ابوسفیان! تم نے یہ بات اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی وجہ سے نہیں کہی بلکہ اپنی غیرت وحمیت کی وجہ سے کہی ہے۔ پھر ابوجہل سے کہا: اے ابوالحکم! خدا کی قسم عن قریب وہ وقت آئے گا کہ تو بہت کم ہنسے گا اور بہت زیادہ روئے گا۔ (ایضاً، ص ۴۹۵)۔

سورۃ الفرقان کی آیت ۴۱، ۴۲ میں ابوجہل اور اس کے دیگر ساتھیوں ہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ (الفرقان ۲۵: ۴۱-۴۲)

یہ لوگ جب تمھیں دیکھتے ہیں تو تمھارا مذاق بنالیتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہ شخص ہے جسے

Marfat.com

خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اس نے تو ہمیں گمراہ کر کے ہمارے معبودوں سے برگشتہ ہی کر دیا ہوتا اگر ہم ان کی عقیدت پر جم نہ گئے ہوتے۔ اچھا، وہ وقت دور نہیں ہے جب عذاب دیکھ کر انھیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہی میں دور نکل گیا ہے۔

اسی کشمکش میں اسلام کے قدم مسلسل آگے بڑھ رہے تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ظلم وستم کی چکی بھی چل رہی تھی۔ جادۂ حق پر قدم رکھنے والوں کی استقامت نے سب کو یہ پیغام دے دیا تھا کہ حق مغلوب ہونے کے لیے نہیں بلکہ غالب ہونے کے لیے آیا ہے۔ **الاسلام یعلو ولا یعلی** کا منظر پوری دنیا نے دیکھا، مگر آغازِ وحی کے زمانے میں حالات اتنے کٹھن تھے کہ اللہ کے بندے بھی پکار اٹھے: مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ ؕ یعنی اللہ کی مدد کب آئے گی اور اللہ تعالیٰ کا جواب آیا: اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ۔ یعنی ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔

--❀--❀--❀--

Marfat.com

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رکانہ سے کشتی

دعوتِ اسلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا ایک نوجوان پورے عرب میں اپنی طاقت اور کشتی میں مہارت کی وجہ سے معروف تھا۔ اس کے مقابلے پر کشتی کے میدان میں جو بھی اترا، اس نے اسے چاروں شانے چت گرادیا۔ اس کا نام تاریخ میں رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبدمناف بیان ہوا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قوت وطاقت سے بخوبی واقف تھے اور آپؐ چاہتے تھے کہ یہ نوجوان ہدایت سے بہرہ ور ہوجائے۔ ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے قریب ایک گھاٹی میں اسے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا: یا رکانہ، الّا تتقی اللّٰہ وتقبل ماادعوک الیہ؟ یعنی اے رکانہ! کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا اور میں جو دعوت دیتا ہوں اسے قبول نہیں کرتا؟ رکانہ نے جواب دیا کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپؐ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے تو میں آپ کی اتباع کرتا۔ آپؐ نے فرمایا: اے رکانہ! میں نے اپنی دعوت تو واضح طور پر آپ لوگوں کے سامنے پیش کردی ہے۔ اب کیا میں تم سے کشتی لڑوں اور اگر تمھیں پچھاڑ دوں تو تب مانو گے کہ میں جو دعوت دیتا ہوں وہ حق ہے؟

پہلوان سے مقابلہ

رکانہ نے آپ کی بات سنی تو سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کہنے لگا کہ ٹھیک ہے اگر تم کشتی میں مجھے پچھاڑ دو تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقم حتّٰی اصارعک۔ اچھا پھر اٹھو اور میرے ساتھ کشتی لڑو۔ رکانہ یہ بات سن کر حیران ہوا کہ میرے

Marfat.com

مقابلے پر محمدؐ کیا کشتی لڑیں گے۔ آپ کا چیلنج سن کر وہ اٹھا۔ آپؐ نے اسے ایسا قابو کیا کہ وہ بے بس ہو گیا، پھر آپ نے اسے زمین پر گرا دیا۔ رکانہ اس ذلت ناک شکست پر بہت غصے میں آیا اور اپنے آپے میں نہ رہا۔ اس نے کہا: اے محمدؐ! ذرا پھر آؤ۔ آپؐ پھر میدان میں نکلے اور تین مرتبہ رکانہ کو چاروں شانے چت گرا دیا۔ اب اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا محمد، واللہ ان ھذا للعجب، اتصرنی۔ اے محمدؐ! خدا کی قسم یہ عجیب بات ہے کہ تم نے مجھے پچھاڑ دیا۔

قبولِ حق

ابن حجر عسقلانی نے الاصابۃ میں حضرت رکانہ کی زبانی بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے اور ان کے بیٹے یزید بن رکانہ کی روایت بھی لکھی ہے، جس کے مطابق خود رکانہ نے پورا واقعہ بیان کیا ہے۔ یزید بن رکانہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے کشتی میں شکست کھانے کے بعد کہا: اے محمدؐ! آپ سے قبل مجھے کوئی پہلوان کبھی کشتی میں شکست نہ دے سکا اور میرے نزدیک آپؐ سے زیادہ ناپسندیدہ شخص کوئی بھی نہیں تھا، لیکن اب آپؐ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس مقابلے کے وقت رکانہ اپنی بکریاں چرا رہا تھا جن کی تعداد تین سو تھی اور ہر مقابلے میں وہ ایک سو بکریوں کی شرط لگاتا تھا۔ تینوں مرتبہ ہار جانے کے بعد وہ تین سو بکریاں اپنی شرط کے مطابق کھو بیٹھا تھا۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کلمہ پڑھنے پر فرمایا: اے رکانہ! یہ بکریاں تیری ہیں تجھے مبارک ہوں۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، لابن حجر العسقلانی، ج ۱، مطبوعہ دار صادر بیروت، ص ۵۲۰-۵۲۱، ایضاً، ج ۳، ص ۶۵۵)

ہادیٔ اعظمؐ کی فکرِ عظیم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلوان بن کر دنیا میں نہیں آئے تھے۔ آپؐ تو ہادی تھے اور ہر وقت اس بات کی فکر میں رہتے تھے کہ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لوگ کسی طرح اللہ سے جڑ جائیں۔

Marfat.com

لوگوں کی فکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت پریشان کیے رکھتی تھی۔اس جانب قرآن میں جگہ جگہ اللہ نے خود اشارے فرمائے ہیں۔ارشاد باری ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۝ (الکہف ۱۸:۶) اچھا، تو اے نبیؐ! شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝ (الشعراء ۲۶:۳) اے نبیؐ! شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

معجزاتِ رسولؐ

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو امید بندھی کہ شاید ان کا عزیز راہِ ہدایت سے ہم کنار ہو جائے۔اسی موقع کا واقعہ ہے کہ آپ نے بڑی محبت کے ساتھ رکانہ کو کہا: اے رکانہ! اگر میں اس سے بھی زیادہ عجیب چیز تجھے دکھادوں جو تو نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی تو پھر میری اطاعت کرو گے؟ اس نے کہا: اس سے عجیب تر کون سی چیز ہے؟ آپؐ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کیا تم اس درخت کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا: ہاں دیکھ رہا ہوں۔آپؐ نے کہا کہ اگر میں اسے بلاؤں اور وہ آجائے تو تمھارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: یہ کمال کر کے دکھا دو مان جاؤں گا۔ آپؐ نے اس درخت کو اپنی طرف بلایا تو وہ درخت چلتا ہوا آیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر رک گیا۔اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ارجعی الی مکانک۔اے درخت! اپنی جگہ واپس چلے جاؤ۔تو وہ درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق اس قصے کو بیان کر کے لکھتے ہیں کہ رکانہ نے کہا: یہ سب جادوگری ہے اور اپنے خاندان میں جا کر اعلان کیا کہ محمدؐ سے بڑا پوری دنیا کے اندر کوئی جادوگر نہیں ہے۔امام ابن کثیر نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ابوبکر الشافعی کی ایک روایت جس کی سند جیّد ہے، اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ میں لکھی ہے۔ابوبکر شافعی، حضرت

Marfat.com

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رکانہ نے تین دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی اور ہر مرتبہ یہ طے ہوتا تھا کہ جو جیت جائے گا اسے ہارنے والا سو بکریاں دے گا۔ جب تینوں مرتبہ رکانہ نے شکست کھائی تو اس نے اپنی زبان سے کہا: انا اشھدان لّا الہ الاّ اللّٰہ وانک رسول اللہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سینے سے لگا لیا اور بکریاں معاف فرما دیں۔ رکانہ بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ (البدایۃ والنھایۃ، ج ا، طبع دارِ ابن حزم، بیروت، ص ۵۱۸-۵۱۹، اسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، اردو ترجمہ، ج ا، حصہ سوم، مکتبہ خلیل، ص ۲۳ ۷)

یہ دونوں واقعات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شامل ہیں اور کم و بیش سیرت کی ہر کتاب میں ان کے حوالے موجود ہیں۔ (دیکھیے: المعجزات المحمدیہ، از ولید الاعظمی، اردو ترجمہ: معجزات سرورِ عالمؐ، ص ۲۵-۲۶)

--❀--❀--❀--

Marfat.com

رسولِ رحمت ﷺ

مکّہ کی وادیوں میں

جلد اوّل

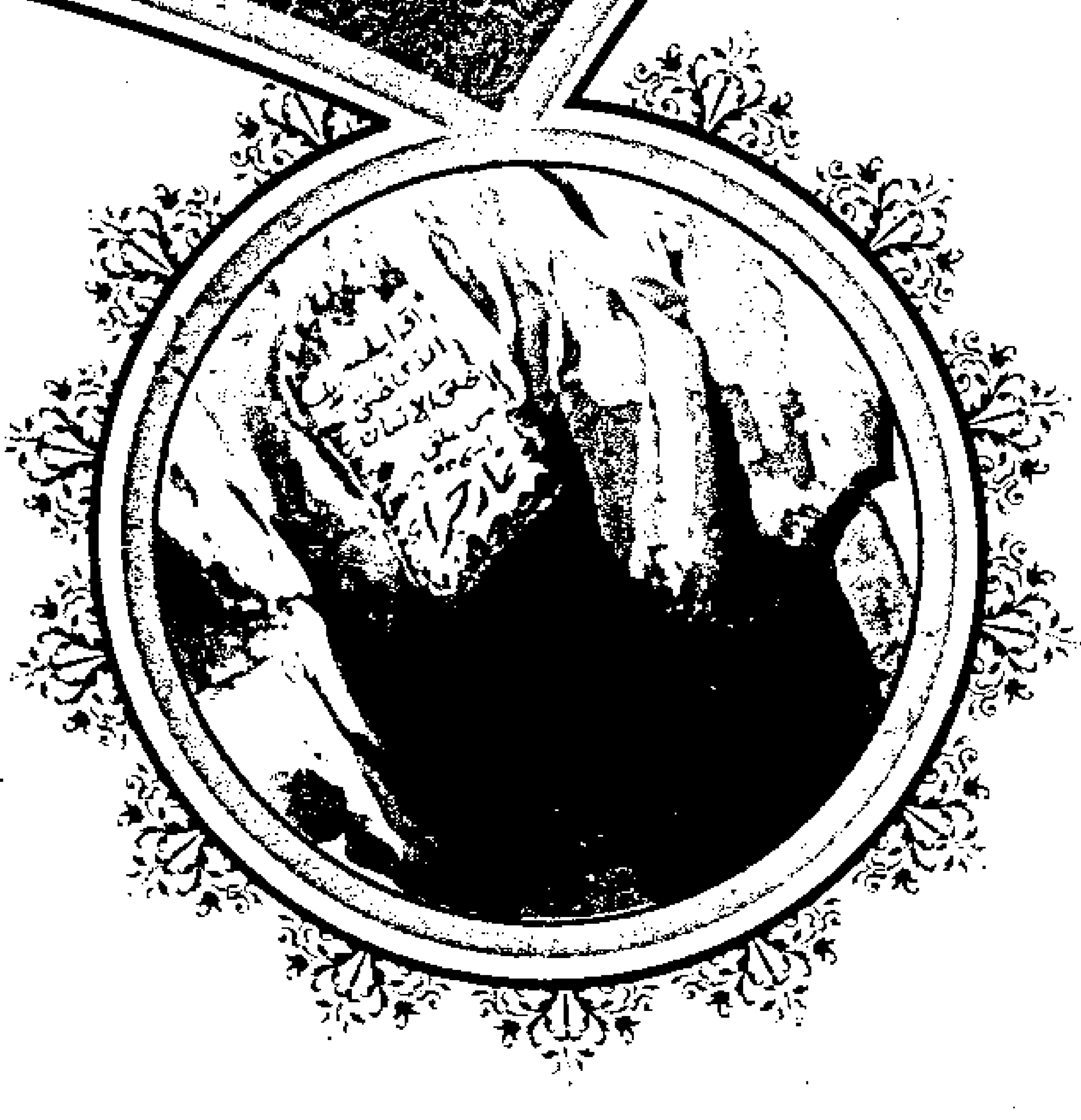

حافظ محمد ادریس

ادارہ معارفِ اسلامی

Marfat.com